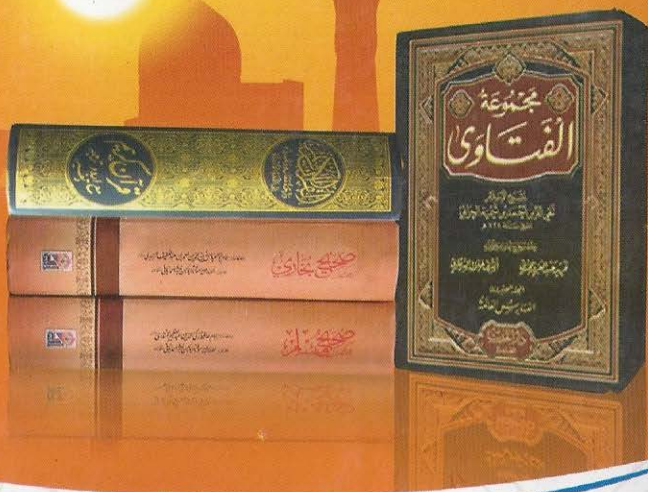


﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوْا ۖ اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾



اہل سنت کا صحیح تعامل

کتاب وسنت اور فہم سلف کی روشنی میں

ڈاکٹر سید شفیق الرحمن

شیخ الحدیث محمد رفیق اثری حفظہ اللہ
(دارالحدیث جلال پور پیر والہ)

شیخ القرآن السید عبدالسلام ستمی حفظہ اللہ
(مدیر: الجامعة العربیہ پشاور)

تقدیم:

فضیلۃ الشیخ ابو عمر عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ
(مدیر الجامعہ الاثریہ پشاور)

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ
(کتب سعودی عرب، اسلام آباد)

اہل سنت کا منہج تعامل

کتاب وسنت اور فہم سلف کی روشنی میں

تألیف
ڈاکٹر سید شفیق الرحمن حفظہ اللہ

تقدیم

شیخ القرآن السید عبدالسلام رستی حفظہ اللہ (مدیر الجامعة العربیہ، پشاور)
 شیخ الحدیث محمد رفیق اثری حفظہ اللہ (مدیر دار الحدیث محمدیہ، جلال پور پیر والہ)
 شیخ الحدیث ابو عمر عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ (مدیر الجامعہ الاثریہ، پشاور)
 فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ (مکتب الدعوة، اسلام آباد)
 شیخ الحدیث حافظ الیاس اثری حفظہ اللہ (مرکز العلوم الاثریہ، گوجرانوالہ)
 شیخ الحدیث پروفیسر محمد سعید کلیری حفظہ اللہ (فاضل جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ)
 شیخ الحدیث محمد عباس انجم گوندلوی حفظہ اللہ (جامع مسجد صدیقیہ، گوجرانوالہ)
 شیخ الحدیث عبدالرحمن چیمہ حفظہ اللہ (لودھراں)

منبر التوحید والسنة

جملہ حقوق طباعت بحق ”منبر التوحید والسنة“ محفوظ ہیں۔

نام کتاب

اہل سنت کا منہج تعامل

کتاب وسنت اور فہم سلف کی روشنی میں

تالیف

ڈاکٹر سید شفیق الرحمن حفظہ اللہ

کمپوزنگ محمد اکرم محمدی، لاہور 0321-4161840

کیلی گرافی www.muhammadifonts.com

ٹائپل ڈیزائننگ ہارون رشید، دارالسلام، لاہور

ناشر منبر التوحید والسنة

پریس شفیق پرنٹنگ پریس، لاہور

ایڈیشن دوم

ملنے کا پتہ

مسجد توحید، خدا بخش روڈ، عقب سوڈیوال کواٹرز، ملتان روڈ لاہور
اسلامک سنٹر نوزخی سلطان کالونی، سورج میانی روڈ، ملتان
دو میناروں والی مسجد، ایمن آباد روڈ نزد ایک پل، سیالکوٹ
مسجد توحید، توحید روڈ، نزد چھلی فارم، قتیانہ روڈ، فیصل آباد

لاہور

ملتان

سیالکوٹ

فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

13	انتساب
14	اہل علم کے تاثرات
14	شیخ الحدیث محمد رفیق اثری حفظہ اللہ
16	شیخ القرآن ابو ذکریا عبدالسلام عبدالرؤف الرستمی حفظہ اللہ
17	شیخ الحدیث ابو عمر عبدالعزیز النورستانی حفظہ اللہ
19	شیخ الحدیث پروفیسر محمد سعید کلیری حفظہ اللہ
21	شیخ الحدیث حافظ الیاس اثری حفظہ اللہ
22	شیخ الحدیث محمد عباس انجم گوندلوی حفظہ اللہ
23	تقدیم: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ
37	عرض مؤلف
40	منہج سلف کا مفہوم اور اہمیت
40	سلف اور منہج سلف کا مفہوم و معنی
40	مصدر تعلق
41	منہج تعلق

41	مصدر تعلق اور منہج تعلق میں فرق نہ کرنا
43	سلف امت..... نہ کہ اکابرین جماعت
45	”فہم سلف“ کسی ایک امام کی فقہ میں مقید نہیں
46	منہج سلف کی اہمیت
46	اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معیار اصحاب رسول اور سلف امت ہیں:
55	منہج سلف..... اسلامی اجتماعیت کی بقا کا ضامن
59	منہج سلف کا انکار..... گمراہی کی بنیادی وجہ
59	خوارج
63	مرجمہ
64	اہل سنت والجماعت
66	تفرقہ سے بچنے کی واحد سبیل
68	فہم سلف اپنانے کا عملی طریقہ
69	اہل سنت کے عمومی خصائص
69	۱۔ ولاء اور وفاداری صرف حق کے لئے
71	۲۔ اہلسنت عمومی طور پر باہم دوستی اور وفاداری (ولاء) رکھتے ہیں
73	۳۔ تالیف قلوب اور اجتماع کلمہ
75	اہل تفرقہ کے عمومی خصائص:
77	بدعت اور اہل بدعت
77	بدعت کی تعریف اور ضابطہ

77	بدعت کی اقسام:
78	بدعت کا حکم
79	بدعت مکفرہ
80	المسائل الظاہرہ
84	غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے
86	المسائل الخفیہ
86	اللہ کے اسماء و صفات:
90	کفریہ بدعات کے حاملین کا حکم
92	اہل بدعت مکفرہ کو اہل قبلہ میں شامل کرنا درست نہیں
96	اہل بدعت مکفرہ کو اہل کتاب پر قیاس کرنا درست نہیں:
98	کفریہ بدعات کے حاملین سے تعامل
98	دشمنی قطع تعلق کرنا
99	اہل بدعت (مکفرہ) کی اقتداء میں نماز ادا نہ کرنا
101	سلام کا جواب نہ دینا
102	وراثت میں حقدار نہ بنانا
102	نکاح نہ کرنا
104	اتحاد نہ کرنا
105	جلسوں اور دینی تقریبات میں ان کو تشریف آوری کی دعوت نہ دینا
106	احترام و تعظیم نہ کرنا

108	مدح سرائی نہ کرنا
108	استغفار، رحمت کی دعا اور تعزیت نہ کرنا
110	کفار کے ساتھ حسن سلوک
111	پہلی صورت: عیادت کرنا
112	دوسری صورت: ہدیہ و صدقہ دینا
113	تیسری صورت: زیارت کرنا
113	چوتھی صورت: دعوت قبول کرنا
113	پانچویں صورت: خرید و فروخت کرنا
113	چھٹی صورت: اچھے اخلاق سے پیش آنا
114	تکفیر کے اصول و ضوابط
114	تکفیر ناحق جرم عظیم ہے
114	تکفیر معین اور مطلق کا فرق
116	تکفیر کے قواعد و ضوابط
117	تکفیر کی شرائط
117	تکفیر کے موانع
117	۱۔ بلا قصد
118	۲۔ جہالت
121	۳۔ تاویل
124	۴۔ اکراہ

125	5۔ خطا اور نسیان
125	تکفیر معین
127	غیر مکفرہ بدعات
130	اُمت کے تہتر فرقے
134	غیر مکفرہ بدعت کے حاملین کے ساتھ سلوک
134	بعض وجوہ کی بنا پر محبت کی جائے گی اور بعض کی بنا پر نفرت
135	غیر مکفرہ بدعت کی وجہ سے تکفیر کرنا درست نہیں.....
136	اہل بدعت کے ساتھ عدل و انصاف کرنا
140	بدعات میں واقع ہونے والے علماء کے محاسن کا تذکرہ اور اعتراف
142	اہل بدعت غیر مکفرہ سے احادیث صحیحہ لینا
143	زمنی سے پیش آنا
143	خیر خواہی کرنا
143	شفقت کرنا
143	پریشانی کو دور کرنا
144	حقیر نہ سمجھنا
144	سلام کہنا
145	مسکرا کر ملنا
145	مریض کی تیمارداری کرنا
145	جنازے کے ساتھ جانا

148	رحمت و بخشش کی دعا کرنا
150	دعوت قبول کرنا
151	میل جول رکھنا
151	نصیحت کرنا
151	ایثار و قربانی کرنا
153	مسکینوں کی امداد کرنا
153	اہل بدعت کے ساتھ سختی کرنا
154	قطع تعلقی کرنا
156	بدعت مکرہ اور غیر مکرہ کے مرتکبین کے ساتھ قطع تعلقی کے مابین فرق
158	قطع تعلقی کے مقاصد اور شرعی ضوابط
169	قطع تعلقی میں داعی بدعتی اور غیر داعی بدعتی میں فرق
172	اہل بدعات کی بدعت پر رد کرنا
174	رد کرنے میں حکمت اختیار کرنا:
176	اہل بدعت سے مناظرہ کرنا
177	۱۔ ممدوح مناظرہ:
177	۲۔ مذموم مناظرہ:
179	مناظرے کی شرائط اور مقاصد
179	مناظرے کے اصول و ضوابط
180	۲۔ مخالف کی ہدایت کی طبع کرنا:

181	۳۔ مناظرہ کا اسلوب
181	۴۔ مناظرہ کا مقصد حق کی نصرت
181	۵۔ مناظرہ بدعت کی شان و شوکت کا باعث نہ ہو۔
182	اہل بدعت (غیر مکرہ) کی اقتداء میں نماز کا حکم
190	مستور الحال کی اقتداء میں نماز
194	اہل بدعت کے ساتھ مل کر جہاد کرنا
197	حکم کے لحاظ سے سنت کی مخالفت میں واقع ہونے والوں کی اقسام
197	1۔ مجتہد مخطی:
200	2۔ جاہل قابل عذر
201	3۔ ”ظلم“ اور ”عدوان“ کے مرتکب
203	5۔ منافق
205	6۔ مشرکین
209	اہل سنت سے اعتقادی اختلاف رکھنے والے فرقوں کے مراتب
209	”قدریہ“
210	رافضہ
214	”اتحادیہ و وجودیہ“
215	”وحدت الوجود“ کے بارے میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند انڈیا کا موقف
216	قبر پرست
218	”خوارج“

222	”مرجمہ“
226	”اشاعرہ“
227	اللہ تعالیٰ کے علو کا انکار..... جہمیہ اور اشعریہ کے مابین فرق
231	”اشاعرہ“ اور ”ماتریدیہ“ کی بابت علمائے امت کا موقف
237	معاصر تنظیموں سے تعامل کے حوالے سے چند ضوابط
237	کفر و شرک سے پاک معاصر جماعتیں اسلام سے خارج نہیں:
239	اجتہاد یا تاویل کرنے والے مسلمان عالم کے بارے میں اہلسنت کا مسلک
246	اگر کوئی عالم دین بدعت کا مرتکب ہو یا کسی بدعتی کی موافقت کرتا ہو تو.....؟
248	پاک و ہند کے احناف ”اشاعرہ“ و ”ماتریدیہ“
248	علامہ شمس الدین افغانی رحمہ اللہ کی نظر میں ”ماتریدیہ“ کی درجہ بندی
250	پہلی قسم بدعت مکفرہ کے حاملین:
255	دوسری قسم بدعت غیر مکفرہ کے حاملین
259	سلفی العقیدہ علماء احناف
261	مسئلہ ”وحدۃ الوجود“ کے بارے میں علمائے احناف کا موقف
263	مسئلہ تقلید
263	تقلید شرکیہ:
264	تقلید غیر شرکیہ:
264	تقلید کے جواز یا وجوب کی صورت

270	فقہی مسائل میں اختلاف کی شرعی حیثیت
271	فقہی اختلافات کی بنیاد پر افتراق کرنا درست نہیں
275	اجتہادی اختلاف کی بنا پر تکفیر نہیں کرنی چاہیے
277	ائمہ کے مابین اختلافات کے اسباب
277	1۔ امام تک حدیث کا نہ پہنچنا
278	2۔ حدیث کی صحت
279	3۔ سند میں موجود راویوں کے حالات پر اختلاف
279	4۔ راوی کا بھول جانا
280	5۔ کسی حدیث سے غلط مفہوم لینے کا خوف
280	6۔ غریب الاستعمال الفاظ
281	7۔ حدیث کے الفاظ کے مفہوم میں اختلاف
282	8۔ دو متعارض احادیث میں تطبیق
284	9۔ حدیث مخالف کو منسوخ سمجھنا
285	علماء کا طرز عمل:
286	حدیث پر عمل نہ کرنے کی وجوہات
288	اختلافی مسائل میں مخالف پر رد کرنا
290	احناف کے پیچھے نماز
302	طالبان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی شرعی حیثیت
310	طالبان کی قیادت میں جہاد کے واجب ہونے پر علمائے کرام کے فتاویٰ

314	خلاصہ کلام	۳۱۴
316	ہمارے لیے درست طرز عمل	۳۱۶
318	مراجع و مصادر	۳۱۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

۱۔ والد محترم سید فیاض محمد زیدی رحمۃ اللہ علیہ کے نام :- جنہوں نے ہمیشہ رزق حلال کھایا اور کھلایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سفر حج کے بعد اپنے پاس بلالیا۔ ۲۰۰۰ میں حج سے فراغت کے بعد مکہ ہی میں اُن پر فالج کا حملہ ہوا وہ اسی میں جہاز پر کچھ افاقہ ہوا تو اُن کی زبان سے جاری ہونے والے الفاظ یہ تھے ۔ **اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ مُّحِبُّ الْعَفْوِ فَاَعْفُ عَنِّي**۔

آج اُن کے پانچویں بیٹے (سید شفیق الرحمن، ڈاکٹر سید طالب الرحمن، حافظ سید طیب الرحمن، حافظ سید توفیق الرحمن، شیخ سید توصیف الرحمن) اور دونوں بیٹیاں اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔ اے اللہ میرے ابو کی قبر کو جنت کا باغ بنادے۔ آمین۔

۲۔ استاد محترم حافظ عبد اللہ بہاؤ پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام :- جن کی تربیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے سارے گھرانے کو توحید و سنت کا داعی بنادیا حالانکہ والد زیدی اور والدہ نقوی خاندان سے تھیں۔ انہیں کی تربیت کا اثر ہے کہ الحمد للہ جس بات کو حق سمجھا اس کو بیان کرنے میں کبھی کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کیا۔

۳۔ محترم ڈاکٹر شجاع اللہ حفظہ اللہ کے نام :- جن کے ساتھ ۱۹۸۵ سے تعلق ہے۔ زندگی کے اس طویل سفر میں ہر موڑ پر ان کی فکری رہنمائی نے صراطِ مستقیم پر چلنے کا حوصلہ دیا، اس دور میں آپ اللہ سے محبت، طواغیت سے دشمنی اور منہج سلف کی اتباع کا بہترین نمونہ ہیں۔ بحسبہ کذلک واللہ حسبیہ ولا نزکی علی اللہ أحدا

اے اللہ ہم سب کو جنت الفردوس میں انبیاء علیہم السلام صدیقین اور شہدا کے ساتھ اکٹھا فرما اور ہمیں شہادت کی موت نصیب فرما۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الحدیث محمد رفیق اثری حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ڈاکٹر شفیق الرحمن حفظہ اللہ منہج سلف صالحین پر گہری نظر رکھنے والے اسکا لریں، راقم نے بعض اہم مسائل پر ان کی نگارشات پڑھی ہیں وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں اس کے مالہ و ماعلیہ کا استقصاء کرتے ہیں اور اس میں حق بات نکالنے کی سعی کرتے ہیں۔ ”اہل سنت کا منہج تعالٰی“ پر بھی ان کی اہم کتاب سامنے ہے جس میں بہت سے علمی اور فکری فتنوں کا تذکرہ کر کے فکر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہی صائب اور درست قرار دیا ہے جس کے داعی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے افکار سے متاثر ہیں۔

ایمان کے بعد عصیان اور گناہ کے ارتکاب، بدعات میں ملوث افراد و جماعت کی تقسیم، صفات باری تعالٰی کے بارے میں مختلف گروہوں کے نظریات کا تذکرہ، وحدت الوجود کے حوالے سے افراد امت پر تبصرہ اور اسی انداز کے دیگر مسائل میں فاضل مولف نے حد اعتدال میں رہنے کی کوشش کی ہے جبکہ فروعی مسائل میں ڈاکٹر صاحب کا یہ مقولہ کتنا مفید اور حقیقت کے قریب ہے، لکھتے ہیں:

”حاصل کلام یہ ہے کہ ان مسائل میں رائج بات تو بیان کی جائے گی، مگر امت میں ان مسائل کی بنا پر دشمنی پیدا نہیں کی جائے گی جیسا کہ آج کل رکوع کی رکعت، امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا، نماز جنازہ سری یا جہری پڑھنا، غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور ایسے ہی بہت سے مسائل کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر تک کر دی جاتی ہے۔ یقیناً یہ روش درست نہیں۔“

نیز لکھتے ہیں: ”اگر ہم کسی عالم کی رائے کی بنا پر قرآن حکیم یا صحیح حدیث کو ترک کرنا شروع کر دیں تو ہمارے پاس کوئی بھی شرعی دلیل باقی نہیں رہے گی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے کا ان علماء کے پاس کوئی عذر ہو گا مگر ان کے کسی قول کی بنا پر حدیث کو چھوڑنے کا ہمارے پاس کوئی عذر نہیں۔ البتہ ہمیں ان مسائل میں حسن ظن سے

کام لینا چاہیے۔ اپنے بھائیوں پر تنقید کرتے ہوئے بے جا شدت سے بچنا چاہیے۔
 جارحانہ کلمات، عیب جوئی، طعنہ زنی اور جاہلانہ و احقانہ انداز گفتگو سے پرہیز کرنا
 چاہیے، مخالف کو غلطی پر سمجھتے ہوئے بھی وہی رویہ اختیار کرنا چاہیے جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے
 بھائی ہارون علیہ السلام کے لیے اختیار کیا۔

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا تَجْعَلْ لِي فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾
 (الاعراف: 151)

”موسیٰ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت
 میں داخل کر، تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ امت کو پھر اسی فکر پر آنے کی توفیق دے جس کا اعلان رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا کر اپنے رب کی رضا حاصل کی۔

وہوالموافق

محمد رفیق

دارالحدیث محمدیہ، جلال پور پیر والا، ضلع ملتان

۱۳۳۲ / ۵ / ۱۳ھ

شیخ القرآن ابو زکریا عبدالسلام عبدالرؤف الرستمی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”اہل سنت کا منہج تعالٰی“ میں عالم اسلام کی توجہ مختلف فتنوں کی طرف دلائی گئی ہے۔ میں نے ضعف و بیماری کی وجہ سے اس کے بعض مضامین مختصر پڑھے ہیں، پیش نظر کتاب عقائد کا مختصر اور نہایت عمدہ مجموعہ ہے۔ یہ کتاب مولف کی انتھک کوششوں کی آئینہ دار ہے۔ جو عام فہم اسلوب کی وجہ سے جہاں علماء و طلباء کے لئے مفید ہے، وہاں عوام الناس کے لئے بھی اس پر فتن دور میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ایک بلند مقام حاصل کرے گی۔ اس سے پہلے بھی مصنف کی کئی تالیفات منظر عام پر آ کر داد قبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور مولف کے لئے باعثِ نجات بنائے۔ آمین۔

آخر کم فی اللہ

ابو زکریا عبدالسلام عبدالرؤف الرستمی

مدیر الجامعہ العربیہ، بدہ، بشاور

شیخ الحدیث ابو عمر عبدالعزیز النورستانی حفظہ اللہ

الحمد لله الذي خلق كل شيء ثم هدى والصلاة والسلام على من ارانا الهدى وعلى آله وصحبه الذين اقتفوا اثاره ﷺ فيما جاءهم من ربهم الهدى اما بعد:

راقم الحروف نے محترم ڈاکٹر شفیق الرحمن صاحب کی کتاب ”اہل سنت کا منہج تعامل“ مکمل اول سے آخر تک پڑھی۔ الحمد للہ ڈاکٹر صاحب نے راہ اعتدال کو حج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے مزین کیا ہے، خاص طور پر اہل السنۃ والجماعہ (اہل الحدیث) کیلئے جادہ مستقیم رسول اللہ ﷺ و سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کی جو ہدایات بطون کتب میں منتشر تھیں انکو جمع کر کے ایک روشن چراغ ہاتھ میں دیا اور انہوں نے ان ہدایات کو جو ڈاکٹر صاحب نے ہر عنوان کے تحت نہایت عرق ریزی سے درج کی ہیں، پر عمل کیا تو ان شاء اللہ ہر فرد حدیث ”اِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللّٰهُ“ کا مصداق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس امت کا تعارف یوں کروایا ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ﴾

(البقرة: 143)

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں سب سے بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو۔“

اور امت کو رب کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْٓا ۚ اِعْدِلُوْٓا ۚ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸﴾ (المائدة: 8)

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو، عدل کیا کرو یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس

سے خوب باخبر ہے۔“

بہر حال کتاب مجموعی طور پر بہت ہی مفید ہے۔ ان شاء اللہ اس کے بہتر اثرات سامنے آئیں گے۔

گو کہ اگرچہ بندہ کو کسی فقرہ یا عنوان سے اختلاف ہو تو وہ کتاب کی افادیت پر اثر انداز نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی کاوش کو شرف قبولیت بخش کر ان کے لیے ذخیرہ آخرت اور قارئین کیلئے سبب ہدایت بنائے۔ آمین

والسلام

ابو عمر عبدالعزیز النورستانی

مدیر الجامعہ الاثریہ پشاور

شیخ الحدیث پروفیسر محمد سعید کلیر وی حفظہ اللہ (فاضل مدینہ یونیورسٹی)

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلا والسلام على أشرف
الانبياء والمرسلين وعلى اله وأصحابه أجمعين أما بعد
راقم الحروف نے محترم ڈاکٹر سید شفیق الرحمن حفظہ اللہ کی کتاب وسنت کی تعلیمات سے
مزین کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ قرآن وسنت کا مفہوم بھی واضح ہے اور رائے اور قول کی
حیثیت بھی۔ جبکہ فہم دقیق اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمت کہی۔ اسی طرح قول امام، قول شیخ اور
فتویٰ بھی ایک سمت کا تعین کرتا ہے۔ مگر فائق تر بالآخر کتاب وسنت ہیں کیونکہ ارشاد باری
تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَزُكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ﴾ (النجم: ۲۲)

”سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون بچا۔“

﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ (الاحقاف: ۱)

”میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور میں تو بس واضح
ڈرانے والا ہوں۔“

فضیلۃ الشیخ نے راہ اعتدال کو دلائل وبراہین سے پیش فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء
خیر عطاء فرمائے۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ فہم دقیق اور فکر آخرت نصیب فرما دے اسے چاہیے کہ
اپنے موقف، فتوے اور قول پر نظر ثانی فرمائے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے۔
کیونکہ فائق اور آخری فیصلہ اور فرمان تو کتاب وسنت کا ہی ہے۔ اپنی رائے پر غور کرنا اور پھر
رجوع کرنا دلائل شرعیہ سے ہے۔ جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا تھا: لو استقبلت منا
استدبرت ما سقت الہدی (نسائی: ۲۷۱۲) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہر کے تعین کا
اعلان فرمایا اور صحابہ خاتون کے توجہ دلانے سے أصابت البرأۃ وأخطأ عمر کا اعلان
فرمادیا۔ سب سے بڑا مسئلہ ہے اپنے موقف پر غور کرنے کا اور پھر دوسرے بزرگ کی علمی

اور فقہی دلائل کی حیثیت کو پہچان جانے کا۔ وما ارید الا اصلاح۔
سید صاحب کی خوبصورت کاوش ہے، علم و فضل کی اور فکر و اجتہاد کی عمدہ مثال بھی
جبکہ اہل نظر کے لیے مشعل راہ بھی ہے اور دعوت فکر بھی۔

اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن

جوشے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا ہے؟

محترم ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے ان کی علمی راہنمائی اور
مخلصانہ کاوش کی۔ کہ انہوں نے انتہاء کی خوبصورت دعوت فکر پیش فرمائی ہے۔

هذا ما أعرف عنه ولا أزکی علی الله احداً والله اعلم بالصواب

محمد سعید کلیر وی بن عبدالرحمن
۱۴۳۲/۱۱/۲۸ھ

شیخ الحدیث حافظ الیاس اثری حفظہ اللہ

(مرکز العلوم الاثریہ۔ مرکز الاصلاح۔ گوجرانوالہ)

جناب ڈاکٹر سید شفیق الرحمان حفظک اللہ و اجارک۔ السلام علیکم

عزیزی مولانا عبد الغنی محمدی صاحب نے آپ کی کاوش ”اہل سنت کا منہج تعامل“ ناچیز کو پیش کی کہ ذرا اس کو پڑھوں اور پھر اپنی کوئی رائے قائم کرو، میں نے آپ کی تالیف من اولہ الی آخر پڑھی ہے۔ میں نے اس کتاب کو بڑا متوازن پایا ہے ممکن ہے کہ بعض مسائل میں بعض علماء کو اختلاف ہو اور مجھے بھی ہو سکتا ہے مگر یہ چیز کتاب کی افادیت کے لیے خطرہ نہیں ہے کیونکہ تفردات تو ہر آدمی کے ہوتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب کتنی مفید ثابت ہوگی۔ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ میرے خیال میں اس کتاب کو پڑھنے سے اعتدال کی فضا قائم ہوگی اور رواداری کا احساس اجاگر ہوگا، فتویٰ بازی میں کمی واقع ہوگی، جب غیروں کے حق میں ہمارے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوگا تو پھر ہمارے دلوں میں اپنے علماء کا احترام و اکرام بھی پیدا ہوگا کیونکہ یہ امر ہمارے ہاں کم پایا جاتا ہے ہم اپنے علماء کا بھی احترام نہیں کرتے کیونکہ جب ہم نے یہ کہنا ہے کہ کیا ہم نے امام بخاری کا کلمہ پڑھا ہے کہ اسکی بات تسلیم کریں تو ہم دیگر علماء کا کیسے احترام کریں گے؟ آج تو ہم اپنے علماء کا نام عزت سے لینا بھی گوارا نہیں کرتے، خدا را اپنی گفتگو میں رسمی تیزی کو کم کرنے کی پوری کوشش فرمائیں۔ بارک اللہ

حافظ الیاس اثری

۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ - ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء

شیخ الحدیث محمد عباس انجم گوندلوی حفظہ اللہ

ڈاکٹر سید شفیق الرحمن صاحب حفظہ اللہ نے اس کتاب میں نہایت ہی احتیاط اور اعتدال کے ساتھ امت کو جو کہ فرقہ پرستی کے شعلہ جوالہ میں جل رہی ہے وحدت واتحاد کا جام شیریں پیش کیا ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو کافی حد تک یہ آتش سوزاں ٹھنڈی ہو سکتی ہے اور ہمارا ملک امن و آشتی کا گہوارا بن سکتا ہے۔ جناب سید صاحب کے قلم گہر بارنے شریعت و سلفیت کو بھی آشکارا کیا ہے اور خلاف شریعت کاموں پر اور نظریات پر جو نفرت ہونی چاہیے اس سے بھی روشناس کیا ہے۔ یعنی یہ کتاب اس دور کے لئے آئینہ حقیقت کشا ہے جس میں دیکھ کر امت کا جو شیرازہ بکھر چکا ہے اسے یکجا کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو اس پر جزائے خیر دے۔ اور قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین

محمد عباس انجم گوندلوی

جامع مسجد صدیقیہ ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

تقدیم

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”الولاء والبراء“ اسلامی عقائد اور ایمانیات کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے جسے سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور اسکے مطابق لوگوں سے تعامل کرنا ہر صاحب ایمان کا فرض ہے، صحت مند اور مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے اسلامی تعلیمات مسئلہ الولاء والبراء کے ذریعے ہی ظہور پذیر ہو سکتی ہیں، ایک مومن اور مسلمان شخص کے ”الولاء والبراء“ کی بنیاد خالصتاً اسلام پر ہوتی ہے، مومن کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، وہ اپنے تعلقات میں ہر صورت اسلام اور اس کی تعلیمات کو ہی ترجیح دیتا ہے، یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے، وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو، اس کے ساتھ موالات پر مبنی تعلق رکھنا مومن پر واجب ہے۔ ایسے ہی جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا منکر اور کافر ہے، وہ جو بھی ہو جہاں بھی ہو، اس سے لاتعلقی اور براءت کا اظہار فرض ہے۔ اور جس شخص میں بیک وقت ایمان اور فسق و فجور دونوں جمع ہوں، اس کے ساتھ اسکے ایمان کے مطابق موالات اور تعلق رکھنا اور جس قدر اس میں فسق و فجور ہے، اسی قدر اس سے اظہار براءت اور بیزاری واجب ہے۔ اور جو شخص ملت اسلام کی پرواہ کئے بغیر کفار سے موالات اور مومنوں سے براءت اختیار کرتا ہے۔ اس کی توحید اور ایمان میں خلل ہے۔

اسی لیے یہ محدثین کرام کے عقائدی منہج کا ایک اہم باب ہے۔ اسکے دواہم حصے ہیں:

(۱) الولاء (۲) البراء۔

الولاء: کا لفظ عربی زبان میں محبت، نصرت اور قرب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایسے ہی ”ولی“ محبت کرنے والے، مددگار اور دوست کو کہتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ”الولاء“ کا معنی ہے اہل ایمان کے ساتھ ان

کے ایمان کی بنیاد پر

☆ محبت والفت۔

☆ کارِ خیر میں ان کے ساتھ تعاون۔

☆ بوقتِ ضرورت ان کی حسب استطاعت مدد۔

☆ اللہ کو خوش کرنے کے لیے ان سے میل ملاقات کا اہتمام اور صحبت و رفاقت۔

☆ ملاقات کے وقت سلام و مصافحہ۔

☆ کتاب و سنت میں مذکور ان کے حقوق عامہ و خاصہ کی ادائیگی کرنا، وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ
هُمُ الْغَالِبُونَ ۝﴾ (البائدة: ۵۱، ۵۲)

”تمہارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ، اس کے رسول (ﷺ) اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے دوستی رکھے گا، تو یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔“

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾

(التوبة: ۱۷)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ایمان کی حلاوت

پانے والی تین باتوں میں ایک یہ ہے کہ:

”أَنْ يُحِبَّ الْمَرْءُ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ“

”آدمی کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے۔“ (بخاری: ۱۶)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ))

(ابوداؤد: ۴۶۸۱، ترمذی: ۲۵۲۱)

”جس شخص نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھا، اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے ہاتھ کھینچا تو یقیناً اس نے ایمان مکمل کر لیا۔“

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ)) (ابوداؤد: ۴۵۹۹)

”افضل ترین عمل اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے بغض رکھنا ہے۔“

اسکے برعکس قطع رحمی کو اللہ تعالیٰ نے موجب جہنم قرار دیا ہے۔ اہل ایمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلقات کو حرام ٹھہرایا ہے۔

۲۔ البراء

براء: عربی لغت کی رو سے کسی شے سے دوری اختیار کرنے، اس سے جدا ہونے اور بیزاری کا اظہار کرنے کو کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ادْتَبِرُوا الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا﴾ (البقرة: ۱۶۶)

”جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے اظہار بیزاری کر دیں گے جنہوں نے ان کی پیروی کی ہوگی“

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ”البراء“ کفار، مشرکین، منافقین اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ اللہ کی رضامندی کے لیے بغض رکھنے اور ان

سے دور رہنے اور ان کے خلاف حسب ضرورت اور حسب طاقت جہاد کرنے یا اس کے لیے تیار رہنے کو کہتے ہیں۔

اہل کفر و نفاق کے ساتھ بغض، لا تعلقی اور ان سے بیزاری کا اظہار کرنا کتاب و سنت کی رو سے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۳۸)

”مومنوں کو چاہیے کہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (المبتحنة: ۱)

”اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔“

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّةً﴾ (المبتحنة: ۳)

” (مسلمانو!) تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے بر ملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہو گئی ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أَوْثَقُ عَزَى الْإِيمَانِ: الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ))

(مصنف ابن ابی شیبہ الطبرانی فی الکبیر، السلسلة الصحيحة: ۱۷۲۸)

”اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے بغض رکھنا، ایمان کی سب سے مضبوط کڑی ہے۔“

لہذا اہل ایمان کا فرض ہے کہ کتاب و سنت سے ثابت اس عقیدہ ”البغضاء“ پر عمل پیرا

ہوں اور:

☆ ان کے دل میں کفار و مشرکین کے لیے کوئی محبت اور احترام نہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ﴾
(المجادلة: ۲۲)

”اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہیں پائیں گے۔“

☆ یہود و نصاریٰ سے دوستانہ مراسم نہ رکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فِئَاثَهُ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾
(المائدہ: ۵۱)

”اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ، یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے بے شک وہ انہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔“

☆ ان کے مشوروں اور نصائح کو خاطر میں نہ لائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَكْفُرُوا بِكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۱۴۹)

”اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایزدوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔“

☆ اپنی نجی، قومی اور معاشرتی زندگی میں ان کی خواہشات کا احترام نہ کریں۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا اتَّبَعَتْ أَهْوَاءَهُمْ بَعَدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (البقرہ: ۱۷۰)

”اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم کے آجانے کے پھر ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔“

☆ ان کی طرف کسی قسم کا میلان اور رجحان نہ رکھیں۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَيَتَمِصْكُمْ الْغَارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ (ہود: ۱۱۳)

”دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہیں جھکنا ورنہ تمہیں بھی جہنم کی آگ چھو لے گی، اور اللہ

کے سوا کوئی اور تمہارا دوست نہیں ہوگا اور نہ تم مدد دیئے جاؤ گے۔“

☆ کفریہ معاشروں کو استحسان کی نظر سے نہ دیکھیں، ان کی تعریف نہ کریں۔ ان کے

ساتھ تعلقات میں مداخلت سے کام نہ لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُونَ﴾ (القلم: ۹)

”وہ تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ نرم رویہ اختیار کریں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔“

☆ ان کے اعتقادات و افکار، عبادات، دینی شعائر، تہذیبی و ثقافتی روایات،

عبادات و اطوار اور بود و باش، لباس، رہنے سہنے اور خورد و نوش کے طریقوں میں ان کی

مشابہت اختیار نہ کریں۔ ان کی عیدوں (کرسمس وغیرہ) اور دیگر مذہبی رسوم و رواج اور

تہواروں میں شرکت بھی اسی مشابہت کا حصہ ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

”تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد

تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

ہمارے ہادی و رہنما محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (ابوداؤد: ۴۰۳۱)

”جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔“

☆ کفار پر اعتماد، انہیں اپنے امور و معاملات میں شریک کرنا، اپنی پالیسیوں میں ان سے رہنمائی حاصل کرنا، انہیں اپنا راز دان بنانا ان سب امور سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوا مِنْهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ (النساء: ۸۹)

”ان کی تو چاہت یہ ہے کہ جس طرح کے وہ کافر ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ، پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو، اور جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں انہیں قتل کرو، خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔“

☆ بلاد کفار میں سکونت اختیار نہ کریں اور بلا ضرورت وہاں جانے سے پرہیز کریں۔ مجبوری اور دینی مصلحت اس سے مستثنیٰ ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان سکونت پذیر ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)؟ مسلمان کفار سے کتنا دور رہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نہ دیکھے۔“ (یہاں مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے قریب نہ رہیں)

(ابوداؤد: ۲۶۳۵، ترمذی: ۱۶۰۴)

اہل بدعت حضرات کے ساتھ تعلقات میں محدثین کا منہج

حضرات محدثین کرام نے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ اہل بدعت سے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور کتاب و سنت کے دلائل سے اس کی حدود و قیود بیان کی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ

﴿غیرہ﴾ (الانعام: ۶۸)

”اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں، تو ان لوگوں سے کلمہ کش ہو جائیں، یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں بحث کریں۔“

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ﴾ (الحجاثیہ: ۲۳)

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے گا۔“

﴿وَلَا تُطِيعُوا أَفْوَاحًا قَلْبُهُ عَنْ دُكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطَا﴾

(الکھف: ۲۸)

”اور اس کا کہنا نہ ماننا، جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔“

﴿وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيُؤْخَذَ إِلَىٰ أُولِيهِمْ لِيُجَادِلُوهُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ

لَمُسْرِكُونَ﴾ (الانعام: ۱۲۱)

”اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (شکوہ و شبہات) القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اگر تم نے ان لوگوں کی بات مان لی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔“

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ﴾

(النساء: ۱۴۰)

”اور اللہ تعالیٰ تم پر اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) تم بھی اس وقت

انہی پیسے ہو۔“

بدعت اور اہل بدعت کی تقسیم

بدعت کبریٰ:

بدعت کبریٰ کے مرتکب اہل بدعت کے ساتھ تعلقات کا حکم عام اہل بدعت سے مختلف ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے عقائد و ایمانیات میں طائفہ منصورہ کے ساتھ اختلاف کیا، کتاب و سنت کی صحیح و صریح نصوص کی من مانی تاویلیں کیں۔ ذاتی آراء اور خواہشات نفس کو سامنے رکھ کر ان کے معانی متعین کیے۔ انہوں نے سلف امت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم سے مانور عقائد کو نہ صرف یہ کہ پس پشت ڈالا بلکہ ان کی اہانت اور گستاخی کا ارتکاب بھی کیا۔

بدعت کبریٰ صرف کبیرہ گناہوں میں ایک گناہ ہی نہیں ہے اور نہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کوئی جزوی معصیت اور نافرمانی ہے بلکہ یہ بدعت اسلام اور دین و شریعت کے خلاف ایک متوازی دین اور خود ساختہ شریعت ہے جس کے کئی رنگ ہیں اور اس کا ہر اسلوب اور منہج الحاد کی مختلف شکلوں کا ترجمان ہے۔ اسلام کا لیلل تو اس پر صرف اسے مسلمانوں میں ترویج و اشاعت کے لیے لگایا گیا ہے۔

ان اہل بدعت میں کوئی مشرکین کا ہمنوا ہے، تو کوئی یہودی افکار کا ترجمان اور کوئی نصاریٰ کے عقائد سے متاثر جبکہ اکثر کے اصول ضوابط یونان اور فارس کے فلاسفہ، مجذبن اور مجوس کے افکار و خیالات کا چرہ ہیں۔ مثلاً:

”قدریہ“ کی طرف سے الہ العالمین اور رب کائنات کے قائم کردہ تقدیری نظام کا انکار اور اس کی تدبیر اور انتظام پر حرف گیری۔

”جبریہ“ کا خلق افعال العباد کا انکار۔

”روافض“ کا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے اظہار براءت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نفاق کا عقیدہ اور مسلمانوں کی متفق علیہ کتب حدیث کے بالمقابل اپنی اصول اربعہ اور

قرآن کے بارے میں تحریف و تشکیک کے نظریات۔

”جہمیہ، معتزلہ اور غالی مرجئہ“ وغیرہ کا قرآن و سنت کی بے شمار ایسی نصوص کا انکار یا ان کی تحریف و تاویل اور اس باب میں ہوائے نفس کی پرستش وغیرہ وغیرہ۔

اس صورت حال میں کفر تک پہنچنے والے اہل بدعت کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا کہ ان کے ساتھ ولاء و براء کا حکم کفار کے ساتھ ولاء و براء کی طرح ہے اور یہ کتاب و سنت میں مذکور حقیقی اسلام کے خلاف ایک متوازی دین ہے، اس لیے ان سے اختلاف نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ ان سے الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ کیا اس میں کوئی مبالغہ ہے؟ حضرات محدثین کا ان اہل بدعت کے بارے میں یہی نظریہ ہے۔

محدثین کے اس منہج تعامل مع الناس کے بارے میں امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ کی چند تصریحات بطور اصول اور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

باب مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعْتِيقِ وَالتَّنَازُعِ فِي الْعِلْمِ وَالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ وَالْبِدْعِ
(بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

”علم میں باہم اختلاف اور تعق کی کراہت کے بارے میں اور دین میں غلو اور بدعتوں کی کراہت کے بارے میں۔“

اس باب میں امام صاحب رحمہ اللہ نے بنیادی دلیل وہی آیت پیش فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ﴾

(النساء: ۱۶۱)

”اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہو۔“

ایک اور باب میں فرمایا: ”إِنَّهُمْ مِنْ آوَىٰ مُحْدِثَاتٍ“ ”بدعتی کی پذیرائی کا گناہ“ اس میں بدعتی پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کی حدیث ذکر کی۔

ایک اور باب میں فرمایا: ”إِثْمُ مَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ أَوْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً“ (اس بدعتی) شخص کے گناہ کا بیان جس نے گمراہی کی دعوت دی یا برا طریقہ اختیار کیا۔“ اس میں قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿لِيُحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَكْسِرُونَ﴾ (النحل: ۲۵)

”اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ اٹھانے میں بھی حصہ دار ہوں گے، جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے، دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔“

ان مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ محدثین کا منہج، اہل بدعت کے ساتھ تعلقات اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے کے سلسلے میں کیا ہے اور اس کی بنیاد کتنے واضح اور صحیح دلائل ہیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَحْذَرُوا مِنَ النَّاسِ صَنَفَيْنِ: صَاحِبِ هَوًى فَتَنَتْهُ هَوَاةٌ وَصَاحِبِ دُنْيَا أَعْجَبَتْهُ دُنْيَاةٌ“ (اعلام الموقعین، ۱/۱۳۶)

”دو قسم کے لوگوں سے بچیں، ایک ہوا و ہوس کا پجاری جسے اس کی خواہشات نے فتنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ دوسرا دنیا پرست جو اپنی دنیا پر ہی خوش ہے۔“

عصر حاضر میں اسلام کا نام استعمال کرنے اور اس کے پردے میں کفر کی نشر و اشاعت کرنے والے باطل فرقوں کا حکم کفار کا ہے۔ جیسے البابیہ، بہائیہ، قادیانیت، اشتراکیت، سوشلزم، علمائیت، قومیت، استشر اق، وحدۃ الوجود، حلول و اتحاد، مادیت پرستی، روشن خیالی، وحدت ادیان، برابری کی بنیاد پر مکالمہ بین المذاہب وغیرہ۔ یہ اہل بدعت نام کی حد تک بدعتی ہیں، اصلاً یہ سب کفر کی شکلیں ہیں۔ جیسے نفاق اور کفر میں لفظی فرق ہے، اصل میں دونوں ایک ہی ہیں۔ ان تمام بدعتوں کے دُعاۃ شر کھلے بندوں ہر قسم کے ذرائع ابلاغ

میں کفر کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔ بدعت کی اس نوع کے کفر اور اس کے مرتکبین کے کفار ہونے میں کسی تردد کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل ایمان کو ان کے فریب سے نکالنا، ان کی سازشوں سے آگاہ رکھنا، ان کا حکم بیان کرنا، ممکن ہو تو انہیں نصیحت کرنا اور حق کی دعوت دینا، استطاعت ہو تو ان سے بحث کر کے حق واضح کرنا، بصورت دیگر ان سے مکمل قطع تعلقی اور اظہار بیزاری حضرات محدثین کا عقائدی منہج ہے، جس کی پیروی ان کی جماعت اہل الحدیث والسنۃ کا فرض منصبی ہے۔

بدعت صغریٰ:

بدعت صغریٰ اور اس کے ارتکاب کرنے والے اہل بدعت کا حکم مختلف ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جو کفر تک نہیں پہنچتی۔ اس میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو فہم کتاب و سنت میں اجتہادی غلطیوں کا شکار ہیں۔ کفر کے آلہ کار نہیں ہیں۔ کتاب و سنت کی پیروی کی کوشش کرتے ہیں مگر حق و صواب تک رسائی میں لغزش کا شکار ہیں۔ یہ لوگ فاسق و فاجر اور اہل معاصی مسلمانوں کی طرح ہیں۔ ان سے محبت و بغض ان کے ایمان و اتباع کے مطابق ہوگا۔ انہیں خارج عن الملة کا فر قرار دینا، ان سے قطع تعلقی کرنا، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے فتوے دینا اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ نہیں ہے۔ اہل علم نے ان کے ساتھ ہمیشہ افہام و تفہیم، مکالمہ بالذلیل اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا راستہ اختیار کیا ہے۔ ان کی نصیحت اور خیر خواہی کو اپنا فرض سمجھا ہے، فقہی مذاہب اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر اور مدارس فقہ کی اجتہادی غلطیاں، ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدعات صغریٰ کا یہی حکم ہے۔ کلمہ اخلاص پر اجتماع اور وحدت امت کا یہی تقاضا ہے۔

اہل بدعت کے متعلق اہل علم و فضل کے فتاویٰ میں بعض اوقات جو تضادات نظر آتے ہیں اس کی وجہ اہل علم کا فکری اختلاف نہیں ہے بلکہ بدعت اور اہل بدعت میں تفاوت اور فرق ہے۔

جیسے ایمان کے کچھ بنیادی اور اساسی اجزاء ہیں جن کے بغیر ایمان کا وجود ہی

معدوم ہو جاتا ہے۔ اور کچھ تحسینی اعمال ہیں جن کے عدم وجود سے عدم ایمان لازم نہیں آتا۔ ایسے ہی کچھ اعتقادات اور اعمال اصل کفر ہیں اور کچھ کفر دون کفر ہیں۔ ان کی تفصیلات ائمہ حدیث کی کتب الایمان بالخصوص صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

توجہ طلب نکتہ!

جہاں تک کفر ساز، تکفیر کے شائقین، اجتہادی خطاؤں پر مبنی بدعات اور معاصی کے بارے میں کفر کے فتوے لگانے والے اور ان کے مرتکبین کو خارج عن الملتہ کافر قرار دینے والے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرنے والے جاہل مفتیوں کا تعلق ہے، تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بزم علم میں ایسے لوگوں کا تذکرہ اہل علم کے وقار اور شرف کے منافی ہے۔ اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں، حماقت یا تجارت۔ اس قسم کے احمق اور تاجر تمام دینی گروہوں اور فقہی مذاہب میں موجود ہیں، ایسے لوگوں کا وجود خود ایک فتنہ اور اہل ایمان کی آزمائش ہے۔

بدعات کی یہ تقسیم محدثین کرام کی تصریحات کے استقراء پر مبنی ہے، جسکی وضاحت علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال کے شروع میں ہدایۃ کی جرح و تعدیل کے اصول کے ضمن میں کی ہے جو نہایت معقول اور معتدل ہے اور کبار ائمہ حدیث کے طرز عمل کی آئینہ دار اور ترجمان ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی آراء و فتاویٰ میں اعتدال کا یہی اسلوب نمایاں ہے، جبکہ کتاب وسنت کے صحیح فہم اور نصوص سے تمسک اور حق کے لیے غیرت میں وہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے فتاویٰ اور فیصلے اہل بدعت کے لیے خوفناک میزائلوں سے کم نہیں ہیں۔

طلبہ علم اگر محدثین کرام کے اس منہج اعتدال کا تتبع کریں، اور سلف صالحین سے منقول سلیقہ اختلاف کو اپنائیں تو بزم علم و فکر میں بہار آسکتی ہے اور اس خزاں رسیدہ شجرہ علم کی

کو نیلیں پھوٹ سکتی ہیں، اور الفت و محبت کے پھول مہک سکتے ہیں، اہل علم کو معاشرے میں ان کا صحیح مقام مل سکتا ہے اور دعوت و تبلیغ کا دائرہ وسیع تر ہو سکتا ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر سید شفیق الرحمن زیدی حفظہ اللہ کی زیر مطالعہ کتاب ”اہل سنت کا منہج تعامل“ بھی اس موضوع پر ایک قابل قدر علمی دستاویز ہے۔ جس میں انہوں نے مسئلہ پر روشنی ڈالنے اور صحیح منہج تک رسائی کے لیے بھرپور کوشش کی ہے، میں نے چیدہ چیدہ مقامات سے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ موصوف نے مسئلہ کے مالد و ماعلیہ پر بحث کے ساتھ ساتھ اعتماد و توازن اور عدل کا پہلو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

کتاب میں حسن سلیقہ تصنیف بھی نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کو اپنے بندوں کے لیے الفت و محبت کا سبب بنائے اور یہ محنت اہل ایمان کیلئے عقیدہ الوداع والبراء کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں مددگار اور مفید ثابت ہو وباللہ توفیق۔

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اطہر رحمہ اللہ

مکتب الدعوة، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ (النحل: ۹۰)

”بیشک اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔“

﴿وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الحجرات: ۹)

”اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

یہ دونوں آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ عدل و انصاف ایک مومن کی طبعی صفت ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتی وہ اپنے مخالفین کے بارے میں عدل و انصاف سے فیصلہ کرتا ہے، ظلم و زیادتی سے دور رہتا ہے، افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اپناتا ہے۔ اعتدال کا راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔ شیطان افراط و تفریط کے ذریعے صراطِ مستقیم سے ہٹانا چاہتا ہے۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿قَالَ فِيمَا آغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (۱۶، ۱۷) ثُمَّ لَا يَبُغِيهِمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿۱۸﴾ (الاعراف: ۱۶، ۱۷، ۱۸)

”کہنے لگا تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے لہذا اب میں تیری صراطِ مستقیم پر انکو گمراہ کرنے کے لیے بیٹھوں گا پھر انسانوں کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے غرض ہر طرف سے گھیر لوں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔“

گویا اس نے اپنی زبان سے اعلان کیا کہ وہ ہر سمت اور ہر پہلو سے انسان پر حملہ کرے گا۔ وہ اس کے مشاہدات، احساسات، جذبات اور خواہشات کے ذریعے اس کے اندر گھسنے کی کوشش کرے گا البتہ ہمارے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے کہ اگر ہم صراطِ مستقیم پر

قائم رہنے کا عزم کر لیں اور شیطان کے پیدا کردہ شبہات و شہوات کا اللہ کے فضل سے مقابلہ کریں تو وہ ہمیں گمراہ نہیں کر سکتا۔

﴿إِنَّ عِبَادِيَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (بنی اسرائیل: ۶۵)

”بلاشبہ میرے بندوں پر قطعاً تیرا بس نہیں چلے گا“

آج اہل بدعات اور معاصر تحریکوں کے بارے میں بعض دعاۃ و مبلغین افراط و تفریط کا شکار ہیں اس سے بچتے ہوئے صراطِ مستقیم واضح کرنا مجھ جیسے طالب علم کے لیے ایک انتہائی مشکل کام تھا لیکن الحمد للہ سعودی عرب کے دار الافتاء کی اللجنة الدائمہ کے فتاویٰ و محوٹ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ پر مشتمل کتاب ”اہل سنت فکر و تحریک“ اور دارالتربیہ فیصل آباد کی شائع کردہ ”مقالات تربیت“ شیخ مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ کی ”وفاداری یا بیزاری“ سمیت جدید علمائے کرام کی کئی کتابوں میں اس مسئلے کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ میں نے علمائے کرام کے انہی حوالہ جات کو جمع کیا ہے۔ میں ان تمام معزز و محترم علماء کرام کا ممنون ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر میری کتاب کا مطالعہ کیا اور ان کے تبصروں سے مجھے حوصلہ ملا اور یقیناً ان کی تائید سے علامۃ المسلمین صحیح معنوں میں اس کتاب سے استفادہ کر سکیں گے۔ خصوصاً شیخ الحدیث محمد رفیق اثری، شیخ القرآن عبدالسلام رستمی، ڈاکٹر عبدالرشید انظہر، شیخ عبدالعزیز نورستانی حفظہم اللہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ایک طالب علم کی دقیق مباحث پر مشتمل کتاب کا مطالعہ کیا اور تبصرہ کیا کہ کتاب ہذا میں اعتدال و توازن اور عدل کا پہلو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ میں شیخ عبدالغنی محمدی حفظہ اللہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی زیدی برادران سے محبت کی بنا پر میں شیخ حافظ الیاس اثری، پروفیسر محمد سعید کلیری اور محمد عباس انجم گوندلوی حفظہم اللہ کی تائید حاصل کر پایا ہوں۔ میں شیخ الحدیث عبدالرحمن چیمہ اور شیخ محمد زکریا زکی حفظہما اللہ کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے کتاب کی تائید فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ برادر م حافظ سید طیب الرحمن حفظہ اللہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے

تقیدی تبصرہ کی بدولت مجھے کتاب کی کئی مقامات پر اصلاح کرنے کا موقع ملا۔ بر خود ارسید
عبدالعلام اور سید عبدالسلام نے تعامل مع المخالف پر عرب علماء کرام کے بہت سے فتاویٰ جمع
کر کے کتاب کے حسن میں اضافہ کیا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے بھی زادِ آخرت بنائے اور انہیں
جزائے خیر دے اور اس کتاب کو زوال پذیر امت مسلمہ کی اصلاح کا باعث بنائے۔ آمین
علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اگر اس میں منہج اہل سنت یعنی منہج صحابہ رضی اللہ عنہم و
سلف صالحین رضی اللہ عنہم سے ہٹتی ہوئی کوئی بات ہو تو اصلاح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

ڈاکٹر سید شفیق الرحمن

۳۳۲ سی، نور الحق کالونی، بہاولپور

03036737672

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منہج سلف کا مفہوم

منہج سلف سے مراد دین کو سمجھنے کا وہ منہج ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے ہاں پایا گیا، جسے ائمہ اہل سنت نے اپنی کتب میں محفوظ کرتے ہوئے ہم تک منتقل کیا۔ اس منہج پر چلنے والے گروہ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں اور اس کو ترک کرنے والے گروہ اہل بدعت کہلاتے ہیں۔ علامہ خلیل ہراس رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”جماعت کا مطلب ہے اجتماع، اس کی ضد فرقہ ہے۔ جب ”جماعت“ کا لفظ ”سنت“ کے ساتھ بولا جائے مثلاً ”اہل السنۃ والجماعۃ“ تو وہاں اس امت کے سلف مراد ہوتے ہیں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، اور تابعین رضی اللہ عنہم جو اللہ کی کتاب اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ سے ثابت شدہ حق صریح پر رہے ہوں۔“ (شرح الواسطیۃ از ہراس ص: ۱۶)

منہج سلف کے دو اساسی بنیادیں مصدر تعلق اور منہج تعلق ہیں

مصدر تعلق

دین کہاں سے لینا ہے، اسے مصدر تعلق کہتے ہیں۔ دین کے مصدر صرف اور صرف کتاب و سنت ہیں، اس کے علاوہ کوئی چیز دین کا مصدر نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب دوسری اس کے

رسول ﷺ کی سنت۔ (المستدرک علی الصحیحین کتاب العلم ۱/۹۳)

کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے ہمارے ایمان اور عمل کی اصلاح ہوتی ہے۔ کتاب و سنت وہ ذخیرہ ہے جس کی تازگی کا کوئی بدل نہیں۔ کوئی

چیز ان کا متبادل نہیں۔ ہر دور میں ایمان کی پیاس صرف اور صرف کتاب و سنت سے بجھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک مومن کا اصل نصاب ہے ایک طالب علم قرآن و سنت سے فائدہ اٹھانے کے لیے منطق اور فلسفہ کا محتاج نہیں۔

اس لیے ہر وہ شخص اور گروہ جو دین لینے کے لیے کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور چیز کو مصدر تسلیم کرتا ہے، گمراہ اور بدعتی ہے۔ جیسے رافضہ اپنے ائمہ کے اقوال کو، معتزلہ عقل کو، صوفیہ کشف والہام کو، سیکولر خواہشات نفس کو دین کے مصدر کی حیثیت دیتے ہیں۔ یہ تمام گروہ ہلاکت کی طرف بلانے والے ہیں، عقیدہ کی اصطلاح میں انہیں اہل بدعت کہتے ہیں۔ اہل سنت کے ہاں دین کے مصادر کے حوالے سے اتفاق پایا جاتا ہے کہ یہ کتاب و سنت کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ جس طرح کتاب اللہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی وحی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

منہج تعلقی

دین کیسے لینا ہے؟ اسے ”منہج تعلقی“ کہتے ہیں۔ منہج کے حوالے سے اہل سنت کی طرف منسوب گروہوں اور افراد میں کئی ایک خامیاں پائی جاتی ہیں۔

مصدر تعلقی اور منہج تعلقی میں فرق نہ کرنا

بہت سارے لوگ مصدر تعلقی اور منہج تعلقی میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ اگر انہیں کہا جائے تم نے دین کا فہم کہاں سے حاصل کیا ہے؟ وہ جواباً کہتے ہیں ”قرآن و حدیث“ سے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رہتی دنیا تک حق کا پیمانہ قرآن و حدیث کے سوا اور کوئی نہیں ہے مگر یہاں سوال کی نوعیت مختلف ہے۔ زیادہ واضح کرنے کے لیے ہم سوال یوں رکھ دیتے ہیں کہ:

”آپ نے قرآن و حدیث کو کہاں سے سمجھا ہے؟“

آخر قرآن و حدیث کو سمجھنے کا بھی تو کوئی ذریعہ ہوگا؟

یہ ذریعہ یہاں کے درسی نصاب ہیں؟

تنظیمی لٹریچر ہے؟

اسٹال پر فروخت ہونے والی کتب اور رسائل ہیں؟

جلسے اور پروگرام ہیں؟

تقریری اور تحریری مناظرے ہیں؟

ادیبوں اور شاعروں کا کلام ہے؟

’ذاتی مطالعہ‘ ہے؟

ریڈیو اور ٹی وی کی دینی نشریات ہیں؟

اخبارات کے ’روحانی ایڈیشن‘ ہیں؟.....

یا پھر منہج سلف؟

جو صرف علمائے اہل سنت کے ہاں سے ہی ملتا ہے۔ یاد رہے ہمارا مقصد کسی ’لٹریچر‘ یا تقریر و تحریر کی افادیت کم کرنا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لٹریچر، نصاب، پروگرامز جن سے ہم جڑیں ہیں اُن کے بارے میں یہ دیکھنا ہے کہ وہ ’سلف‘ سے کس قدر جوڑتے ہیں اور اپنے آپ سے کس قدر؟

قرآن و حدیث دین کا اصل مصدر ہیں بلکہ دین ہیں، یہ بات ہر بحث اور شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کے سوا رب تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے رسول ﷺ پر کچھ نہیں اتارا۔ دین کا یہ منبع محکم ہے اور اپنے آپ میں انتہائی واضح۔ مگر پھر بھی اس کی ’’تفسیر‘‘ اور ’’بیان‘‘ ایک باقاعدہ علم ہے اور اس علم کو درست طور پر جاننے اور سمجھنے والے تاریخچی طور پر کچھ متعین لوگ ہیں۔

کیا سب لوگ قرآن و حدیث کو ایک ہی طرح سمجھ سکتے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ درست مراجع اور صحیح ضوابط نہ ہوں تو قرآن و حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھا بھی نہیں جاسکتا۔ یہ درست مرجع اور علم، فہم سلف کا نام ہے جس کے بغیر اس دین کو سمجھنا گمراہی کے دروازے

کھولنا ہے۔ آیات اور احادیث کے فہم اور تطبیق کے بارے میں جب بعض لوگوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف کے راستے کی پابندی کرنے کو کہا جاتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں: ”ہم ان کی بات کیوں مانیں، وہ کوئی نبی تو نہیں ہیں؟“ حقیقت یہ ہے کہ سلف اور ائمہ کے اقوال کا اللہ اور اس کے رسول کے قول سے مقابلہ نہیں بلکہ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائین کا فہم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، اس بات کو خود اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۚ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝﴾
(الفاتحہ: ۷)

”ہمیں اُن کی راہ چلا جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان کی جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کی۔“

سلف امت..... نہ کہ اکابرین جماعت

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو سلف کے فہم سے آزاد ہو کر قرآن و سنت کو اپنی، اپنی جماعتوں اور گروہوں کی تحقیق سے دیکھتے ہیں تو دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو سلف کی اتباع کے نام سے اُن متاخرین سے جڑے ہیں کہ جن میں بدعات بلکہ بسا اوقات شرک تک پایا جاتا ہے۔ وہ انہیں سلف کے اُس مقدس مقام پر فائز کیے ہوئے ہیں کہ جو مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کا ہے، یہ بھی سیدھی راہ سے ہٹی ہوئی سوچ اور فکر ہے۔

ہمارے معاشرے میں ’اکابرین‘ اور ’بزرگوں‘ کی اصطلاح بکثرت استعمال ہوتی ہے۔ اپنے بڑوں کا احترام کرنا اور ان کے علمی ورثہ کو قیمتی جاننا بے حد مستحسن امر ہے مگر انہیں قرآن و سنت کے فہم کا معیار سمجھنا اور جو کچھ انہوں نے کہہ دیا اسے ناقابل تنقید جاننا

نہایت غلط روش ہے۔ یہ حیثیت تو صرف پہلے تین زمانوں کے سلف صالحین کو حاصل ہے کہ کتاب سنت کی تشریح میں جس بات پر وہ متفق رہے اُسے ناقابل تنقید جانا جائے۔ باقی جو کچھ ان کے بعد وجود میں آیا ہے بہر حال اس کی تحقیق کرنا اور اسے کتاب و سنت کے سلفی مفہوم پر پرکھنا بے حد ضروری ہے۔

آج سے سو دو سو سال پہلے آنے والے بزرگوں اور بڑوں کو سلف کا مقام دینا نہایت غلط ہے۔ صفات باری تعالیٰ میں اشعریت و ماتریدیت کی تاویلات، صوفیاء کے چشتی، نقشبندی، سہروردی اور دیگر سلسلے، علم کلام اور علم تصوف، کیا ابوبکر و عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم ایسی اسلام کی نسل اول کے ہاں پائے گئے ہیں؟ یا عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور عکرمہ رحمہم اللہ ایسی اسلام کی نسل دوم سے منقول ہیں؟ یا یہ سب کچھ امام ابوحنیفہ، مالک، ثوری، شافعی، ابن حنبل رحمہم اللہ ایسی نسل سوم کے علمی ذخیروں میں پایا جاتا ہے؟..... یا پھر یہ پہلے تین زمانے گزر جانے کے بعد امت میں دیکھی جانے لگیں؟

کسی چیز کی تعظیم میں خاموش ہوا جاسکتا ہے تو وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون کا فہم اسلام ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں جس پر بات نہ ہو سکے۔ یہ سوچ کہ بزرگوں نے کتاب و سنت سے جو نچوڑ نکالنا تھا وہ نکال لیا ہے اور ہمیں بس بزرگوں پر ہی انحصار کرنا ہے، نسل در نسل اب قیامت تک انہی کی دہرائی ہوئی عبارتوں کو دہرانا ہے..... ہلاکت خیز سوچ ہے۔ کتاب و سنت کا نچوڑ نکالنے کا کیا مطلب؟ یہ تو وہ چشمہ ہے کہ اس سے جتنا بھی نکالا جائے اس کی سطح ذرہ بھر بھی نیچی نہ ہو۔ زمانے اس سے سیراب ہو لیں، اس میں کچھ کمی نہ آئے۔ پھر اس نچوڑ کے حق ہونے کے لیے بھی لازم ہے کہ یہ سلف صالحین سے سند یافتہ ہو۔

”فہم سلف“ کتاب و سنت کا متبادل نہیں بلکہ وہ وحی کے چشمہ سے سیراب ہونے کا ہی وہ ادب اور طریقہ ہے جس کے بغیر انسان کو شفا اور سیرابیابی ہونے کی بجائے

کوئی روگ لگ سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۝﴾ (البقرة: ۲۶)

”بہتوں کو وہ اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اور بہتوں کو گمراہی۔“

”فہم سلف“ کسی ایک امام کی فقہ میں متقید نہیں

”فہم سلف“ کے حوالے سے یہ ایک اور انحراف ہے جو تقلید جامد کی صورت میں امت میں بڑے غرصے سے پایا جا رہا ہے جسے اہل سنت کے تمام مکاتب فکر اہل حدیث، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، اہل ظاہر نے ہمیشہ رد کیا ہے۔ اپنے ”ائمہ“ اور اپنی کتب فقہ کے علاوہ کہیں اور سے رجوع کیے جانے کو باطل سمجھنا اور انہی کے اندر وارد ہونے والے مسائل کو قیامت تک کے لیے حرف آخر جاننا، اس سے اختلاف کو برداشت نہ کرنا، چاہے وہ کتنی ہی علمی بنیاد پر کیوں نہ کیا گیا ہو اور دیگر مستند ائمہ دین سے اس کا ثبوت کیوں نہ ملتا ہو، ایسی گمراہی ہے جس نے امت کو تفرقہ اور فساد میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ وہ عمل شر ہے جس کا سلف نے ہمیشہ ہی رد کیا ہے۔ ائمہ کے اقوال اس کے بہترین شاہد ہیں:

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:-

إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث ويكون ذلك مذهبه ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به فقد صح عن أبي حنيفة أنه قال إذا صح الحديث فهو مذهبي - (شرح عقود رسم المفتي لابن عابدين ص ۱۹)

”جب صحیح حدیث ملے اور وہ حدیث ہمارے مذہب کے خلاف ہو پھر حدیث ہی پر عمل کیا جائے گا اور وہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہوگا اور اس صحیح حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے کوئی حنفیت سے نہیں نکلے گا کیونکہ امام صاحب کا فرمان ہے کہ جب حدیث صحیح ہو، تو وہی میرا مذہب ہے۔“

منہج سلف کی اہمیت

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معیار اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف امت ہیں:

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی یوں تعریف فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ﴾ (الفتح: ۲۹)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں تم انہیں رکوع اور سجود کرتے ہوئے اور اللہ کا فضل و رضا تلاش کرتے ہوئے دیکھو گے (کثرت) سجدہ سے ان کی پیشانیوں پر امتیازی نشان موجود ہیں ان کی یہی صفت تورات میں بیان ہوئی ہے۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم وہ مومن تھے کہ جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے چنا تھا اور انہیں لوگوں پر اپنا گواہ بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ﴾ (النمل: ۵۹)

”آپ کہہ دیجیے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور اُس کے بندوں پر سلامتی ہو جنہیں اُس نے منتخب کیا۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”یہاں مراد اصحاب محمد ہیں۔“ (تفسیر ابن کثیر 3/381)

اور اللہ نے فرمایا:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾ (الحج: ۷۸)

”اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اُس نے تمہیں (اپنے دین کے لیے)

چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے اللہ نے اس سے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (مسلم ہی رکھا ہے) تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔“

صحابہ امت سے وہ مبارک لوگ ہیں جن کے علم و دیانت کی گواہی اللہ نے اپنی کتاب میں دی ہے۔

﴿وَيَرْسِي الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ﴾ (سبا: ۶)
”اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل ہوا وہ حق ہے۔“

جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے وہ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کرنے والے اور دین کی اتباع میں سبقت لے جانے والے لوگ تھے۔ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ انہوں نے قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا، نزول قرآن، نزول کے اسباب اور قرآن کی تفسیر سے براہ راست مستفید ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاں قرآن حکیم کے الفاظ سیکھے، وہاں قرآن کے معانی بھی سیکھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کے حفظ کے ساتھ اس کا فہم بھی حاصل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی تفسیر سنی، آپ کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، آپ کی دعوت کو اپنے دلوں میں محفوظ کیا۔

اس لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو فضیلت حاصل ہوئی وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ علم حاصل کیا اور آپس میں ایک دوسرے سے سیکھا، چنانچہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم ”عبدالبت“ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسناد، راویوں کے حالات، سند کی جرح و تعدیل کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کتاب اللہ کو سمجھنے والا سنت کا علم رکھنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ بات جاننا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو جس طرح قرآن کے الفاظ بیان فرمائے ویسے ہی اس کے معانی بھی واضح فرمائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

(النحل: ۴۴)

”تا کہ تم لوگوں کے سامنے وہ تعلیم جو تم پر اتاری گئی کھول کھول کر بیان کر دو“ میں جہاں الفاظ کے پہنچانے کا حکم ہے وہیں اس کے معانی کھول کھول کر بیان کرنے کا بھی حکم ہے۔

”ابو عبد الرحمن السُّلَمی (جو معروف تابعی ہیں) کہتے ہیں: وہ لوگ جو ہمیں قرآن پڑھایا کرتے تھے، مثلاً عثمان بن عفان اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ، وہ ہمیں بتایا کرتے تھے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات سبق میں لے لیتے تو اس وقت تک اگلے سبق پر نہ جاتے جب تک وہ ان دس آیات میں علم و عمل کی ہر بات سیکھ نہ لیتے، کہا کرتے تھے: سو یوں ہم نے قرآن سیکھا تو اس کا علم اور عمل ایک ساتھ سیکھا۔“

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ ایک سورت کے حفظ میں مدت گزار دیا کرتے تھے۔“

(مقدمۃ فی اصول التفسیر: ۳۵)

بنیادی طور پر یہ ایک مدرسہ ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم پڑھے اور آگے پڑھاتے رہے اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پڑھنے والے اپنے بعد والوں کو پڑھاتے رہے۔ دین کی حقیقت، دین کی فطرت، دین کا مزاج، دین کے اصول و فروع کی حدود، اتفاق اور اختلاف کے حدود اور آداب، اتباع اور اجتہاد کے میدانوں کا تعین، اتحاد و اجتماع کا طریقہ، بدعات و محدثات سے نمٹنے کا طریقہ..... غرض نصوص وحی کے ساتھ تعامل اختیار کرنے کی سب تفصیلات ہمیں اسی مدرسہ سے ملنی ہیں جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے

پڑھا اور پڑھایا پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پڑھے ہوئے پڑھاتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ قرار دیتے ہوئے اُن کی طرح ایمان لانے کا حکم دیا:-

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ﴾ (البقرة: ۱۳۷)

”پس اگر وہ ایسا ایمان لائیں جیسے تم لائے ہو تو وہ ہدایت پالیں گے اور اگر وہ اس سے پھریں تو وہ ہٹ دھرمی پر ہیں لہذا اللہ ان کے مقابلے میں آپ کو کافی ہے۔“

پس جو کوئی ہدایت کا طلبگار ہے اور آخرت میں نجات چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ویسے ایمان لائے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم لائے تھے کیونکہ حق وہی ہے جس پر وہ گامزن تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی اتباع کا حکم دیا ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

”اور جو مہاجر و انصار ایمان لانے میں سبقت کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن میں نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

”چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے پیچھے چلنے والوں کو بھی اپنی خوشنودی اور جنت کی نعمتوں میں شریک کر دیا۔۔۔۔۔ اس لئے جو لوگ سابقین اولین کی اتباع کریں گے وہ انہی میں شمار ہوں گے جبکہ یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد افضل ترین ہیں، کیونکہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ترین امت ہے جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے اور یہ لوگ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں افضل ترین ہیں۔

اس لئے علم اور دین میں ان کے اقوال و اعمال کی معرفت رکھنا، دین کے جملہ علوم اور اعمال میں متاخرین کے اقوال و اعمال کی معرفت سے صدمرتبہ افضل اور مفید تر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے بعد والوں سے افضل ہیں جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے، پھر جب ایسا ہے تو ان لوگوں کی اقتداء بعد والوں کی اقتداء سے بہتر ہے۔ علم دین کے سلسلے میں دوسروں کے اجماع و اختلاف کی نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع اور اتفاق اور انہی میں ہونے والے اختلاف کی معرفت و دریافت زیادہ بہتر ہے..... اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اجماع بہر حال معصوم ہوتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اگر اختلاف کیا تو بھی حق ان کے اقوال میں سے کسی ایک میں ہوتا ہے۔ ان کے اقوال میں سے کسی قول کو اس وقت تک غلط نہیں کہا جاسکتا جب تک کتاب وسنت سے اس کا غلط ہونا ثابت نہ ہو جائے.....

اسی طرح دین میں کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں رہ جاتا جس کے بارے میں سلف نے کلام نہ کیا ہو اس لئے اس کی مخالفت یا موافقت میں سلف سے ضرور کوئی نہ کوئی قول مل جاتا ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ ص ۱۳، ۳۳، ۲۷)

رب تعالیٰ نے ہمیں پہلوں کے راستے پر چلنے کی نصیحت فرمائی ہے:

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (لقم: ۱۵)

”اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو“

اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبة: ۱۱۹)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کا ساتھ دو۔“

ایک سے زائد سلف نے یہاں صادقین سے مراد ”اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ لیے ہیں۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ اللہ نے کسی کو سچ کہنے کی توفیق دے کر اس پر اتنا احسان کیا ہو جیسا مجھ پر کیا ہے۔ میں نے اُس وقت سے

لے کر آج تک قصد اکبری جھوٹ نہیں بولا، اللہ تعالیٰ نے اسی بارے میں یہ آیت اتاری۔“

(بخاری: ۴۶۷۸) (تفسیر ابن کثیر: ۴۱۴/۲)

اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرواتا ہے کہ وہ اور اس کے اصحاب رضی اللہ عنہم بصیرت کے ساتھ حق پر گامزن ہیں:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ (یوسف: ۱۰۸)
 ”کہہ دیجیے میرا راستہ یہی ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میں خود بھی اس راہ کو پوری بصیرت کے ساتھ دیکھ رہا ہوں اور میرے پیروکار بھی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہج اور فہم کو جماعت حقہ کی پہچان قرار دیا ہے۔
 عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میری امت ۳۷ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، سوائے ایک جماعت کے سب دوزخ میں جائیں گے، عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسا گروہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي)) ”یہ وہ جماعت ہوگی جو اس راستے پر چلے گی جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔“ (ترمذی: ۲۵۶۵)

اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طریق صحابہ رضی اللہ عنہم بھی قیامت تک محفوظ رہے گا کیونکہ جو چیز محفوظ نہ ہو وہ قیامت تک نجات پانے والے گروہ کی نشانی کیسے بن سکتی ہے؟۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے اسلاف کی پیروی کی تلقین فرمائی ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میرے بعد شدید اختلاف دیکھو گے۔ اس وقت تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔ اس پر مضبوطی سے جمے رہنا، دین میں نئے پیدا ہونے والے امور سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے“ (ابن ماجہ: ۴۷)

معلوم ہوا فتنوں کے ظہور کے وقت بچاؤ صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے خلفاء راشدین کی سنت اختیار کرنے میں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ”میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کر کے میری سنت کی حفاظت کرو پھر تابعین اور تبع تابعین کے طریقہ پر چلو پھر اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا“۔ (ابن ماجہ کتاب الاحکام: ۲۳۱۲)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”میری امت میں بہترین زمانہ میرا ہے، پھر اس کے بعد والا (تابعین کا) زمانہ، پھر اس کے بعد والا (تبع تابعین کا) زمانہ، پھر ایسی قومیں پیدا ہوں گی جو بغیر مطالبے کے جھوٹی گواہیاں دیں گی اور خیانت کریں گی، اس لیے انہیں امین نہیں بنایا جائے گا اور ان میں موٹا پام عام ہو جائے گا“۔ (مسلم: ۲۵۳۵۔ ترمذی: ۱۸۱۰)

ان آیات و احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ فہم دین کے حوالے سے ابتدائی تین زمانوں میں جو کچھ سمجھا اور سمجھایا گیا وہ بالکل حق ہے۔ بعد والوں کو اب انہی کے پیچھے کھڑے ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (الاعراف: ۳)

”لوگو جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کی اتباع کرو اور اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کی اتباع نہ کرو۔ تھوڑی ہی تم نصیحت مانتے ہو۔“

اس آیت کا یہ مفہوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہم حجت نہیں ہے۔ یاد رکھئے قرآن و سنت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا اور تابعین رضی اللہ عنہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سیکھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم سے بہتر کیا کوئی اور قرآن و سنت کو سمجھ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ لہذا قرآن و سنت کا وہی مفہوم معتبر ہوگا جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم نے متعین کیا۔ سلف کے مقابلے میں بعد والوں کے فہم کی کوئی حیثیت نہیں۔ سلف کا فہم ہی وہ سبیل المؤمنین ہے جس پر چلنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ تُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)
”جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور مومنوں کی
راہ چھوڑ کر اور راہ اختیار کرے، تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر کا اس نے رخ کیا،
پھر اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔“

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے ساتھ مومنوں کی راہ پر نہ چلنا بھی
جہنم میں جانے کا سبب بتایا۔

محدث ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا کہ
اصحاب الحدیث کا دامن مت چھوڑ واس لیے کہ وہ سب سے زیادہ درست بات کہنے والے
ہیں۔“ (تاریخ حدیث و محدثین ص ۴۰۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”سنت کے احوال ہمارے ہاں یہ ہیں کہ ہر وہ امر جس پر اصحاب رسول اللہ ﷺ
تھے، اس سے چمٹ کر رہا جائے، ان کی اقتدا کی جائے اور نئی ایجادات کو ترک کیا جائے کیونکہ
ہر نئی ایجاد بدعت و ضلالت ہے۔“ (شرح اصول السنۃ والجماعۃ للالکائی ۱/۱۵۶)

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سنت کی راہ پر جھے رہو۔ ان پہلوؤں کے قدم جہاں رک گئے ہوں، وہاں تم بھی
ضرور رک جاؤ۔ جس بات کے وہ قائل ہوئے ہیں، تم بھی اسی بات کے قائل رہو۔ جس بات
سے وہ خاموش رہے ہوں، تم بھی اس سے خاموش رہو، چلو تو اپنے ان سلف صالحین کی راہ پر
چلو۔“ (شرح اصول السنۃ والجماعۃ للالکائی ۱/۱۵۴)

تو ام السنہ، امام اسماعیل بن محمد الاصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”علم کثرت روایت کا نام
نہیں، بلکہ علم تواضع اور اقتداء کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم کی
پیروی کرو، اگرچہ علم تھوڑا ہی ہو اور جو شخص صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم کی مخالفت کرے وہ

گمراہ ہے اگرچہ زیادہ علم والا ہی ہو“ (الحجفی بیان الحجۃ لابی القاسم الاصبہانی ۴۶۹-۲) ابو محمد عبداللہ بن زید قیروانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سنتوں کو تسلیم کرنا عقل و قیاس کے خلاف نہیں۔ سنن کی جو تفسیر سلف صالحین نے کی ہے، ہم وہی کریں گے اور جس پر انہوں نے عمل کیا، اسی پر ہم عمل کریں گے اور جس کو انہوں نے چھوڑا، ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ ہمیں یہی کافی ہے کہ وہ جس چیز سے رک گئے، اس سے ہم رک جائیں اور جس چیز کو انہوں نے بیان کیا، اس میں ہم ان کی پیروی کریں اور جو انہوں نے استنباط اور اجتہاد کیا، اس میں ان کی اقتداء کریں، جس چیز میں ان کا اختلاف ہے اس میں انکی جماعت سے نہ ٹکلیں (کوئی نیا مذہب نہ نکالیں، بلکہ اختلافی صورت میں ان میں سے ہی کسی ایک کا مذہب قبول کریں)۔ تمام وہ چیزیں جو ہم نے ذکر کی ہیں، وہ اہل سنت اور فقہ وحدیث کے ائمہ کے اقوال ہیں۔ (الجامع: ۱۱۷)

حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ (ابن ابی زینین) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”جان لیں کہ سنت قرآن کریم کی دلیل ہے۔ سنت کو قیاس اور عقل کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ وہ تو ائمہ کرام اور جمہور امت کے طریقے کی اتباع کا نام ہے (کتاب اصول السنۃ لابی ابن زینین: ۱) امام آجری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

”جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ کیا ہے، ان کی علامت اللہ عزوجل کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے پیروکاروں رضی اللہ عنہم کے آثار کی اتباع کرنا ہے نیز وہ اس راستے پر چلتے ہیں جس پر ہر علاقے کے ائمہ مسلمین اور اب تک کے علمائے کرام، مثلاً امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مالک بن انس، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام قاسم بن سلام رحمہم اللہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اہل علم چلے اور وہ ہر اس طریقے سے بچتے ہیں جسے ان علمائے کرام نے اختیار نہیں کیا۔“ (الشریعۃ للآجری: ۱۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ہر وہ قول جس میں بعد والا متقدمین سے

منفرد ہو، اس سے پہلے وہ قول کسی نے نہ کہا ہو، وہ یقیناً غلط ہوگا۔“

(مجموع فتاویٰ لاہن تیبہ ۲۱-۲۹۱)

حافظ عبداللہ روپڑی محدث رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۴ھ) فرماتے ہیں: ”خلاصہ یہ کہ ہم تو

ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں“ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۱۱۱)

منہج سلف..... اسلامی اجتماعیت کی بقا کا ضامن

اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ یہ دین صرف ”افراد“ اور ”جماعتوں“ کو چلانے کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ یہ ایک ”امت“ بنانے اور ایک ”امت“ چلانے کے لیے اتر ہے۔ اس کا یہی قد کاٹھ ذہنوں میں رہنا ضروری ہے اور اس کا یہی مرتبہ دلوں میں پیوست ہونا چاہیے۔ ضروری ہے کہ دین کے فہم کے بارے میں ایسے مستند مراجع اختیار کیے جائیں جو نہ صرف صحیح ہوں بلکہ وہ ”امت“ کی سطح کے ہوں۔ ایک فرد یا جماعت اپنی بات چھوڑ کر ان پر آنے کی پابند ہو، ان کو اپنا کر ایک جماعت امت کی سطح پر آئے نہ کہ امت کو جماعت کی سطح پر لانے کی کوشش کرے۔ ایک بڑی چیز اپنے سے چھوٹی چیز میں فٹ نہیں ہو سکتی، اس عمل کے جہاں اور بہت سے تقاضے ہیں، وہاں فہم دین کے لیے ایسے مراجع کا اختیار کیا جانا از حد ضروری ہے، جو بیک وقت مستند بھی ہوں اور مشترک بھی۔

وہ اصول و ضوابط جو اہل سنت کے مختلف گروہوں مثلاً مذاہب اربعہ، اہل حدیث اور اہل ظاہر کو اپنا تنوع برقرار رکھتے ہوئے ایک ساتھ چلنے میں مدد دے سکیں، ان کے لیے اجتماع کی ایک معقول بنیاد فراہم کر سکیں اور ان کے اتفاق و اختلاف کی حدود و آداب متعین کر کے انہیں ایک مضبوط امت بنا سکیں، اصول اہل سنت کہلاتے ہیں جنہیں سلف صالحین نے امت کے لیے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔

”فہم سلف“ سے ہی ہم یہ سیکھتے ہیں کہ دین کے کچھ امور ایسے ہیں جن میں

اختلاف کیا ہی نہیں جاسکتا ہے، انہیں اساسیات دین یا مسلمات کہتے ہیں، اور کچھ امور ایسے ہیں جن میں اختلاف برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں فروغ دین کہتے ہیں۔ جو لوگ سلف کے منہج سے ناواقف ہیں، وہ یا تو دین کے بنیادی امور تک میں اختلاف کی گنجائش دیتے ہوئے دین کی بنیادیں ڈھاتے نظر آتے ہیں یا پھر اس قدر شدت اختیار کرتے ہیں کہ دین کے ہر مسئلہ کو کفر و اسلام کا مسئلہ بنا کر فقہی باتوں میں اختلاف تک پر کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں۔ یہ طرز عمل اسلام کی اجتماعیت کو توڑنے اور تفرقہ کو ہوا دینے کا سبب ہے بلکہ یہی تفرقہ ہے۔ اس لیے اسلامی اجتماعیت کے لیے منہج سلف کو اپنانا بے حد ضروری ہے۔

ذیل میں ائمہ کے اقوال اسلام کی اسی سچی تعبیر کو بیان کرتے ہیں:

امام حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”سلف نے اس بات سے ممانعت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے اسماء و صفات کے بارے میں بحث اور اختلاف ہو۔ البتہ جہاں تک فقہی مسائل کی بات ہے تو سلف کا اتفاق ہے کہ ان امور میں بحث اور اخذ و رد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ (فقہ) ایسا علم ہے جس میں قیاس کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ جبکہ اعتقادات کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک اللہ عز و جل کی بابت کوئی بات کی ہی نہیں جاسکتی سوائے اس بات کے جو وہ خود ہی اپنی ذات کے بارے میں بیان کر دے، یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بابت بیان کر دے یا جس پر امت نے اجماع کر لیا ہو، اللہ کی مثل کوئی چیز ہے ہی نہیں جس کا قیاس یا گہرے غور و خوض کے نتیجے میں، ادراک ہونا ممکن ہو۔“

دلیں اس معنی میں کہ وہ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور بعث بعد الموت اور یوم آخرت پر ایمان ہے تو اس تک رسائی اللہ کے فضل سے اس کنواری دوشیزہ کو بھی حاصل ہے جس کو کبھی گھر سے باہر کی ہوا تک نہ لگی ہو۔ (دین کے اسی پہلو، یعنی ”اصول دین“ کے بارے میں) عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا قول ہے: جو شخص اپنے دین کو

بحثوں کا موضوع بناتا ہے پھر وہ اکثر نقل مکانی کرتا ہے۔“ (صحیح جامع بیان العلم وفضلہ ۳۸۳)
 دین کے ”اصول و مسلمات“ دین کا وہ حصہ ہیں جس پر سمجھے سمجھانے کے لیے گفتگو تو
 ہو سکتی ہے مگر یہ کسی کی ہار جیت سے بدلے نہیں جایا کرتے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور دین کے کچھ بنیادی امور میں آپ کو بحث و
 گفتگو کی دعوت دی۔ اُس نے امام مالک کو کہا: ”اُذبات کر کے دیکھتے ہیں۔ اس شرط پر کہ
 میں جیتوں تو تم میرے ہم خیال ہو جاؤ گے اور تم جیتو تو میں تمہارا ہم خیال ہو جاؤں“
 امام مالک رحمہ اللہ نے اس تجویز پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا: ”اور
 اگر کوئی تیسرا شخص ہم دونوں کو خاموش کرادے؟“

اُس شخص نے جواب دیا: ”تو ہم اُس کی بات تسلیم کر لیں گے۔“
 بظاہر دیکھئے تو اس شخص کی بات سے بڑی ہی انصاف پسندی اور حق پرستی جھلکتی ہے
 ، بظاہر بہت اصولی پیش کش ہے، مگر امام مالک رحمہ اللہ اس کا جو جواب دیتے ہیں، حقیقت یہ
 ہے کہ وہ آپ جیسے آئمہ سلف کی ہی شان ہے، فرمایا:

”تو کیا جب بھی کوئی نیا شخص میدان میں آئے اور پہلے والے سے بڑھ کر دلیل دے
 لینے کی مہارت دکھائے، تو ہم اپنا دین ہو ر راستہ تبدیل کر لیا کریں؟ سنو، میں اپنا دین یقینی
 طور پر معلوم کر چکا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ تمہیں اپنا دین تا حال معلوم نہیں تو جہاں چاہو تلاش
 کرتے پھرؤ۔“ (الالا کا کی 144/1)

یہ ہیں ہمارے ائمہ جو ایسا راستہ بتلا گئے کہ جس پر چلنے والا ایک روشن اور مضبوط راہ
 پر ہے، وہ اس راہ کا ہر پہلو امت کے سامنے رکھ گئے۔ اللہ ان پر رحمت فرمائے۔

رہے ”دین کے فروع“ تو اُس میں یہ شدت اور سختی نہیں ہے، مگر وہاں بھی ہر
 ایڑے غیرے کو اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اس میں بھی استدلال
 اور مسائل اخذ کرنے کے باقاعدہ اصول اور قواعد ہیں۔ دین کے اس حصہ میں بات کرنے

اور رائے دینے کے لیے بھی ضروری ہے کہ آدمی نہ صرف استدلال کے ان فقہی اصولوں سے واقف ہو بلکہ نصوص شریعت کا علم بھی رکھتا ہو۔

امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جو شخص کتاب و سنت کا علم رکھتا ہے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے واقف ہو اور فقہائے مسلمین کے اقوال سے آگاہ ہو، وہی اس بات کا مجاز ہے کہ کوئی مسئلہ اس کے سامنے پیش آئے تو وہ اجتہاد کر کے کوئی رائے اختیار کرے اور اپنی اس رائے کو اپنی نماز، روزے یا حج یا شرعی اور امر و نہی کے کسی معاملے میں قابل عمل جانے۔“

(جامع بیان العلم و فضلہ)

رباعام آدمی تو وہ اہل علم سے کسی مسئلہ کو سن کر یا ان کے فتاویٰ کو آگے بیان کر سکتا ہے، اس سے بڑھ کر اُسے اجتہاد کرنے کا حق نہیں ہے۔

سلف کے ان اصول و ضوابط سے یہ بات بخوبی جانی جاسکتی ہے کہ وہ کس طرح اسلام کی حفاظت کرتے رہے اور یہ کہ مسلم معاشرے کی علمی پاسداری کا حق صرف انہی کو حاصل ہے۔ منہج سلف سے جس گروہ نے بھی انحراف کیا اُس نے مسلم اجتماعیت کو پارہ پارہ کیا اور اسلام کے صاف ستھرے عقیدے کو خراب کیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

”لَنْ يَصْلَحَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا“

(الشفا للقاضی عیاض: ج: ۲، ص: ۸۸)

”اس امت کے آخری دور کی اصلاح بھی اسی طرح سے ممکن ہے جس طرح اس

امت کے اول حصے (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی ہوئی تھی۔“

منہج سلف کا انکار..... گمراہی کی بنیادی وجہ

گمراہی کی ایک بنیادی وجہ فہم سلف کو اختیار نہ کرنا اور قرآن و سنت کی من مانی

تفسیر کرنا ہے۔ فہم سلف کے انکار سے ہی مسلمانوں میں گمراہی کی ابتداء ہوئی اور پہلا بدعتی فرقہ جسے خوارج کہا جاتا ہے، وجود میں آیا۔ اس گمراہی کا کچھ لوگوں نے مقابلہ کیا مگر انہوں نے بھی فہم سلف کو اختیار نہ کیا، جس کے نتیجے میں وہ بھی گمراہ ہوئے، انہیں مرجعہ کہا گیا ہے۔ البتہ وہ لوگ جو سلف کے طریق پر گامزن رہے اور انہی کے فہم سے چمٹے رہے وہ ہدایت و رشد کے وارث بنے جنہیں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے فہم کا انکار کس طرح گمراہی میں دھکیل دیتا ہے اس کے لیے ہم مسئلہ ایمان پر اہل سنت اور اہل بدعت کے اختلاف کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

خوارج

سب سے پہلے خوارج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم کو چھوڑ کر قرآن و سنت کی اتباع کرنے پر گمراہ ہوئے:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ان کی بدعت زندقہ اور الحاد کی وجہ سے نہ تھی بلکہ کتاب اللہ کے معنی کے فہم میں جہالت اور ضلالت کی وجہ سے تھی۔“ (منہاج السنۃ فی کلام الشیعۃ والقدریۃ ۱/ ۱۵)

ان کی گمراہیوں میں بنیادی گمراہی یہ تھی کہ وہ ہر گناہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ گناہ ارادۃ ہو، غلط فہمی سے ہو یا اجتہادی خطا سے ہو۔

علامہ شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ایک فرقے ازرقہ کے متعلق فرماتے ہیں:

”ازرقہ“ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا، وہ ایسے کفر کا مرتکب ہوا جس سے آدمی مکمل طور پر اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ تمام کفار کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔“ (المسل والخل از عبد الکرم شہرستانی ۱/ ۱۱۵)

چند ایسی روایات ملاحظہ فرمائیں: جن میں کبیرہ گناہ کے مرتکبین کو یہ وعید سنائی گئی

ہے کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے، یا انہیں جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

تکبر کرنا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا“ (مسلم: 91)

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا: انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“۔ (بخاری: 108، مسلم: 2)

کسی مومن کو ناحق قتل کرنا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَدِّيًا فَجَزَاءُ لَهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا. وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۹۳)

”اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

غیر مسلم معاہدہ کا قتل: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے کسی غیر مسلم کو جو سلطنت اسلامیہ میں عہد و پیمان کے ساتھ رہ رہا ہو، قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکتا جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے سونگھی جاسکتی ہے“ (بخاری: 6914)

خودکشی: جناب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں ایک زخم خوردہ آدمی تھا، جس نے تکلیف سے گھبرا کر چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ دیا جس سے اس قدر خون نکلا کہ وہ مر گیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بندے نے میرے حکم (موت) سے پہلے اپنے بارے میں جلدی کی میں نے اس پر جنت حرام کر دی“۔ (بخاری: 3463، مسلم: 113)

والدین کی نافرمانی کرنا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”والدین کا نافرمان، احسان جتلانے والا اور شراب پینے کا عادی جنت میں داخل نہیں ہوگا“۔ (النسائی: 5675)

باپ کی بجائے دوسرے کی طرف نسبت کرنا: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص جان بوجھ کر (اپنے باپ کو چھوڑ کر) غیر کی طرف نسبت کرے، اس پر جنت حرام ہے“۔ (بخاری: 4326، مسلم: 63)

قریبی رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لینا اور صلہ رحمی نہ کرنا: جابر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی (قطع رحمی) کرنے والا جنت میں داخل نہیں گا“۔ (بخاری: 5984، مسلم: 2556)

پڑوسی کو تکلیف دینا: ابو شریحہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں“۔ عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں“ (بخاری: 6016)

مسلمانوں سے قطع تعلق کرنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے تعلق منقطع رکھے۔ پس جو شخص تین دن سے زائد تعلق منقطع رکھے گا اور اگر اسی حالت میں اسے موت آگئی تو وہ جہنم میں جائے گا“ (ابوداؤد: 4914)

یتیم کا مال کھانا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ (النساء: 10)

”جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور

عنقریب وہ دوزخ میں جاکیں گے۔“

واپس نہ کرنے کی نیت سے قرض لینا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سبحان اللہ قرض کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے کس قدر زیادہ سختی فرمائی ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی اللہ کے راستے میں شہید کر دیا جائے، پھر دوبارہ زندہ ہو پھر شہید ہو، پھر زندہ ہو پھر شہید ہو، اگر وہ مقروض ہے تو جب تک اس کا قرض ادا نہ کیا جائے، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔“ (النسائی: 4688)

مال فروخت کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھانا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا: ”جس نے عصر کے بعد سودا بیچا اور اللہ کی قسم اٹھا کر گاہک سے کہا کہ میں نے تو خود اتنے کا خریدا ہے حالانکہ وہ جھوٹ بول رہا تھا لیکن گاہک نے اس کی قسم کا اعتبار کیا اور اس کو سچا جان کر اس سے وہ چیز خرید لی۔ تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا، نہ اس سے کلام کرے گا اور نہ اس کو گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا“

(بخاری: 2369، مسلم: 108)

چوری کرنا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زانی جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا اور شراب پینے والا جس وقت شراب پیتا ہے مومن نہیں ہوتا اور چوری کرنے والا جس وقت چوری کرتا ہے مومن نہیں ہوتا، لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ڈاکہ ڈالنے والا مومن نہیں رہتا۔“ (بخاری: 2475، مسلم: 57)

سودی لین دین کرنا: سود خور کا برا انجام اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۚ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرة: 275)

”جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ وہ سود خوری سے باز

آجائے جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس کے حکم کے بعد پھر اس حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔“

دنیا کے لیے دین کا علم حاصل کرنا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ایسا علم حاصل کرتا ہے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہونی چاہیے تھی لیکن وہ اسے اس لیے حاصل کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اسے دنیا کا سامان مل جائے۔ ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا“ (ابن ماجہ: 252)

”خوارج“ نے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہوئے اس بات کی بالکل پرواہ نہ کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان احادیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس طرح وہ گمراہ ہوئے۔

مرجہ

”خوارج“ کی طرح مرجہ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم کے فہم کو کوئی حیثیت نہ دی اور براہ راست قرآن وحدیث کو اپنی عقل سے سمجھا اور کہنے لگے کہ جس طرح کسی کافر کو کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی، ایسے ہی کسی مسلمان کو کوئی گناہ نقصان نہ دے گا۔ اگر خوارج نے مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیا تو مرجہ نے ان کے بارے میں یہ عقیدہ گھڑا کہ گناہ سے ان کے ایمان میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ انہوں نے ان احادیث سے استدلال کیا:

(۲) سیدنا عتب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ نے جہنم کی آگ ہر اس شخص پر حرام کر دی ہے جس نے اللہ کی رضامندی کے حصول کے لیے لا الہ الا اللہ کہا“ [بخاری: 425، مسلم: 33، ک5 ح263]

(۳) سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں۔ اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ جو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے وہ اس کو

عذاب نہ دے۔“ (بخاری: ۲۸۵۶، مسلم: ۳۰)

(۳) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے پاس جبریل آئے اور مجھے خوشخبری دی کہ جو اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا تھا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے چوری کی اور زنا کیا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ اس نے چوری کی ہو یا زنا کیا ہو۔ (بخاری: ۷۸۷، مسلم: ۹۴)

اہل سنت والجماعت

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے کتاب و سنت کو اپنے فہم کی بجائے سلف کے فہم کے ساتھ سمجھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا طرز فکر خوارج اور مرجعہ کے الٹ تھا انہوں نے ان دونوں قسم کی روایات کو جمع کیا اور یہ بتلایا کہ کبیرہ گناہ پر عذاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے اگرچہ تو بخش دے اور جنت میں داخل کر دے اور اگر چاہے تو عذاب دے کر جنت میں داخل کر دے۔ کفر اکبر، شرک اکبر اور فراق اکبر کے علاوہ دیگر گناہوں کے مرتکب کو جہنم کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگا۔ آخر کار اس کا انجام جنت ہوگا۔ چنانچہ اہل کبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے جہنم سے نکلیں گے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت میں جو لوگ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے، میری شفاعت ان کے لیے ہوگی۔“ (ترمذی: 2435)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ایک قوم جہنم سے نکلے گی اور جنت میں داخل ہوگی، ان کا نام جہنمی ہوگا۔“

(بخاری: 6566)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن میں اپنے رب سے (شفاعت کی) اجازت چاہوں گا، مجھے اجازت ملے گی میں سجدے میں گر جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سراٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔

میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت میری امت حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں ایک جو کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو..... میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا پھر لوٹ کر آؤں گا پھر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کروں گا پھر میں سجدے میں گر جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد ﷺ اپنا سراٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت میری امت حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں ایک ذرہ یارائی کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا پھر لوٹ کر آؤں گا پھر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کروں گا۔ میں سجدے میں گر جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد اپنا سراٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت میری امت حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہے اسے نکال لو میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا۔۔۔ پھر لوٹ کر آؤں گا اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کروں گا اور کہوں گا اے میرے رب مجھے ان لوگوں کی اجازت دے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوا اللہ تعالیٰ فرمائے گا قسم ہے میری عزت و جلال کی اور عظمت و کبریائی کی کہ میں دوزخ سے اس کو نکال دوں گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔ (بخاری: ۵۱۰، مسلم: ۱۹۳)

اہل سنت اور اہل بدعت کے مابین اختلاف کی اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ قرآن و سنت کو محنت، ذہانت یا عربی زبان کی مدد سے سیکھنا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ کتاب و سنت کے اپنے فہم کو سلف کے منہج پر پیش کیا جائے۔ اس طرح ہم اس راستے پر چل سکیں گے جس کے درست ہونے کی ضمانت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دی ہے گویا ہمیں راستہ بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ سلف کے راستے پر چلنے کی ضرورت ہے۔ دین کی وہ باتیں جن کے بارے میں سلف صالحین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ان کی از سر نو تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو کچھ سلف نے کیا وہی حق ہے اور اس کو ماننا واجب ہے اور جہاں ان کا اختلاف ہو تو حق بھی ان کے اقوال میں

سے کسی ایک میں ہوتا ہے۔ اختلاف کی جتنی گنجائش ہمارے سلف کے ہاں پائی گئی، ہماری تحقیق کا دائرہ بھی اسی کے اندر رہے گا اور یہ کام بھی وہی کریں گے جو دین کے معاملے میں سلف کے پیروکار ہیں اور خود بھی دین کو خوب سمجھنے والے عالم ہوں۔

سلف صالحین کے فہم کی پابندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی کو کتاب و سنت سے کھیل کھیلنے کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ آج امت کا ایک بہت بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی شخص چند آیات اور چند احادیث کا ترجمہ پڑھ کر اور چند دلائل جمع کر کے اسلام کی ایک نئی تعبیر متعارف کرواتا نظر آتا ہے۔ پھر قرآن و حدیث سے جو بات اس کی سمجھ میں آجائے اسے وہ حق قرار دیتا ہے اور جنہوں نے اسے مختلف انداز میں سمجھا انہیں باطل اور گمراہ۔ کچھ لوگ اس کی دعوت کو کتاب و سنت سمجھ کر ساتھ مل جاتے ہیں اور باقی اس کی تعبیر کو رد کر دیتے ہیں، اس طرح وہ ساری زندگی لوگوں کو اپنی فکر کے ساتھ جوڑتا رہتا ہے اور اخلاص کے ساتھ امت کے اندر توڑ پھوڑ کا عمل جاری رکھتا ہے۔

تفرقہ سے بچنے کی واحد سبیل

”جماعت“ کے ساتھ حق پر گامزن رہنا اور تفرقہ سے بچنا بھی ممکن ہے کہ جب انسان اپنے خود ساختہ نظریات چھوڑ کر سلف کا منہج اختیار کرے۔ اصول دین میں ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اللہ عز و جل نے اس ملت اور اہل ملت کو حق پر مجتمع رہنے کا حکم دیا ہے، ساتھ ساتھ فرقہ بندی اور اختلاف سے ڈرایا ہے، جس میں پہلی امتیں پڑتی رہی ہیں۔

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

”اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام رکھو اور فرقے نہ بنو۔“

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

”ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقہ بندی اور اختلاف میں پڑ گئے جبکہ ان تک روشن دلیلیں

پہنچ چکی تھیں، انہی لوگوں کے لیے عذاب عظیم ہے۔“

ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”جہاں جماعت سے وابستگی اور لزوم کا حکم آیا ہے وہاں اس سے مراد حق سے وابستگی اور اس کی اتباع ہے، چاہے حق پر جے رہنے والے لوگ کم اور اس کے مخالف زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ حق وہ ہے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والی جماعت تھی اب ان کے بعد اہل باطل کی کثرت ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے؟ (الباعث لابن شامہ ص: ۲۲)

”اہل الحدیث“ سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت یا درایت کے لحاظ سے شغف رکھتے ہیں، احادیث نبویہ کو پڑھنے پڑھانے، ان کی روایت کرنے میں مشغول رہے ہیں اور علم و عمل دونوں لحاظ سے ان پر عمل کرنے میں محنت صرف کرتے ہیں، سنت کی پابندی اور بدعت سے اجتناب کرتے ہیں اور ان اہل خواہشات و شہوات سے قطعی امتیاز رکھتے ہیں جو اہل ضلال و گمراہی کے اقوال و آراء کو اقوال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دیتے اور اپنی فاسد عقل، بوسیدہ منطق اور متناقض کلام کو کتاب اللہ اور سنت نبوی کی تعلیمات پر مقدم ٹھہرا لیتے ہیں۔ حاملین حدیث، اس لحاظ سے، لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح عقیدہ، سنت کی پابندی اور ”جماعت“ اور فرقہ ناجیہ سے وابستگی کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ”جماعت“ کے بارے میں فرمایا ہے: ”اگر وہ اصحاب الحدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ کون ہوں گے۔“

(شرف اصحاب الحدیث ص ۲۵)

اہل حدیث اور اہل سنت باہم قریب اصطلاحیں ہیں۔ جب یہ دونوں اکٹھے مذکور ہوں تو اہل حدیث کا اطلاق علم حدیث کے متخصص اصحاب فن پر ہوگا اور ”اہل سنت“ کا اطلاق باقی اصناف اہل الخیر پر ہوگا۔

فہم سلف اپنانے کا عملی طریقہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ كَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝﴾ (المجادلة: ۱۱)

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم ملا، اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی جو تم کرتے ہو، خبر ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اور شریعت کے عالم کو عظمت اور شرف عطا کیا ہے جب کہ علم نہ رکھنے والوں کو یہ عظمت اور شرف حاصل نہیں۔

نافع بن عبد الحارث نے عسفان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی، جن کو عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ پر امیر مقرر کیا ہوا تھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم نے وادی والوں پر کس کو امیر بنایا؟ انہوں نے کہا ابن ابزی کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ابن ابزی کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک آزاد کردہ غلام ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے غلام کو ان پر امیر بنایا ہے انہوں نے کہا کہ وہ کتاب اللہ کے قاری ہیں اور ترکہ (علم وراثت) کو خوب بانٹنا جانتے ہیں، سیدنا عمر نے کہا کہ سنو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے سبب سے کچھ لوگوں کو بلند کرے گا اور کچھ کو گرا دے گا (مسلم) طائفہ منصورہ کے علماء کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہے بلاشبہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام درہم و دینار نہیں چھوڑتے وہ ورثہ میں علم چھوڑتے ہیں تو جس نے اس علم کو حاصل کیا، اس نے بہت بڑا حصہ پالیا“ (ابوداؤد: ۳۶۲۱)

یہ علماء کرام ہی ہیں جو لوگوں کو اسلامی احکام سے آگاہ کرتے ہیں اور جب لوگوں میں اسلام اجنبی ہو جائے تو یہ لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اجنبی شروع ہوا اور عنقریب اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جس طرح ابتداء میں اجنبی تھا، ان پر دیسیوں کے لیے خوشخبری ہے (مسلم: ۱۳۵) یہ وہی پر دیسی ہیں جو لوگوں کو اصل اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ امام احمد بن

حنبل، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام ابن العزہی، امام محمد بن عبد الوہاب اور ان کے شاگرد رحمہم اللہ اسی طائفہ منصورہ کے وہ چمکتے ہوئے ستارے ہیں جن کو علماء حقہ اپنا امام مانتے ہیں، لہذا اس فہم کو جو انہوں نے قرآن و سنت سے حاصل کیا بیان کرنا ضروری ہے۔ ہم ان علماء کی وضاحت اس لیے بیان نہیں کرتے کہ ہم قرآن و سنت کو نا کافی سمجھتے ہیں، بلکہ اس لیے بیان کرتے ہیں کہ قرآن و سنت کے اس مفہوم کو ہر دور میں طائفہ منصورہ کے علمائے کرام نے بیان کیا ہے اور یہی بیان حق ہے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا

اہل سنت کے عمومی خصائص

طائفہ منصورہ کے علماء کرام نے اہل السنۃ والجماعۃ کی جو خصوصیات بیان کی ہیں، وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ ان میں چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ ولاء اور وفاداری صرف حق کے لئے

اللہ تعالیٰ فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۶۵)

”اور اہل ایمان سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔“

اہلسنت والجماعت کی محبت، تعلق اور وفاداری صرف اور صرف حق سے ہوتی ہے۔ وہ حق سے محبت کی بنیاد پر ہر شخص اور گروہ سے اپنا رویہ، سلوک اور موقف طے کرتے ہیں اور جاہلیت پر مبنی کسی تعصب مثلاً قبیلہ، وطن، علاقہ، جماعت، یا شخصیت وغیرہ کی بنا پر اپنا موقف اختیار نہیں کرتے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((ولیس لأحد أن یعلق الحمد والذم، والحب والبغض، والموالاة والمعاداة والصلاة اللعن، بغير الأسماء التي علق الله بها ذلك: مثل أسماء القبائل، والمدائن، والمذاهب،

والطرائق المضافة الى الأئمة والمشايخ، ونحو ذلك مما يراد به التعريف۔۔۔۔۔ فمن كان مؤمناً وجبت موالاته من أي صنف كان۔ ومن كان كافراً وجبت معاداته من أي صنف كان۔۔۔۔۔ ومن كان فيه إيمان وفيه فجور أعطي من الموالاة بحسب إيمانه: ومن البغض بحسب فجوره، ولا يخرج من الإيمان بالكية بمجرد الذنوب (المعاصي۔)

[کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مدح یا مذمت، محبت یا بغض، موالات (تعلق اور وفاداری) یا دشمنی، درود یا لعنت میں سے کوئی بھی کام ان بنیادوں پر کرے جس کی اللہ رب العزت نے مذمت فرمائی ہے جیسے قبیلہ وطن یا علاقہ، مذہب (مذہب و مسالک)، اماموں اور مشائخ سے منسوب طریقت یا کوئی بھی ایسی بنیاد جس سے کوئی پہچان یا تشخیص قائم ہوتا ہو۔۔۔۔۔ جو شخص بھی ایمان رکھتا ہے اس کے ساتھ ولاء (دوستی، تعلق اور وفاداری) فرض ہو جاتی ہے چاہے وہ کسی بھی نسبت سے منسوب ہو یا کسی بھی صنف سے تعلق رکھتا ہو جو بھی کافر ہے اس سے دشمنی رکھنا فرض ہے چاہے وہ کسی بھی نسبت سے منسوب ہو یا کسی بھی صنف سے تعلق رکھتا ہو۔۔۔۔۔ مزید برآں جو شخص ایمان بھی رکھتا ہو اور اس میں فسق و فجور بھی ہو تو ایسے شخص کے ساتھ اس کے ایمان کے بقدر ولاء و موالات اور اس کے فسق و فجور کے بقدر بغض رکھنا چاہئے کہ وہ صرف گناہوں اور معصیت کی وجہ سے ایمان سے خارج بہر حال نہیں ہوتا] (مجموع الفتاوی: ج ۲۸ ص ۲۲۷-۲۲۹)

۲۔ اہلسنت عمومی طور پر باہم دوستی اور وفاداری (ولاء) رکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (الأنفال: ۷۲)

”بے شک جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان (مہاجرین) کو پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ سب ایک

دوسرے کے اولیاء ہیں۔“

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ [التوبة: ۷۱]

”مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست (مددگار) ہیں۔“

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ [البائدة: ۵۵، ۵۶]

”تمہارا دوست تو اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ اور اہل ایمان ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں، جو شخص بھی اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہو جائے گا) اور اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میری جلالت و عظمت کی خاطر باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں۔ ان کے لیے نور کے منبر ہیں (جس پر وہ بیٹھیں گے) ان پر انبیاء علیہم السلام اور شہداء بھی رشک کریں گے۔“ (ترمذی۔ ج: ۲۳۹۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک ایمان نہیں لاؤ گے اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت نہیں کرو گے۔“ (مسلم۔ ج: ۵۳)

اہلسنت والجماعت آپس میں اختلاف رکھنے کے باوجود دوستی، محبت، تعلق اور وفاداری رکھتے ہیں بلکہ وہ سب کے سب ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔ ایک دوسرے کو غلطی پر عذر دیتے ہیں اور باہم بہتان طرازی اور گمراہی کے فتوے لگانے میں جلدی نہیں دکھاتے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الواجب ان يقدم من قدمه الله ورسوله، ويؤخر من أخره الله ورسوله، ويجب ما أحبه الله ورسوله، ويبغض ما أبغضه الله ورسوله وينهى عما نهى الله عنه ورسوله،

وَأَنْ يَرْضَى، بِإِذْنِ اللَّهِ بِهِ وَرَسُولِهِ، وَأَنْ يَكُونَ لِلْمُسْلِمِينَ إِذَا بَلَغَ الْأُمُورَ بِبَعْضِ النَّاسِ إِلَى أَنْ يَضِلَّ غَيْرَهُ وَيَكْفُرَهُ، وَقَدْ يَكُونُ الصَّوَابُ مَعَهُ: وَهُوَ الْمَوْفُقُ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَلَوْ كَانَ أَخُوهُ الْمُسْلِمُ قَدْ أَخْطَأَ فِي شَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الدِّينِ: فَلَيْسَ كُلُّ مَنْ أَخْطَأَ يَكُونُ كَافِرًا وَلَا فَاسِقًا، بَلْ قَدْ عَفَا اللَّهُ لَهُذِهِ الْأُمَّةُ عَنِ الْخَطَا وَالنِّسْيَانِ))

[شرعی فرض یہ ہے کہ جو اللہ اور رسول ﷺ کو مقدم رکھتا ہے، اسے مقدم رکھا جائے اور جو اللہ اور رسول ﷺ کو موخر رکھتا ہے اسے موخر رکھا جائے، اللہ اور رسول ﷺ کو جو محبوب ہو اسے محبوب رکھا جائے اور جو اللہ اور رسول ﷺ کو ناپسند اور قابل نفرت ہو اسے ناپسند اور قابل نفرت رکھا جائے۔ جس بات سے اللہ اور رسول ﷺ نے روکا ہے اس چیز سے روکا اور منع کیا جائے، جو اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی و رضامندی کا باعث ہے اس سے اپنی خوشنودی و رضامندی وابستہ رکھی جائے اور یہ کہ مسلمان سب کے سب ایک ہاتھ کے مانند ہوں۔ شوی قسمت کہ بعض لوگوں کی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر گردانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے صائب رائے اسی کی ہو یعنی کتاب اور سنت کی موافقت میں ہو، یا اس کے دوسرے مسلمان بھائی نے امور دین میں سے کسی چیز میں غلطی کی ہو یا خطا کھائی ہو، مگر ہر خطا کرنے والا کافر یا فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خطا اور نسیان معاف کر دیا ہے] (مجموع الفتاویٰ ج: ۳ ص: ۴۲۰)

۳۔ تالیف قلوب اور اجتماع کلمہ

اہلسنت والجماعت ہمیشہ جماعت کی شیرازہ بندی اور جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے ہیں، زیادتی کرنے والے کی زیادتی اور غلطی کرنے والے کی غلطی سے عفو و درگزر کرتے ہیں۔ اس کے لئے ہدایت، راستی، بھلائی اور مغفرت کی دعاء کرتے ہیں۔

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۰)

”مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کروادیا کرو۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی طرح

ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔“ (بخاری۔ ج۔ ۲۰۲۶۔ مسلم۔ ج۔ ۲۵۸۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((تعلمون أن من القواعد العظيمة التي هي من جماع الدين: تأليف القلوب، واجتماع الكلمة، وصلاح ذات البين، فان الله تعالى يقول: ﴿فَأَتَّقُوا اللَّهَ وَاصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ (الانفال: ۱)

وأمثال ذلك من النصوص التي تأمر بالجماعة والا تلاف، وتنهى عن الفرقة والاختلاف، وأهل هذا الأصل: هم أهل الجماعة، كما أن الخارجين عنه هم أهل الفرقة، وجماع السنة: طاعة الرسول —

واني لأحب أن يؤذى أحد من عموم المسلمين، فضلاً عن أصحابنا، بشيء أصلاً: لا باطناً ولا ظاهراً ولا عندي عتب على أحد منهم ولا لوم أصلاً بل لهم عندي من الكرامة والاحلال والمحبة والتعظيم أضعاف أضعاف ما كان، كل بحسبه، ولا يخلو الرجل: اما أن يكون مجتهداً مصيباً، أو مخطئاً، أو مذنباً فالأول: مأجور مشكور، والثاني: مع أجره على الاجتهاد فمعفو عنه مغفور له، والثالث: فإله يغفر لنا وله ولسائر المؤمنين...))

”دین“ کی وحدت و اجتماعیت کی عظیم الشان بنیادوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں تالیف و شیرازہ بندی کی جائے، ان کے کلمہ کو جمع رکھا اور ان کے مابین اندرونی طور پر صلح و صفائی اور پیار و محبت کی فضا پیدا کی جائے۔

اللہ عز و جل کا حکم ہے: ”اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس میں صلح و اصلاح کرتے رہو۔“

اس طرح کی اور بہت سی نصوص ملتی ہیں جن میں جماعت، اجتماعیت اور شیرازہ بندی پر زور دیا گیا ہے اور تفرقہ و اختلاف سے منع کیا گیا ہے اس ”اصل عظیم“ کے حاملین ”اہل جماعت“ ہیں جبکہ اس سے خارج ہونے والے اہل تفرقہ ہیں۔ جبکہ ”مذہب سنت“ کی بنیاد اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے.....

اختلاف کی صورت میں مسلمان کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ وہ مجتہد صائب الرائے ہوگا

۲۔ اس کا اجتہاد غلط ہوگا

۳۔ گناہ گار ہوگا

جہاں تک درست اور صائب اجتہاد کرنے والے کا تعلق ہے تو اس کو اجر بھی دو گنا ملتا ہے اور دین میں وہ قابل قدر بھی ہوتا ہے، جہاں تک اجتہاد میں غلطی کرنے والے کا تعلق ہے تو اس کو بھی اجر ملتا ہے اس کی غلطی بھی معاف ہوتی ہے اور اس سے مغفرت کا وعدہ بھی ہے، رہا تیسرا شخص تو اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں، اسے اور تمام مسلمانوں کو معاف اور درگزر کرے..... (مجموع الفتاویٰ ج ۲۸ ص ۵۰)

مزید فرماتے ہیں:

((وقد كان العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم اذا تنازعوا في الأمر اتبعوا امر الله تعالى في قوله: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾ (النساء: ۵۹)

وكانوا يتناظرون في المسألة العلمية والعملية، مع بقاء الالفه والعصمة وأخوة الدين.))

”صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم جب کبھی کسی مسئلے میں اختلاف کرتے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے:

”اگر تمہارے درمیان کسی بات میں باہم اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دیا کرو بشرطیکہ تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر اور افضل ترین تاویل ہے۔“

چنانچہ وہ حضرات علمی (اعتقادی) و عملی مسائل میں بحث و مباحثہ بھی کیا کرتے تھے مگر اس کے باوجود ان کی باہمی الفت اور دینی اخوت برقرار رہتی تھی۔“

(مجموع الفتاویٰ، ج ۲۴ ص ۱۷۲)

اہل تفرقہ کے عمومی خصائص:

اہل سنت کے برعکس اہل بدعت مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ حق کی بنیاد پر محبت کرنے اور شریعت کی پیروی کرنے کی بجائے اپنی ذات، بزرگ اور جماعت کی اساس پر محبت اور بغض رکھتے ہیں۔ اہل بدعت دو وجوہات کی بناء پر سنت کی مخالفت کرتے ہیں، پہلا یہ کہ حق سے جاہل ہوتے ہیں اس لئے ظن کی بنا پر اور علم کے بغیر حکم لگاتے ہیں، دوسرا باعث ہوائے نفس ہوتے ہیں، چنانچہ وہ ظلم کی بنا پر اور عدل کے بغیر حکم لگاتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((من والی موافقہ وعادی مخالفہ وفزق بین جماعۃ المسلمین، وکفر وفتن مخالفہ دون موافقہ فی مسائل الآراء والاجتہادات، واستحل قتال مخالفہ دون موافقہ، فہؤلاء من أهل التفرق والاختلاف))

”جو اپنے سے اتفاق کرنے والے سے ہی ولاء (محبت اور دوستی) رکھے، اختلاف رکھنے والے سے دشمنی رکھے اور اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں افتراق پیدا کرے، آراء اور اجتہادات کے مسائل میں جو اس کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا اسے کافر اور فاسق قرار دے، اپنے مخالف سے، جو کہ اس کی موافقت نہیں کرتا، قتال کو جائز قرار دے، تو ایسے ہی لوگ اہل تفرق اور اہل اختلاف ہیں۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۳ ص ۳۴۹)

چنانچہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ درجہ دیتا ہے کہ جو اس سے محبت کرتا اور موافقت رکھتا ہے اس کا شمار اہلسنت والجماعت میں ہوگا اور جو اس سے اختلاف رکھتا ہے اسے اہل بدعت اور اہل تفرقہ گردانتا ہے..... تو یہی اہل بدعت وضلال اور اہل تفرق ہیں“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۳ ص ۳۴۷)

اسی طرح اہل سنت اور اہل بدعت میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ اہل سنت ہر خطا کار کو

گنہگار قرار نہیں دیتے جبکہ اہل بدعت خطا (غلطی لگ جانے) اور گناہ کو ایک سا کر دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”(اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ) جب مجتہد درست اجتہاد کرتے ہیں تو ان کو دونیکیاں ملتی ہیں۔ اور اگر ان کا اجتہاد غلط ہو تو بھی ان کو اجتہاد کرنے سے ایک نیکی ملتی ہے نیز ان کی یہ اجتہادی غلطی معاف ہو جاتی ہے۔ جبکہ اہل ضلال و گمراہی غلطی لگنے اور گناہ کو لازم و ملزوم ٹھہراتے ہیں۔ کبھی تو غلو کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ وہ (ائمہ) معصوم ہیں اور کبھی تفریط کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (ائمہ مجتہدین) خطا کی بنا پر گنہگار ہیں جبکہ اہل علم اور اہل ایمان ان حضرات کو نہ معصوم قرار دیتے ہیں اور نہ ہی گنہگار“..... (مجموع الفتاویٰ، ج ۳۵ ص ۶۹-۷۰)

بدعت اور اہل بدعت

بدعت کی تعریف اور ضابطہ:

شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ”بدعت کی شرعی تعریف یہ ہے کہ: ”اللہ کی عبادت اس طریقہ کے ساتھ کی جائے جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَمَّا لَهُمْ شُرَكَاؤُا شَرُّهُمُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَأْذَنْ بِهٖ اللّٰهُ﴾ (الشوری: ۲۱)
”کیا ان لوگوں نے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لیے دین کا ایسا طریقہ مقرر کرتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔“

اس کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ سے کرنا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی۔

جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میرے بعد میری اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (ابن ماجہ: ۴۷، مجموع الفتاویٰ ابن عثیمین ۲/۲۹۱)

بدعت کی اقسام:

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”ابتداع وایجاد کی دو قسمیں ہیں:

- ۱۔ عادات میں ابتداع وایجاد جیسے نئی نئی ایجادات۔ اور یہ جائز ہے، اس لئے کہ عادات میں اصل ”اباحت“ ہے۔ (یعنی شریعت نے تمام عادات کو حلال قرار دیا ہے جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کے مخالف نہ ہو۔)
- ۲۔ دین میں نئی چیز ایجاد کرنا یہ حرام ہے اس لئے کہ دین میں اصل ”توقیف“ ہے۔ (یعنی کسی بات کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دین قرار دینا حرام ہے۔)

دین میں بدعت کی دو قسمیں ہیں:

اولاً:- ایسی بدعت جن کا تعلق قول و اعتقاد سے ہے جیسے جہیمہ، معتزلہ، رافضہ اور تمام گمراہ فرقوں کے اقوال و اعتقادات۔

ثانیاً: عبادت میں بدعت، جیسے اللہ کی عبادت غیر مشروع طریقہ سے کرنا اور اس کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: نفس عبادت ہی بدعت ہو جیسے کوئی ایسی عبادت ایجاد کر لی جائے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد اور اصل نہ ہو۔ مثلاً غیر مشروع روزہ یا غیر مشروع عیدیں جیسے عید میلاد النبی ﷺ وغیرہ۔

دوسری قسم: جو مشروع عبادت میں زیادتی کی شکل میں ہو جیسے ظہر یا عصر کی نماز میں پانچویں رکعت زیادہ کر دے۔

تیسری قسم: جو عبادت کی ادائیگی کے طریقوں میں ہو یعنی اسے غیر شرعی طریقے پر ادا کرے، جیسے مشروع اذکار و دعائیں اجتماعی آواز اور خوش الحانی سے ادا کرنا۔ (بدعت، تعریف، اقسام اور احکام: 4: 6 تا 6)

بدعت کا حکم

بدعت حرام اور ضلالت و گمراہی کا باعث ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”دین کے اندر تمام نئی پیدا کی ہوئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (ابوداؤد، ترمذی)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔“ (بخاری، مسلم)

”جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین کے طریقے پر نہیں تو وہ مردود ہے“ (مسلم)

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دین میں ایجاد کردہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور وہ مردود ہے۔

شیخ صدیق بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”بدعتیں کفر کا ڈاک ہیں اور یہ دین میں ایک ایسی زیادتی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مشروع نہیں کیا۔ بدعت کبیرہ گناہ سے زیادہ بری چیز ہے اور شیطان کبیرہ گناہ کی نسبت بدعت سے زیادہ خوش ہوتا ہے اس لیے کہ گناہ گار گناہ کرتے ہوئے جانتا ہے کہ یہ گناہ ہے، وہ اس سے توبہ کر سکتا ہے اور بدعتی بدعت کرتے وقت یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ دینی چیز ہے جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے اس لیے وہ اس سے توبہ نہیں کرتا۔ بدعتیں سنتوں کا خاتمہ کر دیتی ہیں اور بدعتیوں کے نزدیک سنت اور اہل سنت مبغوض و ناپسندیدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بدعت اللہ سے دور کر کے اس کے غضب و عتاب کو لازم کرتی ہے اور دلوں کی کچی اور خرابی کا سبب بنتی ہے۔“ (بدعت، تعریف، اقسام اور احکام: ص ۳۵)

بدعت کی اقسام

اہل بدعت پر حکم کے اعتبار سے بدعت کی دو قسمیں :

(۱) بدعت مکفرہ (۲) بدعت غیر مکفرہ۔

بدعت مکفرہ

علامہ حافظ حکیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ضابط البدعة المكفرة: من أنكر أمراً مجمعاً عليه متواتراً من الشرع، معلوماً من الدين بالضرورة من جحد مفروض، أو فرض مالم يفرض، أو تحليل محرم، أو تحريم حلال، أو اعتقاده ما ينزّه الله ورسوله وكتابه عنه من نفي أو إثبات، لأن ذلك تكذيب بالكتاب وبما أرسل الله به رسوله ﷺ))

(معارج القبول: 616، 617/2)

”بدعت مکفرہ کی تعریف یہ ہے کہ جس کسی نے بھی کسی ایسے امر کا انکار کیا جو متفق علیہ ہے، شریعت سے متواتر ثابت ہے اور دین میں اس کا معلوم ہونا ضروری ہے چاہے وہ کسی فرض کا

انکار ہو یا پھر کسی ایسی چیز کو فرض کرنا ہو جو فرض نہ تھی یا حرام کو حلال کرنا یا حلال کو حرام کرنا ہو یا پھر اللہ کی ایسی صفت بیان کرنا جس سے وہ پاک ہے یا ان صفات مذمومہ کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کا اعتقاد رکھنا، جن صفات سے پاک ہونا کتاب اللہ میں یا رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بیان کیا گیا ہے چاہے وہ اثبات ہو یا نفی، کیونکہ اس میں کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب ہوتی ہے۔“ (معارف القبول: 616، 617/2)

کفریہ بدعت کی دو صورتیں ہیں: اس مسئلہ کو ائمہ کرام نے امور خفیہ اور امور ظاہرہ کی تقسیم کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

[1] المسائل الظاہرہ

وہ کفریہ بدعت جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مدلول ہی سے براہ راست متضاد ہو۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو مسلمانوں کے عوام اور علماء سب جانتے ہیں یہ شریعت کے بنیادی عقائد ہیں۔ امت کا ان مسائل میں اجماع ہو چکا اس لیے ان بنیادی امور میں تاویل یا غلط بحث کا کوئی امکان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں اختلاف قطعاً قابل برداشت نہیں کیونکہ اس سے دین کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ امور قطعی طور پر ثابت ہیں اس لیے انہیں قطعیات کہتے ہیں علماء اسلام کا ان پر اتفاق ہے اور یہ تو اتر عملی سے امت کے اندر رائج ہیں۔ اس لیے ان کو صرف اور صرف تسلیم کر لینا ہی واجب ہے۔ یہ قطعیات عقائد اور فروع دونوں میں پائے جاتے ہیں ان میں اجتہاد، رائے یا اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ شریعت کے وہ عظیم الشان قواعد ہیں جو اہل ہیں۔ جو شخص ان کے تسلیم کرنے میں ہی تردد کرے یا ان کے معاملے کو مشکوک ٹھہرائے وہ ملت اسلامیہ سے خارج یعنی مرتد ہوگا۔ اس کو لاعلمی، جہالت، شبہ یا تاویل کا عذر نہیں دیا جائے گا۔ ان کفریہ بدعات کے حاملین کے بہت سے رخ ہیں کہیں یہ کلمہ پڑھ کر کمیونٹ، سوشلسٹ اور ان سیکولر لوگوں کی شکل میں ہیں جو انسانوں کے بنائے ہوئے نظام جمہوریت اور سوشلزم کو اللہ کے دین سے بہتر سمجھتے ہوئے لوگوں کو زبردستی اس کا پابند بناتے ہیں اور اسلامی احکامات کا مذاق

اڑانے سے بھی باز نہیں آتے۔ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق چور، زانی اور قاتل کی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں قرار دیتے ہیں۔ اور کہیں ان نام نہاد مسلمانوں کی شکل میں ہیں جو اللہ کے تمام اسماء و صفات کا بغیر کسی تاویل کے انکار کرتے ہیں اور ایمان کو صرف معرفت سے تعبیر کرتے ہیں ان کو غلاطہ الجہمیہ کہا جاتا ہے اور کہیں ان صوفیاء کی شکل میں جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر عقیدہ وحدۃ الوجود (ماہیت کے اعتبار سے کائنات عین وجود باری تعالیٰ ہے) کے مبلغ ہیں اور شریعت کو طریقت سے الگ سمجھتے ہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کو اللہ کے نور کا حصہ اور مشکل کشا مانتے ہیں، اپنی مشکلات میں اللہ کے نبی ﷺ اور سیدنا علی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو پکارتے ہیں، غیر اللہ کو مختار کل جان کر اپنی مشکلات کے حل کے لیے قبروں پر سجدہ کرتے ہیں، اور کہیں یہ احمدیوں کی شکل میں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی تسلیم نہیں کرتے اور آپ ﷺ کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کو رسول کہتے ہیں اور کہیں یہ اپنے ائمہ کو معصوم عن الخطا، مامور من اللہ اور ان کی اطاعت کو واجب قرار دینے اور امامت کو نبوت سے افضل قرار دیتے ہوئے 12 اماموں کی عصمت کا اعتقاد رکھنے، قرآن کو بدلی ہوئی کتاب ماننے اور صحابہ کو کافر کہنے والے رافضیوں کی شکل میں ہیں۔

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”بالخصوص عصر حاضر میں اسلام کا نام استعمال کرنے اور اس کے پردے میں کفر کی نشرو اشاعت کرنے والے باطل فرقوں کا یہی حکم ہے۔ جیسے البابیہ، بہائیہ، قادیانیت، اشتراکیت، سوشلزم، علمانیت، قومیت، استشراق، وحدۃ الوجود، حلول و اتحاد، مادیت پرستی، روشن خیالی، وحدت ادیان، برابری کی بنیاد پر مکالمہ بین المذاہب وغیرہ۔ یہ اہل بدعت نام کی حد تک بدعتی ہیں، اصلاً یہ سب کفر کی شکلیں ہیں۔ جیسے نفاق اور کفر میں صرف لفظی فرق ہے، اصل میں دونوں ایک ہی ہیں۔ ان تمام بدعتوں کے دُعاۃ شر کھلے بندوں ہر قسم کے ذرائع ابلاغ میں کفر کی نشرو اشاعت میں مصروف عمل ہیں۔ بدعت کی اس نوع کے کفر اور اس کے مرتکبین کے کفار ہونے میں کسی تردد کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل ایمان کو ان

کے فریب سے نکالنا، سازشوں سے آگاہ رکھنا، ان کا حکم بیان کرنا، ممکن ہو تو انہیں نصیحت کرنا اور حق کی دعوت دینا، استطاعت ہو تو ان سے بحث کر کے حق واضح کرنا، بصورت دیگر ان سے مکمل قطع تعلقی اور اظہار بیزاری حضرات محدثین کا عقائدی منہج ہے، جس کی پیروی ان کی جماعت اہل الحدیث والسنۃ کا فرض منصبی ہے۔“ (مقالات تربیت، ص: ۱۰۹)

شیخ مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ”کافر و مشرک سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو مسلمان ہونے کے دعویدار تو ہیں لیکن کسی ایسے کام کا ارتکاب کرتے ہیں جس کا کفر و مشرک علماء امت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا، دین کی بنیادی باتوں کا انکار کرنا، اللہ اور اس کے رسول یا اسلام کا مذاق اڑانا۔ بشرطیکہ وہ خود باخبر ہوں یا ان پر حجت قائم ہو چکی ہو۔“ (وفاداری یا بیزاری، ص: 30)

سعودی عرب کی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیہ والافتاء (جس کے رئیس الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ تھے) کے چند فتوے ملاحظہ فرمائیں:

”جو شخص نماز پڑھے، روزے رکھے اور ارکان اسلام پر عمل کرے مگر اس کے ساتھ وہ مردوں، غیر حاضر بزرگوں اور فرشتوں وغیرہ کو مدد کے لیے پکارے، وہ مشرک ہے اور اگر وہ نصیحت کو قبول نہ کرے اور مرتے دم تک اس عقیدے پر رہے تو اسکی موت شرک پر ہے۔ اس کا شرک ”شرک اکبر“ ہے جو اسے اسلام سے ہی خارج کر دیتا ہے۔ اُسے نہ تو مرنے کے بعد غسل دیا جائے گا اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن کیا جائے گا اور نہ اس کیلئے مغفرت کی دعا کی جائے گی اور نہ ہی اس کی اولاد، والدین اور بھائی، اگر موحدین ہوں، اُس کے وارث ہوں گے۔“ [فتویٰ نمبر 6972]

”جو شخص اللہ کی توحید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتا ہے پس وہ مسلم و مومن ہے۔ اور جو شرکیہ اقوال یا شرکیہ افعال کرتا ہے جو کلمہ کے منافی ہیں پس وہ کافر ہے اگرچہ کلمہ پڑھے، نماز ادا کرے اور روزہ رکھے۔ جیسا کہ

مردوں کو مشکلات میں پکارتا ہے، ان کی تعظیم میں قربانی کرنا ہے ایسے شخص کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں۔“ [فتویٰ نمبر 10685، فتاویٰ اللجنة جمع و ترتیب احمد بن عبد الرزاق الدویش]

اسی طرح جو شخص پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزوں، عشر، زکوٰۃ یا حج وغیرہ میں سے کسی ایک کا انکار کرے تو وہ بھی کافر ہوگا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے زکوٰۃ کے منکرین کے خلاف جہاد کیا۔ حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے اور نمازیں ادا کرتے تھے۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں اور جب وہ اس کا اقرار کریں تو انہوں نے اپنی جان اور اپنا مال میری تلوار سے محفوظ کر لیا مگر اسلام کا حق ان سے لیا جائے گا اور ان کے دل کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے۔ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے اونٹ کے گلے میں باندھنے والی رسی بھی روکی، جو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے، میں اس کے روکنے پر ان سے ضرور لڑوں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اللہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ منکرین زکوٰۃ سے جہاد کے لیے کھول دیا اور پھر میں نے بھی جان لیا کہ یہی بات حق ہے۔

(بخاری: ۱۴۰۰-مسلم: ۲۰)

گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شہادتین کا اقرار کرنے اور نماز پڑھنے والوں کو مرتدین میں شمار کیا اور ان سے جہاد کیا کیونکہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور ان میں سے بعض کا یہ موقف تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔

نماز کے تارک اور دین یا سنت نبوی کا مذاق اڑانے والے کے بارے میں للجنہ نے یوں فتویٰ دیا۔

”نماز کو جان بوجھ کر ترک کرنے والا اگر نماز کا منکر ہے تو اس کے متعلق علماء اسلام کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر سستی کی وجہ سے ترک کرے تو اس کے متعلق بھی صحیح قول یہی ہے کہ وہ کافر ہے اور جو شخص دین اسلام کا مذاق اڑائے یا کسی ایسی سنت کو نشانہ تضحیک بنائے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے مثلاً پوری دائرہ رکھنا، کپڑا ٹخنوں سے اوپر یا آدھی پنڈلی تک رکھنا اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ واقعی سنت ہے، تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کا محض اس لیے مذاق اڑائے کہ وہ اسلام کے احکام کا پابند ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہوتا ہے۔“ (فتاویٰ دارالافتاء جلد دوم ص ۳۵)

غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے

ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (مائدہ: ۴۴)

”جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔“

جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ان کے ہاں گئے تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ہم سے بیعت لی کہ ہر مشکل و آسانی اور تنگی و خوشحالی ہر حال میں امیر کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے جب تک امیر واضح کفر کا مرتکب نہ ہو جس کی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔

(بخاری: ۷۰۵۶، مسلم: ۱۷۰۹)

کلمہ گو حکمرانوں کا اسلام کے علاوہ کسی اور قانون کو شارع عام بنانے (یعنی وہ قانون کہ جس سے لوگوں کے مابین فیصلے کیے جاتے ہوں اور جس کا ماننا ہر ایک پر لازم ہو) کی کفریہ بدعت کا آغاز امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دور سے ہوا، جب تاتاریوں نے کلمہ پڑھنے کے باوجود دین اسلام کی بجائے ”یاسق“ نامی قانون کو فیصلوں کے لیے مرجع و مصدر قرار دیا۔ امام ابن کثیر اور اس وقت کے دیگر علماء نے انہیں اس عمل کی وجہ سے کافر قرار دیا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾

(المائدہ: ۵۰)

”تو کیا یہ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔“

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتا ہے جو اس کے ان احکام سے اعراض کرتے ہیں جن میں خیر ہی خیر ہے، جن میں ہر قسم کے شر سے روکا گیا ہے اور ایسی آراء، اقوال اور اصطلاحات کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کو ان لوگوں نے وضع کیا جو شریعت اسلامیہ کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں جیسے تاتاریوں نے چنگیز خان کی تقلید اور اس کی آراء کے مطابق فیصلے کرنے شروع کر دیئے۔ چنگیز خان نے یاسق کے نام سے ایک دستور مرتب کیا جو حقیقت میں مختلف مذاہب مثلاً یہودیت و نصرانیت اور ملت اسلامیہ سے اخذ شدہ تھا اور اس انتخاب میں بھی اس نے اپنی خواہشات اور ذاتی نظریہ کو ملحوظ رکھا۔ یہ ایسا مجموعہ ہے جسے اس کے پیروکار کتاب و سنت پر مقدم قرار دیتے اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں پس جو شخص ایسے فعل کا مرتکب ہو گا وہ کافر ہے جس سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کتاب و سنت کی طرف رجوع نہ کر لے اور معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑے تنازع میں کتاب و سنت کو حکم نہ مان لے۔“ (بحوالہ ہدایہ المستفید ص 1074)

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن آل جبرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہم کہتے ہیں کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے (اللہ کے دین کو) ناقص یا حقیر جانتے ہوئے یا یہ عقیدہ رکھے کہ دوسرا قانون اس کی نسبت زیادہ اصلاح کرنے والا اور نفع بخش ہے، پس وہ کافر ہے اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور جو لوگوں کے لیے اسلامی شریعت کے مخالف قانون بناتے ہیں تاکہ لوگ اس قانون پر عمل کریں یہ صرف اس وقت ممکن ہے جب ان کا یہ عقیدہ بھی ہو کہ خلاف شریعت قانون مخلوق کے لیے زیادہ اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھنے والا اور زیادہ نفع بخش ہے کیونکہ عقلی اور فطری طور پر یہ بات مسلم ہے کہ

انسان ایک راستہ چھوڑ کر اس کا مخالف راستہ اسی صورت میں اختیار کرتا ہے جبکہ اس کا عقیدہ ہو کہ جس راستہ کو وہ اختیار کر رہا ہے وہ فضیلت والا ہے اور جسے چھوڑ رہا ہے وہ ناقص ہے۔“ (الفتاویٰ الشرعیہ فی المسائل العصریہ من فتاویٰ علماء البلد الحرام صفحہ نمبر ۷۰)

[2] المسائل الخفیہ

وہ کفریہ بدعت جو شہادتین کے مدلول سے صریح متضاد نہ ہو مگر کسی ایسے امر سے متضاد ہو جو دین میں قطعی مانا گیا ہو۔ کفریہ بدعت کی اس قسم میں جہالت، لاعلمی یا خطا کا عذر دیا جاتا ہے اور ایسے عذر رکھنے والوں پر حجت قائم ہو جانے کے بعد اہل علم ان کی تکفیر کر سکتے ہیں۔ ان مسائل کو اہل علم نے مسائل خفیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے: اس میں مرتکبین کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت: یہ معلوم ہو جائے کہ اس بدعت سے اس کا مقصد دین کے اصول و قواعد کو ختم کرنا اور اہل اسلام میں ان کے دین کے بارے میں شک پیدا کرنا ہے تو یہ شخص قطعی طور پر کافر ہوگا، بلکہ وہ شخص دین سے اجنبی ہے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور وہ دین کا دشمن ہے۔

دوسری حالت: اس سے اس بدعت کا ارتکاب کسی شبہ کی بنا پر ہو اور اس پر وہ معاملہ خلط ملط ہو تو ایسے شخص کو دلائل و براہین دے کر حجت پوری کرنے کے بعد کافر قرار دیا جائے گا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کی دلیل تک رسائی پانے کے لیے عقل، فہم اور تدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخفی ہونے کی وجہ سے یہ مسائل معلوم من الدین بالصرورۃ کے زمرے میں نہیں آتے۔ ان امور میں غلطی کھانے والا سمجھتا ہے کہ اس کی دلیل کتاب و سنت میں موجود ہے یہ وہی مسائل ہیں جن میں اہل سنت اور اس کے مخالف فرقوں میں بحثیں ہوتی رہیں۔ مثلاً:-

اللہ کے اسماء و صفات:

جیسے اللہ کا عرش پر مستوی ہونے یا قیامت کے دن اللہ کے دیدار کا انکار کرنا یا قرآن

مجید کو کلام اللہ کی بجائے مخلوق کہنا۔ ان مسائل خفیہ میں غلطی کھانے والوں کو خطا کا تو سمجھا جائے گا مگر ان کی اس وقت تک تکفیر نہ کی جائے گی جب تک حجت پوری نہ ہو جائے۔
امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فان خالف ذلك بعد ثبوت الحجة فهو كافر فأما قبل ثبوت الحجة عليه فمعدور بالجهل لأن علم ذلك لا يدرك بالعقل ولا بالروية والفكر ولا يكفر بالجهل بها احد الا بعد انتهاء الخبر اليه به“
”اگر کوئی شخص صفات باری تعالیٰ کا حجت قائم ہو جانے کے بعد انکار کرے تو وہ کافر ہے البتہ حجت قائم ہونے سے پہلے اُسے جہالت کا عذر دیا جائے گا کیونکہ صفات کا ادراک عقل، فکر و تدبر سے ممکن نہیں، اس لیے ان سے جاہل کوئی شخص اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک اُسے اس کی خبر نہ پہنچ جائے۔“

(اثبات صفة العلو للشيخ لا امام عبدالله بن أحمد بن قدامة المقدسي: 124)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من جهل بعض الصفات وآمن بسائرهما لم يكن بجهل البعض كافر الا ان الكافر من عاند لا من جهل، وهذا قول المتقدمين من العلماء ومن سلك سبيلهم من المتأخرين

”جو کوئی تمام صفات پر ایمان رکھتا ہے البتہ بعض سے جاہل رہتا ہے وہ اپنی اس جہالت کی بنا پر کافر شمار نہ ہوگا کیونکہ (اس باب میں) کافر وہ ہوتا ہے جو معاند (حق جان کر کفر پر اڑنے والا) ہو نہ کہ جاہل۔ یہ علمائے متقدمین اور ان کی اتباع کرنے والے متاخرین کا مسلک ہے۔“ (التحfid 42/18)

ان امور میں تکفیر معین کے لیے ضروری ہے کہ متکلم جب کفر کی بات کرے تو اس کلمے سے جو کفر لازم آتا ہے وہ اس کا قصد بھی کرتا ہو بعض اوقات الفاظ ذو معنی ہوتے ہیں اور اہل بدعت فرقے انہیں استعمال کرتے ہیں تو ان سے پوچھا جائے گا کہ اس سے ان کی مراد

کیا ہے؟

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسماء و صفات میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ ہمارے مخالفین ایسی بات کرتے ہیں کہ اس سے کفر لازم آتا ہے لیکن یہ کفر یہ معنی ثابت کرنا ان کا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسے شخص کی ہم بھی تکفیر نہیں کرتے جب تک وہ خود اس لازمی معنی کو تسلیم نہ کرے جو ہمارے نزدیک ان الفاظ سے نکلتا ہے (مجموع فتاویٰ جلد ۵ صفحہ ۳۰۶)

مثلاً: ”خلق قرآن“ کی مثال اس مسئلے کی وضاحت کرتی ہے جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اوراق پر لکھے ہوئے اور چھپے ہوئے الفاظوں کا مجموعہ کلام اللہ نہیں تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے فہم کی تکذیب ہوگی مگر کہنے والا اللہ، اس کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکذیب نہیں کرنا چاہتا۔ تو اس پر فتوے سے پہلے حجت پوری کرنا واجب ہے۔ جب کوئی مسلم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حق میں خیر خواہی چاہتا ہو اور نیک جذبات رکھتا ہو لیکن الفاظ کے معنی پوری طرح نہ سمجھے اور اس کے الفاظ سے غلط معنی نکلتے ہوں تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی جب تک اس کو دلائل نہ سمجھا دیے جائیں اور اس کے شبہات دور نہ کر دیے جائیں۔

شیخ عبد اللہ ابابطین رحمہ اللہ اس شخص کی بات پر تبصرہ کرتے ہیں جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ مشرک کو کافر نہیں کہتے تھے۔ شیخ ابابطین رحمہ اللہ اپنے تبصرے میں کہتے ہیں: ”ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ان شرکیہ امور کا مرتکب کافر نہیں کہلائے گا تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بات شرک اکبر (غیر اللہ کی عبادت وغیرہ) امور ظاہرہ کے بارے میں نہیں کی بلکہ امور خفیہ کے بارے میں کی ہے۔ امور خفیہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو، اسے کافر نہیں کہا جائیگا۔ ورنہ شرک اکبر کے مرتکب کے عدم کفر کی بات کسی نے نہیں کی، اس لیے کہ اس طرح کی باتوں کے بارے میں تو ہر خاص و عام بلکہ یہود و نصاریٰ تک کو معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی باتیں لے کر آئے تھے اور ان کے مخالفت کرنے والے کو کافر کہا جائے گا یعنی ایک اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ شریک نہ کرنا اور غیر

اللہ کی عبادت سے منع کرنا یہ تو شعائر اسلام میں سب سے زیادہ واضح شعائر ہیں، لہذا ان کی مخالفت کرنے والے کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر حجت قائم نہیں ہوئی اس لیے اسے کافر نہ کہا جائے۔“ (مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیۃ: ج ۴/۴۵۳)

علامہ ابو محمد المقدسی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”عذر اُس بندے کو دیا جائے گا جو توحید کی اصل اور بنیاد پر تو قائم ہو لیکن اس سے بعض مسائل مخفی رہ جائیں، جس کا سمجھنا اس کے لیے مشکل ہو یا مخفی ہو یا اس کو سمجھنے اور وضاحت کی حاجت ہو اس قسم میں سے اسماء و صفات کا باب ہے، کتاب و سنت کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید کا اقرار کرنے والا اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کے مسئلہ میں غلطی کا شکار ہو جائے تو اس کی اُس وقت تک تکفیر نہ کی جائے گی جب تک اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے۔“ (رسالۃ ثلاثینیت)

کفریہ بدعات کے حاملین کا حکم

امور ظاہرہ میں کفر کے مرتکب کی تکفیر کے لیے اس تک قرآن و سنت کے دلائل کا پہنچنا شرط ہے جبکہ امور خفیہ کے مرتکب پر حق کا واضح ہونا شرط ہے یہاں تک کہ اس کے شبہات کا ازلہ کرتے ہوئے اس پر حجت قائم کر دی جائے۔ پس جس کسی پر حجت قائم ہو گئی وہ کافر و مرتد ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يَزِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَبْهِتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرة: ۲۱۷)
”تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو جائے پھر (اس حالت میں) مرے کہ وہ کافر ہی ہو تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ اہل جہنم ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

ان سے ایسی دائمی دشمنی اور بغض رکھنا ضروری ہے جس میں محبت و دوستی کا شائبہ نہ ہو۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل ترین لوگ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿اسْتَخَوْذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۗ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ) (المجادلة: ۱۹، ۲۰)

”ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہ شیطانی لشکر ہیں، کوئی شک نہیں شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں سے ہیں۔“

فضیلہ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”امت میں اختلاف کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق فقہی اختلافات کے علاوہ عقائد و نظریات سے ہے۔ اس پہلو سے بھی ہمیں سنجیدگی سے غور و فکر کر کے دیکھنا ہے کہ فکری و اعتقادی اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ بلکہ کسی فرقہ یا گروہ کو نشانہ بنانے کی بجائے یہ دیکھنا ہے کہ ان اعتقادی اختلافات میں صحیح پہلو کون سا ہے؟ چنانچہ اس بارے میں تین آراء پائی جاتی ہیں:

ایک رائے یہ کہ: باطل اور فاسد عقائد رکھنے والے کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ کسی کو کافر نہیں کہنا چاہیے، بلکہ سب اہل قبلہ مسلمان ہیں۔ اہل بدعت گناہ گار ہیں جیسے کسی گناہ پر کافر نہیں کہنا چاہیے اسی طرح اہل بدعت کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ اہل بدعت اپنے عقائد و افکار میں ایک جیسے نہیں، بعض ایسے ہیں جو کفر یہ عقائد کے حامل ہیں۔ مثلاً: وہ عقائد جن کا تعلق ضروریات دین سے ہے، اور ثبوت و دلالت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ہیں، ان کا انکار کرنا، جیسے انبیائے کرام علیہم السلام، ملائکہ، منزل من اللہ کتابوں اور قیامت کا انکار کرنا بلکہ کسی ایک کتاب اور ایک نبی علیہ السلام کا انکار بھی کفر ہے۔ قرآن مجید کے کلام الہی نہ ہونے اور اس کے غیر محفوظ ہونے کا عقیدہ، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور اذان کا انکار یا محرمات قطعیہ کو حلال سمجھ کر ان کا ارتکاب کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جن کی بنیاد پر کسی کو کافر کہا جائیگا۔ البتہ وہ محرمات جو یقینی نہیں، یا ان کی حرمت حد شہرت کو نہیں پہنچی، ان کا اگر کوئی بے خبری سے ارتکاب کرتا ہے تو وہ کافر نہیں۔ البتہ خبردار کرنے اور حجت قائم کرنے کے باوجود بھی کوئی اس کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ عموماً اہل سنت کا یہی قول ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجموع الفتاویٰ: ج ۳ ص

تیسری رائے قرین انصاف ہے اور نہایت درجہ متوازن ہے۔ قرآن پاک کی

تعلیمات سے بھی اس کی رہنمائی ملتی ہے کہ عدل و انصاف کسی قیمت پر ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَلُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۚ وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِيْمِ وَالْتَقَوْا ۚ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِلْمِ وَالْعُدُوْا ۚ وَالْتَقُوا اللّٰهَ ۚ﴾ (المائدة: ۲)

”ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم زیادتیاں کرنے لگو۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں سب سے تعاون کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کام میں کسی سے تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔“ (مقالات تربیت ص: ۱۸۶)

اہل بدعت مکرہ کو اہل قبلہ میں شامل کرنا درست نہیں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور عرب کے کچھ قبائل مرتد ہو گئے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کس طرح ان لوگوں سے قتال کریں گے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہوا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں۔ جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا، اس نے اسلام کے حق کے علاوہ مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال بچالیا، اور اس کا حساب لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔“

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ جس نے نماز اور زکوٰۃ کے مابین فرق کیا میں اس سے ضرور لڑوں گا۔ اگر وہ مجھے ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے انکار کر دیں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے، تو میں اس کے انکار پر بھی ان سے لڑوں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ قتال کے لیے کھول دیا ہے اور یہی حق ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۲۵، ۶۹۲۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کلمہ پڑھ کر کفر اکبر کرنے والے اہل قبلہ میں سے نہیں

بلکہ وہ مرتد شمار ہوں گے۔ اسی لیے امام بخاری اس حدیث کو کتاب ﴿استتابۃ
المرتدین والمعادین وقاتلہم﴾ اور باب ﴿قتل من ابی قبول
الفرائض، وما نسبوا الی الردۃ﴾ کے تحت لائے ہیں:

اسی طرح پہلی اور دوسری صدی ہجری کے امام ابو عبیدہ القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (جو
بڑے بڑے ائمہ کے شاگرد ہیں جیسے سفیان بن عیینہ، یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید
القطان وغیرہم) اپنی کتاب ”کتاب الایمان ومعاملہ، وسننہ، واستکمالہ، ودرجاتہ“ (جس کی
تحقیق و تخریج علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے) میں لکھتے ہیں کہ اُن کے خلاف جہاد مشرکین
مکہ کے خلاف جہاد جیسا تھا کیونکہ خون بہانے، اُن کی اولاد کو غلام اور لونڈی بنانے اور اُن
کے مال کو مال غنیمت قرار دینے میں فرق نہیں کیا گیا:

”فلو أنهم ممنعون من الزکاة عند الاقرار وأعطوه ذلک بالأکسنۃ، وأقامو
الصلاة غیر أنهم ممنعون من الزکاة کان ذلک مزیلاً لما قبلہ، ونا قضا
لاقرار والصلاة کما کان إیاء الصلاة قبل ذلک ناقضاً لما تقدم من الاقرار
، والمصدق لهذا جهاد ابی بکر بالمهاجرین والأنصار علی منع العرب
الزکاة، کجهاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أهل الشریک سواء، لا فرق بینہما فی سفک
الدماء وسبب الذریۃ واغتنام المال، فانما کانوا مانعین لها غیر جاحدین
بہا“ (کتاب لایمان ومعاملہ، وسننہ، واستکمالہ، ودرجاتہ: ص ۱۲)

فضیلہ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھیے کہ یہ جو بعض حضرات نے فرمایا ہے، یعنی دوسری رائے،
کہ سب اہل قبلہ مسلمان ہیں کسی کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ یہ حضرات عموماً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا
ایک معروف قول پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے: ”لا نکفر اہل القبلة“ اس
کے متعلق سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی سہارا لیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”من
صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک مسلم“ (بخاری: ۳۹۱)

”کہ جو ہمارے طریقے پر نماز پڑھتا ہے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے، اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے، وہ مسلمان ہے۔“

حالانکہ شارحین نے لکھا ہے کہ اس سے صرف یہ تین عمل نہیں بلکہ تمام شعائر اسلام مراد ہیں اور تین کا ذکر اس لیے ہے کہ یہ شعائر اسلام میں پیش پیش اور عام ہیں اور آسان طریقے کے ساتھ دوسرے ادیان سے امتیاز کا باعث ہیں۔ کہ اہل اسلام کے علاوہ کوئی بھی نہ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارا قبلہ مانتے ہیں، نہ ہمارا ذبیحہ قبول کرتے ہیں۔ اس کا یہ مقصد تو قطعاً نہیں کہ جو ان تین باتوں پر عمل پیرا ہو، وہ مسلمان ہے اگرچہ وہ کسی نبی علیہ السلام کا انکار کر دے، اسے سب و شتم کا نشانہ بنائے، قرآن پاک کی آیات کا انکار کرے، زکوٰۃ دینے سے انکار کر دے، یا دعویٰ نبوت ہی کر دے، یا قرآن پاک میں تحریف کا قائل ہو یا ایمان کے لیے تیسری شہادت کو بھی لازمی اور ضروری قرار دے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کا فیصلہ اس پر برہان ہے۔ صرف زکاۃ کا انکار تھا جبکہ نہ انہوں نے نماز کا انکار کیا نہ ہی کسی اور قبلہ کو انہوں نے اپنا قبلہ بنایا، اور نہ ہی مسلمانوں کے ذبیحے سے انحراف کیا۔ اس لیے اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ جو ان تین باتوں کا معترف ہے، وہ مسلمان ہے، کافی نہیں ہو سکتا قطعاً غلط ہے۔

اہل قبلہ ایک خالص دینی اور علمی اصطلاح ہے جس کی تفصیل عقائد اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

چنانچہ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”اعلم ان المراد بأهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروریات الدین۔“

”کہ تمہیں یہ بات خوب جان لینی چاہیے کہ اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو تمام ضروریات دین پر متفق ہیں۔“ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۵۴)

اسی طرح علامہ طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ونسبی اهل قبلتنا مسلمین مومنین ما داموا بما جاء به النبي ﷺ معترفین وله بكل ما قاله وأخبر مصدقین“

”ہم اہل قبہ کو مسلمان و مومن کہیں گے جب وہ ہر اس چیز کا اعتراف کریں گے جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اور جو آپ نے خبر دی ہے اس کی تصدیق کریں، گویا آپ کی کامل تصدیق اور تعمیل کا نام ایمان و اسلام ہے اور یہی اہل قبلہ سے مراد ہے۔ (عقیدہ طحاوی مع شرح ص: ۳۱۳)

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

”ولا یکفی ان المراد بقول علمائنا: ”لانجوز تکفیر اهل القبلة بذنب“، لیس مجرد التوجه الى القبلة، فان الغلاة من الروافض الذين یذعون أن جبریل غلط فی الوحی فان الله تعالى أرسله الى علی علیہ السلام وبعضهم قالوا: ”انه اله“ وان صلوا الى القبلة لیسوا بمؤمنین هذا هو المراد بقوله ﷺ من صلی صلاتنا واسم تقبل قبلتنا...”

”ہمارے علماء کے قول ”ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر کہنا جائز نہیں سمجھتے“ سے صرف قبلہ کی طرف منہ کرنا، مراد لینا کافی نہیں۔ روافض میں ایسے غالی بھی ہیں جو اس بات کے مدعی ہیں کہ جبرائیل امین علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ معبود ہیں، یہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں، تب بھی مومن نہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان: من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا سے یہ مراد نہیں ہے۔ لہذا مطلقاً اہل قبلہ سے تکفیر کی نفی قطعاً صحیح نہیں۔“ (شرح الفقہ الاکبر ص: ۱۶۲)

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”الاتفاق علی ان ما کان من اصول الدین و ضروریاتہ یکفر بالمخالف فیہ“

”اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اصول دین اور ضروریات دین کی مخالفت کرتا ہے اس

کی تکفیر کی جائے گی۔“ (مسارہ، ج: ۲، ص: ۲۱۲)....

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”والحق انه لا يكفر احد من اهل القبلة الا بانكار متواتر من الشريعة عن صاحبها فانه حينئذ يكون مكذبا للشرع..... الخ۔“

”حق بات یہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاسکتی تاوقتیکہ وہ کسی ایسی چیز کا انکار نہ کرے جو تواتر کے ساتھ صاحب شریعت (محمد رسول اللہ ﷺ) سے ثابت ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ شرع کی تکذیب کرنے والا ہوگا۔“ (احکام الاحکام ج ۲، ص ۸۲)

اسی قسم کی وضاحت دیگر علماء کرام نے بھی کی ہے مگر یہاں استیعاب مقصود نہیں۔ صرف ضرورت مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے کہ اہل قبلہ سے کیا اور کون مراد ہیں۔“

(مقالات تربیت، ص: ۱۸۹ تا ۱۸۷)

اہل بدعت مکفرہ کو اہل کتاب پر قیاس کرنا درست نہیں:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مرتدین کو آگ میں جلانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اہل کتاب کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیں:

عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے پس آپ نے انہیں آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ (بخاری: ۶۹۲۲)

فضیلہ الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

”میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ عمر و اہل بدعت کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح اہل کتاب کی طرح جائز کہتا ہے جبکہ زید کہتا ہے کہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ ضروریات دین کا منکر مرتد ہے اور مرتد کا حکم اہل کتاب کو دینا سراسر انکار ضروریات دین ہے ان دونوں میں مصیب کون ہے؟ انہوں نے جواب فرمایا: زید مصیب (سچا) ہے، اہل بدعت جن کی بدعت کفر کو پہنچی ہوئی ہے کسی صورت سے اہل کتاب کا حکم نہیں پاسکتے بلکہ مرتد کہلائیں گے اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جائے گا۔“

(فتاویٰ نذیریہ، ج: ۳، ص ۳۴۳)

اور اس کی تائید عبدالرحمن محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے۔

ظاہر ہے کہ ضروریات دین کا منکر کافر ہے اور صحیح یہی ہے کہ وہ مرتد ہے، جیسے قادیانیوں کے بارے میں عموماً اہل علم کی رائے ہے، اس لیے ضروریات دین کا منکر مرتد ہے تو اسے اہل کتاب پر قیاس کرنا قطعاً درست نہیں، البتہ ان کے کفر و ارتداد کا خصوصی حکم (تکفیر معین) حجت قائم ہونے اور ان کے شبہات کا ازالہ ہونے کے بعد لگایا جائے گا۔ اسی بنا پر تو ایسی صورت میں اہل علم لکھتے ہیں ”یستتاب ولا یقتل“ کہ اسے توبہ کروائی جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے جب اس پر حجت قائم ہو۔ اگر وہ توبہ کر لے تو فبھا ورنہ ارتداد کی وجہ سے اس کی سزا قتل ہے۔“ (مقالات تربیت، ص: ۲۰۲، ۲۰۳)

کفریہ بدعات کے حاملین سے تعامل

اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ کفار و مشرکین سے برأت کا اظہار کریں، وہ کفار یہود و نصاریٰ، ہندو اور دھرمیہ ہوں یا اسلام کے دعویدار یعنی کلمہ پڑھ کر اسلام کے منافی امور (نواقض اسلام) کے مرتکب ہو کر یا دین کے قطعی امور میں اختلاف کر کے کافر و مرتد ہوئے ہوں، ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو ایک اصلی کافر سے کیا جاتا ہے۔

ذیل میں ہم کفریہ بدعات کے حاملین سے تعامل کی چند اہم صورتوں کا ذکر

کریں گے۔

دشمنی قطع تعلق کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۚ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلة: ۲۲)

”جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے بھائی یا خاندان ہی کے لوگ (کیوں نہ) ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے روح (جبریل) کے ساتھ ان کی مدد کی ہے۔ اور وہ ان کو بہشتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، داخل کرے گا۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہی گروہ حزب اللہ ہے

(اور) سن رکھو کہ حزب اللہ ہی کا میابی حاصل کرنے والا ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے قدریہ سے عداوت کرنے، ان کی صحبت ترک

کرنے پر استدلال کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ قدریہ کے ساتھ مت بیٹھ اور ان سے اللہ کی

خاطر دشمنی کر۔ میں کہتا ہوں: ”یہاں قدریہ جیسے تمام اہل ظلم وعدوان (اس حکم میں) داخل ہیں

۔“ (تفسیر قرطبی: ۱۷۳۰۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلُهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ (النساء: ۱۴۰)

”اللہ اپنی کتاب میں تمہارے لیے یہ حکم پہلے نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ آیات الہی کا

انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو حتیٰ کہ یہ لوگ کسی

دوسری بات میں لگ جائیں، ورنہ تم بھی اس وقت انہیں جیسے ہو جاؤ گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام

منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔“

اس آیت کریمہ سے بھی ائمہ نے اہل بدعت کی صحبت اپنانے سے منع کرنے پر

استدلال کیا ہے۔ (دیکھیے تفسیر قرطبی: ۵/۴۱۸)

اہل بدعت (مکفرہ) کی اقتداء میں نماز ادا نہ کرنا

اہل بدعت میں سے جن کی بدعت کفر کی حد تک پہنچتی ہے ان کی اقتداء میں ادا کی گئی

نماز باطل ہے اور پڑھی گئی نماز کو دہرانا واجب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۗ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝﴾ إِنَّمَا يَعْبُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٥﴾ (التوبة: ١٨، ١٤)

”مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں وہ تو خود اپنے اوپر کفر کی شہادت دے رہے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجد کو آباد کرنا ان کا کام ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے امید ہے ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔“

اسی لیے ائمہ سلف نے غالی جہمیہ، رافضہ اور قدریہ کی اقتداء میں نماز کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

1۔ واثلہ بن السقع رحمۃ اللہ علیہ سے قدری کے پیچھے نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اس کے پیچھے نماز ادا نہیں کی جائے گی اور اگر (انجانے میں) اس کے پیچھے پڑھ لوں تو میں دہراؤں گا۔“ (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج: ۲، ص: ۳۱۱)

2۔ امام برہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اگر جمعہ کے دن تیرا امام جہمی ہو اور وہ وقت کا سلطان ہو (یعنی تو اس کے پیچھے نماز ادا کرنے پر مجبور ہو) تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھ لے اور پھر اسے دہرا۔“ (شرح السنۃ: ۴۹)

3۔ امام ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اصل یہ ہے کہ اہل اہواء کی اقتداء جائز ہے سوائے جہمیہ، قدریہ، غالی روافض، خلق قرآن کے قائل، خطابیہ، مشبہ اور اس بدعتی کے جو اپنی بدعت میں غلو کرتا ہوا کفر کے درجہ کو جانچنے۔ باقی ماندہ لوگوں کی اقتداء میں نماز جائز مگر ناپسندیدہ ہے۔“ (بحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج: ۱، ص: ۳۷۰)

4۔ سلام بن ابی مطیع رحمۃ اللہ علیہ سے جہمیہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا ”وہ

کفار ہیں ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔“ (المنہ عبد اللہ بن أحمد ۱/۱۰۵)

5- شیخ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو کوئی قبر والوں سے استغاثہ کرتا ہے یعنی اپنی مشکلات میں اسے اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے یا ان کی نذر و نیاز دیتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ مشرک ہے اور مشرک کی نہ امامت درست ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے نماز اور کسی مسلم کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھے۔ (فتاویٰ اللجنة جمع و ترتیب احمد بن عبدالرزاق الدویش فتویٰ نمبر [9336])

6- شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی لجنۃ سے بریلوی جماعت کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دریافت کیا گیا جن کا عقیدہ یہ ذکر کیا گیا کہ:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ (۳) یہ لوگ قبر والوں سے حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں۔ (۴) قبروں پر گنبد بناتے ہیں اور چراغ روشن کرتے ہیں۔ (۵) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ (۶) رفع الیدین کرنے والے اور آمین بالجہر کرنے والے سے ناراض ہوتے اور اسے وہابی کہتے ہیں۔ (۷) وضو اور اذان میں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انگوٹھے چومتے ہیں۔

ایسے عقائد کے حاملین کے پیچھے نماز کے متعلق شیخ صاحب فرماتے ہیں: ”جس شخص کے یہی حالات ہوں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اگر کوئی نمازی اس کی اس حالت سے واقف ہونے کے باوجود اس کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح نہیں کیونکہ سوال میں مذکورہ امور میں سے اکثر کفریہ اور بدعیہ ہیں جو اس توحید کے خلاف ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور جو اس نے اپنی کتابوں میں بیان فرمائی۔ [فتاویٰ دار الافتاء سعودی عرب: 2/256]

سلام کا جواب نہ دینا:

بدعت کبریٰ والے بدعتی کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہیے۔

نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سیدنا عبد اللہ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر

کہا فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے تو انہوں نے فرمایا مجھے پتا چلا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے پس اگر وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے میری امت یا اس امت میں خسف (زمین میں دھنسن جانا) یا مسخ (شکلوں کا مسخ ہونا) یا تذف (پتھروں کا برسنہ) ہوگا اور یہ سب باتیں قدریہ کے بارے میں ہوں گی۔

(ترمذی (۲۱۵۲) ابن ماجہ (۴۰۶۱)

امام احمد رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا میرا ہمسایہ رافضی ہے، کیا میں اسے سلام کہہ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اگر وہ سلام کہے اسے جواب نہ دیا جائے۔“

(السنة للخلال: ج: ۱: ص: ۴۹۴)

وراثت میں حقدار نہ بنانا:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کا فرکا وارث نہیں اور نہ ہی کافر مومن کا وارث بن سکتا ہے۔“ [بخاری: ۶۷۶۳، مسلم: ۱۶۱۴]

نکاح نہ کرنا:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَا مُمْمِنَةً خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ﴾ [البقرة: ۲۲۱]

”مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی آزاد مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھی لگے۔ اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھا لگے۔“

اس آیت کی تفسیر میں اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء کے علمائے کرام فرماتے ہیں:

”آیت مبارکہ میں جس مشرک کا ذکر ہے اس میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جو اللہ کے

سوا کسی جن، یا فوت شدہ انسان، یا دور دراز مقام پر موجود شخصیت سے فریاد کرتے ہیں اور جو غیر قرآنی تعویذ پہن کر امید رکھتے ہیں کہ ان سے فائدہ ہوگا اور ان پر شفا کا دار و مدار سمجھتے ہیں اور اس میں غلو کرتے ہیں، اسی طرح اس میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جن میں بت پرستوں والے طور طریقے پائے جاتے ہیں۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ غیر اللہ کے لئے نذر مانتے تھے، ان کے لئے جانور ذبح کرتے اور دوسری قربانیوں کے ذریعے ان کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان سے گڑگڑا کر اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ (حصول برکت کے لئے) ان (بتوں، درختوں، قبروں وغیرہ) کو ہاتھ لگاتے تھے اور قبروں کا طواف کرتے تھے اور ان حرکتوں کے ذریعے وہ کسی فائدہ کے حصول کی، یا مصیبت رفع ہو جانے کی امید رکھتے تھے۔ (اب بھی) جو شخص یہ (مشرکانہ) کام کرے وہ آیت میں ذکر کردہ مشرکوں میں شامل ہے۔ ایسے افراد کو مومن خواتین کا رشتہ دینا جائز نہیں حتیٰ کہ وہ خالص ایمان قبول کریں اور مذکورہ بالا مشرکانہ بدعات اور ایمان کے منافی دیگر اعمال سے توبہ کریں۔ مومن مرد کے لئے بھی جائز نہیں کہ ایسی مشرکانہ بدعات کی حامل عورتوں سے نکاح کریں حتیٰ کہ وہ توبہ کر کے ان اعمال سے باز آجائیں۔“ (فتویٰ نمبر: ۶۳۶۰)

امام مالک رحمہ اللہ کے دور میں مسلمانوں کے بہت سے فرقے ہو چکے تھے، اس وقت ”قدریہ“ جو تقدیر کے منکر تھے جب ان سے شادی کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی

﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ﴾ (البقرة: ۲۲۱)

”مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے۔“

(کتاب السنہ لابن ابی عاصم رقم: 198، شیخ البانی نے اس کی سند صحیح کہا ہے)

طلحہ بن مصرف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((الرافضة لا تنكح نساءهم ولا تؤكل

ذبائحهم لأهل الردة))

”رافضہ کی عورتوں سے نکاح نہیں کیا جاتا، نہ ان کا ذبیحہ کھایا جاتا ہے کیونکہ وہ مرتد

ہیں۔“ (الابانة الصغرى لابن بطة: ۱۶۱)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مشرکین کی عورتوں سے نکاح کے حرام ہونے پر اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((أما المشركون فاتفقت الأمة على تحريم نكاح نسائهم))
 ”امت مسلمہ مشرکین کی عورتوں سے نکاح کے حرام ہونے پر متفق ہے۔“

(مجموع الفتاویٰ: ۸/۱۰۰)

اتحاد نہ کرنا:

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ”اتحاد کا مطلب ہے طرفین میں کچھ ایسے امور پر اتفاق ہونا جس کی بابت دونوں ایک دوسرے کی نصرت اور پشت پناہی کریں، یہ اتحاد اسلام میں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی طرف صرف جھکنے پر ہی جہنم کی وعید دی فرمایا:

﴿وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۖ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ (ہود: ۱۱۳)

”اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا۔ نہیں تو تمہیں دوزخ کی آگ آ لپٹے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز نہ ہوگا پھر تم مدد نہیں کئے جاؤ گے۔“

مزید برآں یہ کہ اس اتحاد کے لوازم میں یہ بات شامل ہے کہ یہ ایک دوسرے سے اظہار قربت و مودت کریں جبکہ یہ امر اسلامی عقیدہ الولاء والبراء میں خلل انداز ہوتا ہے۔ یہ الولاء (اللہ کے دوستوں سے دوستی) اور البراء (اللہ کے دشمنوں سے دشمنی) ایمان کی زنجیر کے مضبوط ترین جوڑ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (البائدة: ۵۱)

”اور تم میں جو شخص ان سے دوستی رکھے گا، وہ انہی میں سے ہوگا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”المرء مع من احب“ (بخاری، مسلم) ”آدمی اسی کے

ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے۔“ (سیاست شریعہ کے متعلق دور حاضر کے کچھ مسائل، ص: ۸)

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ اس جھکاؤ کی تفسیریوں بیان کرتے ہیں:

”ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (لَا تَرْكُنُوا) سے مراد ہے میلان بھی نہ رکھو۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد ہے کہ تم ان کی بات نہ مانو، ان سے محبت اور لگاؤ نہ رکھو، نہ

انہیں (مسلمانوں کے) امور سوچو، مثلاً کسی فاسق فاجر کو کوئی عہدہ سونپ دیا جائے۔ امام

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ”جو ظالموں کے ظلم کے لیے دوات بنائے یا قلم تراش

دے یا انہیں کاغذ پکڑا دے وہ بھی اس آیت کی وعید میں آتا ہے۔“ (مجموعۃ التوحید: ۱۱۸-۱۱۹)

جلسوں اور دینی تقریبات میں ان کو تشریف آوری کی دعوت نہ دینا:

مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ فرماتے ہیں ”بدقسمتی سے یہ برائی بہت عام ہوتی جا رہی

ہے۔ خصوصاً ایسی جگہیں جہاں مسلمان اقلیت یا حالت ضعف میں ہیں۔ حالانکہ از روئے

شرع یہ کام ناجائز اور حرام ہی نہیں بلکہ اسلام کے منافی امور کے قریب ہے۔ کیونکہ اگر کسی

خالص دنیاوی معاملے میں بھی کسی کافر کو مسلمانوں پر فوقیت دی گئی تو شریعت میں اس کی بھی

اجازت نہیں ہے۔ تو کسی خالص اسلامی تقریب اور اجتماع کے موقع پر تقریر کرنے یا اس

مجلس کی صدارت کرنے یا مہمان خصوصی کی حیثیت سے دعوت دینے کو کیسے جائز کہا جاسکتا

ہے؟“

سعودی عرب کی مجلس تحقیق و فتویٰ اللجنة الدائمة للبحوث والافتاء کے

پاس آسٹریلیا کے مسلمانوں کی جانب سے ایک سوال نامہ پہنچا، جس کا ماحصل یہ تھا کہ:

”ہمارے ملکوں میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ کیا ہم اپنے اجتماعات اور جلسوں

کے موقع پر انہیں تقریر کرنے کا موقع دے سکتے ہیں؟“

مجلس تحقیق و فتویٰ کا جواب تھا کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس عمل سے دو برائیاں

پیدا ہو سکتی ہیں:

1- بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ جائیں جسے سن کر مسلمان

اپنے دین کے متعلق شبہات میں مبتلاء ہو جائیں۔

2۔ اس سے حاضرین کی نظر میں غیر مسلموں کی ایک اہمیت ہوگی اور ان کی محبت کا شکار ہو کر لوگ فتنے میں پڑ سکتے ہیں۔ (کم از کم لوگوں کی نظر میں وہ محترم اور معظم شخصیت بن جائیں گے) [فتاویٰ اللجنة الدائمة، 2/64-66]

احترام و تعظیم نہ کرنا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

[المنفقون: ۸]

”عزت تو صرف اللہ، اس کے رسول (ﷺ) اور مومنوں کے لیے ہے لیکن یہ منافق نہیں جانتے۔“

﴿بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيْنَبِعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۝﴾

[النساء: ۱۳۹، ۱۳۸]

”ان منافقوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ کے لیے ہے۔“

عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے احترام اور تعظیم کے حق دار اللہ، اس کا رسول (ﷺ) اور اہل ایمان ہیں اللہ کے باغیوں کے لیے کوئی عزت و احترام نہیں جو شخص کسی کافر و مشرک کی اس لیے عزت کرتا ہے کہ وہ عیسائیوں کا پادری ہے یا شرک کی طرف دعوت دینے والوں کا عالم ہے تو وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝﴾ [المجادلة: ۲۰]

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتے ہیں وہی سب سے زیادہ ذلیل

لوگ ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام))

”جس نے کسی بدعتی کی عزت و تکریم کی تو اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔“

(الشريعة للإمام جری ص ۹۶۲ ج ۲۰۴)

رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل کرنے سے منع فرمایا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہود و نصاریٰ سے سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور اگر ان میں سے کسی سے راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے سے گزرنے پر مجبور کر دو۔“ [مسلم: ۲۱۶۷]

مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ فرماتے ہیں ”ایسے کلمات کا استعمال جن سے ان کی تعظیم اور بڑائی کا اظہار ہو، جائز نہیں ہے۔ جیسے لفظ سر، سید، سردار، عالی جناب، عزت مآب اور دیگر الفاظ تعظیم و احترام وغیرہ کیونکہ اس سے اس کی فوقیت اور افضلیت ظاہر ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کو سیدنا (میرا سردار) نہ کہو کیونکہ اگر تم نے منافق کو اپنا سردار بنایا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔“ [ابوداؤد ۷۷۹۷]

بات صرف تعظیم اور تعظیمی کلمات کے استعمال تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دیکھیں کہ صرف ظاہر میں بغیر کسی خاص ضرورت کے، کسی کافر کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جائے گا جس سے کسی مسلمان کے مقابلے میں اس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہو..... حتیٰ کہ صرف نام لینے میں بھی کسی مسلمان سے پہلے کسی کافر کا نام نہ لیا جائے گا۔

عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ”فتح مکہ کے موقع پر میں ابو سفیان کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوا ابھی تک ابو سفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے، آپ کے گرد موجود صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کہا کہ ابو سفیان اور عائذ بن عمرو آ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو کہ عائذ بن عمرو اور ابو سفیان آ رہے ہیں، اسلام اس سے

قوی ہے، اسلام بلند ہے، اس پر کوئی دوسرا مذہب بلند نہیں ہو سکتا۔

السنان الکبریٰ للہجفی حسنہ البانی ارواء الغلیل ۱۲۶۸ھ (وفاداری یا بیوزاری)

مدح سرائی نہ کرنا:

فضیلہ الشیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”کفار کے باطل عقائد اور فاسد دین میں غور کئے بغیر ان کی مدح سرائی کرنا، ان کی تہذیب و تمدن کی تعریف کرنا اور ان کے ظاہری اخلاق اور مہارت سے متاثر ہونا کفار سے دوستی کے مظاہر میں سے ہے۔ کفار کی معاونت کرنا، مسلمانوں کے خلاف کفار کو اپنی مکمل حمایت فراہم کرنا، کفار کی مدح سرائی اور تعریفیں کرنا اور کفار کی مدافعت اور وکالت کرنا کفار سے دوستی کے مظاہر اور علامتیں ہیں دوستی کے یہ مظاہر ایک بندہ مسلم کے اسلام کو ختم کر دینے والے اور ارتداد کے اسباب میں سے ہیں۔

الولاء والبراء فی الاسلام لصالح الفوزان ص ۱۳

استغفار، رحمت کی دعا اور تعزیت نہ کرنا:

اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ

مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (التوبة: ۱۱۳)

”نبی (ﷺ) کیلئے اور دوسرے مسلمانوں کیلئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں، اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ جہنمی ہیں۔“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”میں نے ایک آدمی کو اپنے مشرک والدین کے لیے دعا کرتے ہوئے سنا تو میں نے اسے کہا کیا تو اپنے والدین کے لیے دعا کر رہا ہے جبکہ وہ مشرک تھے؟ اس نے جواب دیا ”کیا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (مشرک) باپ کے لیے دعا نہیں کی تھی؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے قرآن کی یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ﴾ (التوبة: ۱۱۳)

”ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لیے بخشش کی دعا کی تھی وہ تو صرف اس لیے کہ انہوں نے اپنے باپ سے اس بات کا وعدہ کیا ہوا تھا پھر جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے“ [سنن النسائي: ۲۰۳۶]

اللہ تعالیٰ نے جہاں ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے لیے اسوہ قرار دیا ہے، وہاں ارشاد فرمایا کہ کوئی ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے دعائے مغفرت کرنے کو دلیل نہ بنائے:

﴿إِلَّا قَوْلُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَسْتَ غَافِرٌ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (المبتحنة: ۴)

”یہ بات نمونہ نہیں ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تیرے لیے مغفرت کی دعا کروں گا حالانکہ میں تیرے لیے اللہ کے سامنے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ”قدریہ“ کے بارے میں فرماتے ہیں

أولئك شرار هذه الأمة لا تعودوا مرضاهم، ولا تصلوا على موتاهم
 ”وہ اس امت کے شریر ترین لوگ ہیں، تم ان کے مریضوں کی عیادت نہ کرو اور ان کے مرنے والوں کا جنازہ نہ پڑھو۔“ (شرح أصول اعتقاد أهل السنة: ۲/۶۳۳)

اسی بات کو مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ((القدرية مجوس هذه الامة ويهودها فان مرضوا فلا تعودوهم، وان ماتوا فلا تشهدوهم)) (الشرية: ۲۲۵)

بشر بن حارث رحمہ اللہ ”جہمیہ“ کے بارے میں فرماتے ہیں: ((لا تجالسوهم ولا تكلموهم وان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم))

”ان کو اپنے ساتھ مت بٹھاؤ، مان سے کلام نہ کرو، اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازوں میں مت شریک ہو۔“

(النية لعبد الله بن أحمد: ۱/۱۲۶)

ربیع بن سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق فمن قال غیر هذا فان مرض فلا تعود وہ وان مات فلا تشهدوا جنازته وهو کافر باللہ العظیم (شرح أصول اعتقاد اہل السنة: ۱/۳۲۲)

”قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں۔ جس کسی نے اس کے سوا کچھ اور کہا تو اگر وہ مریض ہو، اُس کی عیادت مت کرو اور اگر وہ مر جائے، اس کے جنازے میں مت شریک ہو کیونکہ وہ کافر ہے۔“

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ لکھتے ہیں ”اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے استغفار اور رحمت کی دعا کرنا حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے لئے استغفار اور رحمت کی دعا کرنے میں ان کی محبت اور ان کے دین کی صحت کا اعتراف شامل ہے۔ (دستی اور دشمنی کا معیار، ص 23)

سلف کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ بدعت مکفرہ میں واقع ہونے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا، مگر جہاں تک ان کی عیادت کرنے کا تعلق ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کافر کی عیادت کے لیے جانا ثابت ہے۔ اس لیے اگر ایسا کرنے میں کوئی مصلحت پائی جاتی ہو تو عیادت کرنا جائز ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بدعت مکفرہ کے مرتکب دشمنی اور بغض کے مستحق ہیں سلف صالحین کے ان اقوال سے اس حقیقت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

کفار کے ساتھ حسن سلوک

ان تمام امور کے باوجود اسلام ہمیں اُن کفار کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اجازت دیتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرتے، البتہ ان سے دلی محبت حرام ہے۔ موالات (دلی محبت) کا تعلق دل سے ہے اور حسن سلوک ایک خارجی عمل ہے۔ یعنی جس کے ساتھ حسن سلوک کیا جا رہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے موالات بھی کی جا رہی ہے۔

امام ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”البر والصلة والاحسان لا يستلزم التحاب والتواد والمنهي عنه“

”کفار کے ساتھ اچھا سلوک، صلہ رحمی اور نیکی کرنا ان سے اُس محبت اور دوستی کو مستلزم نہیں کرتا ہے کہ جبراً سے منع کیا گیا ہے۔“ [فتح الباری ۱۵/۲۳۳]

کفار کے ساتھ حسن سلوک نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات مستحب اور تاکید ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب یہ امید ہو کہ ایسا کرنے سے کافر دین اسلام کی طرف مائل ہوگا۔ اور اگر کفار و مشرکین عزیز و اقارب میں سے ہوں تو اس چیز کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

﴿لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَهَرُوا عَلَىٰ أَخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوهُمْ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝﴾

(الممتحنة: ۸، ۹)

”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور نہ ہی تمہیں جلا وطن کیا، ان کے ساتھ حسن سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑی ہیں اور تمہیں جلا وطن کیا اور جلا وطن کرنے والوں کی مدد کی۔ جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ واقعی ظالم ہیں۔“

پہلی صورت: عیادت کرنا

کسی کافر کی عیادت کے لئے جایا جاسکتا ہے، خصوصاً جبکہ اس عیادت کے پیچھے کوئی مقصد پوشیدہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے گئے جب وہ بیمار پڑ گیا اور وہ آپ ﷺ کی خدمت بھی کیا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اسلام لے آؤ اس نے آپ ﷺ کی بات مان لی اور اسلام لے آیا۔ [بخاری: ۵۶۵۷]

اللجنة الدائمة نے کافر کی تعزیت کے بارے میں فتویٰ دیا ہے کہ:
 ”اگر کافر کی تعزیت سے مقصد، ان کو اسلام کی طرف راغب کرنا ہے تو یہ جائز ہے اور یہ
 شریعت کے مقاصد میں سے ہے اور اسی طرح اپنے آپ کو یا مسلمانوں کو ان کے شر سے بچانا
 مقصود ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ عام مسلمانوں کی مصلحتیں جزئی نقصان پر حاوی ہوتی ہیں۔“
 (فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیہ والافتاء ۱/۱۳۲)

دوسری صورت: ہدیہ و صدقہ دینا

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ
 فَلَا تُنْفِسُكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفَّقْ
 إِلَيْكُمْ ۖ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۲۷۲)

”لوگوں کو راہ راست پر لانا آپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا
 ہے اور جو تم خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کرتے ہو۔ اور جو بھی مال و
 دولت تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہیں کی
 جائے گی۔“

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مشرک رشتہ داروں کے
 ساتھ حسن سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا اور یہ آیت
 اتری اور انہیں رخصت دی گئی۔“ (تفسیر ابن کثیر)

”رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کے مال غنیمت میں سے صفوان بن امیہ کو سو بکریاں
 دیں پھر سو بکریاں دیں پھر سو بکریاں دیں، حالانکہ وہ مشرک تھا کہتا ہے کہ آپ ﷺ مجھے
 دیتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ میری نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ جب کہ
 آپ ﷺ سے مجھے سخت نفرت تھی۔“ (مسلم: ۲۳۱۳، ترمذی: ۶۶۶)

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”کافروں کو ہدیہ و تحفہ دینا جائز ہے اور اگر اس کا
 مقصد انہیں دین اسلام کے قریب کرنا ہے یا ان کا ہدیہ قبول کر کے انہیں اپنے سے مانوس کر

کے مذہبی باتیں ان تک پہنچانا ہے تو یہ چیز مستحب ہوگی، البتہ کسی مذہبی تہوار کے موقع پر ان کا ہدیہ قبول کرنے سے دل میں ان کی محبت پیدا ہوتی ہو یا ان کے مذہبی تہوار کی تعظیم ہو تو ایسا کرنا قطعاً حرام ہے۔“ [مجموع الفتاویٰ الشیخ ابن عثمین ۳/۳۲]

تیسری صورت: زیارت کرنا

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی مسلمان کا کوئی قریبی رشتہ دار کافر ہے اور اس کے ہاں آمد و رفت کا سلسلہ رکھنے میں دین کا کوئی نقصان نہیں ہے تو یہ جائز ہے، ورنہ ناجائز۔ لیکن اگر کافر رشتہ دار نہیں تو اس کے یہاں بے مقصد آمد و رفت کا سلسلہ رکھنا، خصوصاً وقت گزارنے اور گپ شپ کے لئے جانا جائز نہ ہوگا۔

[مجموع الفتاویٰ شیخ ابن باز ۳/۱۰۵۱]

چوتھی صورت: دعوت قبول کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔

پانچویں صورت: خرید و فروخت کرنا

نصوص کتاب و سنت اور سلف کے معمول سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی کافر کی دکان سے خرید و فروخت کرنا اور ان کے پاس دعوت کی نیت سے بیٹھنا جائز ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود و مشرکین آکر بیٹھا کرتے تھے اور آپ ﷺ ان سے خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔

چھٹی صورت: اچھے اخلاق سے پیش آنا

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں باریابی کی اجازت چاہی اور میں آپ ﷺ کے پاس موجود تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((بئس اخو العشيرة او ابن العشيرة)) ”یہ اپنے قبیلہ کا بہت برا آدمی ہے۔“ اتنا

کہنے کے بعد آپ ﷺ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی اور اس سے بڑی نرمی سے بات کی۔ پھر جب وہ چلا گیا تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اس کے بارے میں یہ کچھ فرمایا تھا پھر اس سے اس طرح نرمی سے کیوں پیش آئے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: [اے عائشہ! اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ وَدَّعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فَحْشِهِ]

”سب سے برا آدمی وہ ہے کہ لوگ اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لیے اس کو چھوڑ دیں۔“

[صحیح البخاری: ۶۰۵۶]

تکفیر کے اصول و ضوابط

تکفیر ناحق جرم عظیم ہے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے کسی آدمی کو کافریا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا، اگر وہ ایسا نہ ہو تو بات کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گی“ (بخاری: 6104، مسلم: 60)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب بندہ کسی چیز پر لعنت کرتا ہے، وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف گرتی ہے تو اس کے لیے زمین کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں پھر وہ دائیں بائیں پکڑ لگاتی ہے۔ پھر جب اس کو کوئی راستہ کسی طرف نہیں ملتا تو جس پر لعنت کی گئی ہو، اس کی طرف چلی جاتی ہے۔ اگر وہ اس کا مستحق ہو تو ٹھیک ورنہ کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے“۔ (ابوداؤد: 4905)

تکفیر معین اور مطلق کا فرق

تکفیر مطلق: فعل کا کفر ہونا مطلقاً (بغیر کسی فرد معین پر حکم لگائے) بیان کرنا، جیسے کہا

جائے کہ جس نے یہ اور یہ کام کیا اس نے کفر کیا۔ اس میں ایک چیز کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جس قول، فعل یا اعتقاد کا جرم بیان کیا جا رہا ہے اس کا کفر ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو۔
تکفیر معین: فرد معین پر کفر کا حکم لگانا جیسے کہا جائے کہ فلاں شخص کافر ہے۔ اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) فعل کا کفر ہونا۔ (۲) اس فعل کے مرتکب کے احوال کو مد نظر رکھنا (شروط کے پائے جانے اور موانع کے ختم ہو جانے کے لحاظ سے)
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے شراب پینے اور پلانے والے پر لعنت کی ہے (ابوداؤد: ۳۶۷۴)“

مگر جب ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو شراب پینے کی وجہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے کہ بار بار شراب پیتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح مت کہو اس کے خلاف شیطان کی مدد مت کرو۔ اس پر لعنت نہ بھیجو اللہ کی قسم وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری: ۶۷۸۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-
 ”شراب پینے والے پر لعنت کے باوجود اس صحابی کو نبی کریم ﷺ دوسرے صحابی پر اس کے شراب پینے پر اصرار کے باوجود لعنت کرنے سے منع کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلق لعنت سے معین لعنت لازم نہیں آتی کیونکہ بعض اوقات کوئی مانع اس مطلق لعنت کے کسی معین پر لاگو ہونے میں حائل ہو جاتا ہے۔ تاہم جہاں تک کسی شخص کو متعین یا اس کی نشان دہی کر کے اس پر کافریا کا جہنمی ہونے کا حکم لگانے کا تعلق ہے تو اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا مطلوبہ شروط پوری ہوتی ہیں اور موانع زائل ہوتے ہیں یا نہیں [مجموع الفتاویٰ، ج ۱۰ ص ۳۲۹]

مزید فرماتے ہیں:

[یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ ان بدعات میں سے بعض بعض سے کہیں بڑھ کر شدید اور

گھناؤنی ہوتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض بدعتی بعض دوسرے بدعتیوں سے کہیں بڑھ کر ایمان سے کورے اور تہی دامن ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود کسی کے لئے یہ روا نہیں کہ مسلمانوں میں کسی کی تکفیر کرے، اگرچہ وہ غلطی اور کج روی پر ہی کیوں نہ ہو، تا آنکہ اس پر اقامت حجت نہ ہو جائے اور دلیل واضح نہ کر دی جائے۔ جس شخص کا ایک بار قطعی طور پر مسلمان ہونا ثابت ہو جائے اس کا یہ حکم شک کی بنا پر زائل نہیں ہو سکتا، بلکہ جب تک اقامت حجت اور ازالہ شبہ نہ ہو جائے، اس وقت تک زائل نہیں ہو سکتا]

(مجموع الفتاویٰ، ج ۱۲ ص ۵۰۰)

تکفیر کے قواعد و ضوابط:

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آج کلمہ پڑھنے والوں کی اکثریت شرک و کفر میں ملوث ہے۔ دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان کی تفصیلات بیان کریں۔ جن باتوں سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یعنی نواقض اسلام صاف صاف لوگوں کو سنائیں تاکہ لوگ اپنے شرک و کفر سے باز آجائیں۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ کفر و شرک میں واقع ہونے والے سب لوگ کافر و مشرک قرار پائیں۔ گویا ہم نے کفر مطلق کو بیان کرنا ہے کہ فلاں بات کہنے یا فلاں کام کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے البتہ کفر معین یعنی کسی خاص شخص (محمد علی ولد عبدالقادر) کو کافر و مشرک کہنا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ متعین شخص کے حق میں کچھ شروط پوری اور کچھ موانع ختم نہ ہو جائیں۔ کیونکہ کفر مطلق سے کفر معین لازم نہیں آتا۔

ہمارا فرض منصبی لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ شرک و کفر ہے اور اس شرک کی سزا مستقل جہنم ہے تاکہ لوگ اسلام کی حقیقت کو جان لیں اور شرک و کفر سے توبہ کر لیں۔ شرک و کفر کے افعال کرنے والوں پر ان کے جرم کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔ مگر ان افعال کے کرنے والوں پر حکم لگانے کی چند شروط اور موانع ہیں ان شروط کا پورا ہونا اور موانع کا دور کرنا ضروری ہے کیونکہ ہر کفر کرنے والا کافر نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر شرک کرنے والا

مشرک ہوتا ہے۔

تکفیر کی شرائط:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھالیا ہے (۱) سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے۔ (۲) بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔ (۳) مجنون جب تک اس کی عقل بحال نہ ہو جائے۔“ (ابن ماجہ: ۲۰۴۱)

تکفیر کے موانع:

1۔ بلا قصد:

بعض اوقات انتہائی خوشی کے موقع پر ایک مسلمان کی زبان سے ایسے کفریہ کلمات نکل جاتے ہیں جو اس کا عقیدہ نہیں ہوتا۔ ایسے بلا قصد الفاظ کی بنا پر آدمی کافرو مشرک نہیں ہوتا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بڑھ کر خوش ہوتا ہے جس کی صحراء میں سواری گم ہو جائے جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہے۔ وہ مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے اچانک وہ سواری واپس آ جاتی ہے اور وہ اس کی کیل پکڑ لیتا ہے اور وہ خوشی کی شدت میں پکار اٹھتا ہے۔ اللھم انت عبدی وادربک اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب“۔ (مسلمہ ۲۴۴)

عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کھیت میں پانی لگانے پر زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہ میں جھگڑا ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا، زبیر اپنا کھیت بیچ کر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: زبیر آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے نا؟ (یعنی آپ نے فیصلہ میں خاکم بدہن پھوپھی زاد بھائی کی رعایت کی اور انصاف نہیں فرمایا) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ بدل گیا۔ (کیونکہ انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ آپ پر الزام تھا۔ حالانکہ آپ نے اپنے فیصلہ میں انصاری رضی اللہ عنہ کی رعایت کی تھی۔ زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق نہیں دیا تھا) پھر آپ نے فرمایا:

زبیر کھیت کو بھر پور ڈولوں تک پانی دے کر چھوڑنا۔ اس فیصلہ میں نبی اکرم ﷺ نے زبیر کو اس کا پورا حق دلایا جب کہ انصاری نے آپ کو غصہ دلایا۔ پہلے آپ نے ایسا فیصلہ فرمایا تھا جس میں دونوں کا کام نکلتا تھا۔ (بخاری: ۴۵۸۵)

سید مسعود احمد امیر جماعت المسلمین اپنی کتاب ”تاریخ الاسلام والمسلمین“ میں اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ روایت کے الفاظ سے واضح ہے: ”انہ خاصم رجلا من الانصار قد شهد بدراً“ (بخاری: ۲۷۰۸)

رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلہ پر ان کا اعتراض یقیناً بلا قصد تھا کیونکہ بدری صحابی رضی اللہ عنہ نے پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر کے اپنے اخلاص کا ثبوت دے دیا تھا لہذا بلا قصد جملہ کی بنا پر ان کو منافق قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ آپ نے صرف انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا پورا حق ولو ادیا اور اس کے بعد اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کی خاموشی ہی کو اس کی توبہ سمجھی گئی لہذا اگر کسی مسلم کی پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی گواہی دے رہی ہو اور کوئی ایسی بات مل جائے جو ظاہراً کفر ہو اور اس کی زندگی میں اس کفر کا رد موجود ہے تو ہم اس کو منافق کہنے کے بجائے اس کی بات کی تاویل کریں گے۔

2۔ جہالت:

بعض اوقات آدمی شریک یا کفریہ کام کرتا ہے اور اسے علم نہیں ہوتا کہ یہ شریک یا کفریہ کام ہے، اور وہ اس کا علم حاصل کرنے سے عاجز بھی ہوتا ہے، جب اسے بتایا جاتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا ہے تو شریک یا کفریہ کام کرنے کی بنا پر اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اپنے بچوں سے کہا کہ میں نے اللہ کی درگاہ میں کوئی نیکی نہیں بھیجی۔ اگر اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو سخت عذاب دے گا۔ تم میرے مرنے کے بعد میری لاش جلا دینا، جب جل کر کوئلہ ہو جائے تو اسے خوب باریک پینا اور جس دن زور کی آندھی ہو اس دن یہ راکھ آندھی میں اڑا دینا،

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے کن کہا وہ شخص سامنے کھڑا ہو گیا۔ اللہ نے پوچھا میرے بندے تو نے کیا کیا؟ اس نے عرض کیا اے اللہ تیرے خوف سے اور تو جانتا ہے۔ اللہ نے اس پر رحم کیا اور اس کو بخش دیا۔ (بخاری ۵۰۶)

ابو اقدلیش بیان کرتے ہیں کہ ہم جنگ حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے، ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا، راستے میں ایک جگہ بیری کا درخت آیا جس کو ذات انواط کہا جاتا تھا، مشرکین اس درخت کے پاس بیٹھنا باعث برکت خیال کرتے تھے اور اپنے ہتھیار بھی برکت کے لیے اس درخت پر لٹکا دیتے تھے، جب ہم اس درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ جیسے ان مشرکوں کے لیے ذات انواط ہے، آپ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجئے آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے وہی بات کہی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم لوگ بڑے جاہل ہو، پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تم بھی اگلی امتوں کے طریقوں پر چلو گے۔ [ترمذی: 2180]

جہالت کے سبب بدعت میں واقع ہونے والے

بدعت میں جہالت سے واقع ہونے والا جو اس عمل و اعتقاد کے بدعت ہونے سے جاہل ہو جس میں وہ واقع ہو رہا ہے یا وہ کسی کی تقلید کرتے ہوئے اس بدعت کا ارتکاب کرے۔ اس پر حکم کا دار و مدار دو باتوں پر ہے:

۱۔ اس بدعت کی نوعیت جس میں وہ واقع ہوا ہے:

اگر وہ ایسے مسئلہ میں بدعت کا شکار ہوا جو لوگوں کے مابین معروف ہے تب اسے عذر نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر وہ کوئی دقیق مسئلہ ہے تو پھر اسے عذر دیا جائے گا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ امت کو پیچیدہ علمی امور میں خطا (غلطی لگ جانا) معاف ہے، بے شک وہ علمی مسائل (اعتقادی) ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بیشتر بزرگان امت ہلاک ہو جاتے، جب ایک ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے جو اس سے لاعلم ہے کہ شراب حرام ہے کیونکہ وہ لاعلمی اور جہالت کے ماحول اور علاقے میں پروان چڑھتا ہے، جبکہ اس نے علم بھی حاصل نہیں کیا تو پھر ایک عالم فاضل جو اپنے زمان و مکان کے لحاظ سے جو میسر ہے اس کے دائرے میں رہتے ہوئے طلب علم میں اجتہاد و محنت کرتا ہے جبکہ اس کا مقصد بھی حسب امکان رسول اکرم ﷺ کی پیروی ہے تو وہ اس سے بھی اولیٰ اور زیادہ مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں قبول کرے، اس کے اجتہادات کا ثواب عطا کرے اور جو اس سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان سے درگزر فرمائے کہ اس نے فرما رکھا ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة: ۲۸۶)

”اے اللہ اگر ہم سے بھول ہو جائے یا ہمیں غلطی لگ جائے تو ہماری پکڑ نہ فرما۔“

اہلسنت ہر اس شخص کی نجات کے پر عزم طور پر قائل ہیں جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے جیسا کہ قرآن نے کہہ رکھا ہے تاہم جہاں تک کسی شخص کو متعین کیے جانے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اس بنا پر توقف کرتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں آیا وہ تقویٰ اختیار کرنے والوں میں شامل ہے یا نہیں؟ (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۰ ص ۱۶۵)

۲۔ اس کی جہالت کی نوعیت:

اگر وہ ایسے معاشرے میں رہتا ہے جہاں کتاب و سنت کا علم عام ہے، حق کو جاننا کچھ مشکل نہیں اور وہ اپنے آپ سے جہالت دور کرنے پر قادر ہے تو ایسی حالت میں بدعت کے مرتکب کو عذر نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر وہ ایسے علاقے میں بستا ہے جہاں علمائے حقہ کے نہ پائے جانے کے سبب بدعات کا زور اور سنت کمزور ہے یا اس میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ علم حاصل کر سکے تو تب اُسے جہالت کا عذر دیا جائے گا۔

شیخ سعید بن ناصر الغامدی حفظہ اللہ ایسے بدعتی کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جو اپنی جہالت دور کرنے پر قادر ہونے کے باوجود جہالت دور نہیں کرتا:

((ترك العلم وهو قادر عليه فهذا يسمى جاهل اذا الأصل في الجهل خلو النفس من العلم، وجهله هذا غير معذور به لكونه أعرض عن طلب العلم الواجب عليه، مع تمكنه منه وقدرته على نياله، فلا عذر له عند الله في الآخرة - أما حكمه الدنياوي، فبحسب بدعته، ان كانت مكفرة فهو كافر، وان كانت مفسقة فهو فاسق)) (حقيقة البدعة وأحكامها: ۲۲۵)

”علم پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے حاصل نہ کرنے والے کو جاہل کہا جاتا ہے کیونکہ جاہل اصل میں نفس کے علم سے خالی ہونے کو کہتے ہیں۔ یہ جہالت قابل عذر نہیں ہے، کیونکہ اس نے واجب علم سے اعراض کیا جب کہ وہ اس کے سیکھنے پر قدرت رکھتا تھا، ایسے آدمی کے لیے آخرت میں کوئی عذر نہیں، جہاں تک دنیوی حکم کا تعلق ہے تو وہ اس کی بدعت کے مطابق ہوگا اگر اس کی بدعت منکرہ ہے تو وہ کافر اور اگر مفسقہ ہے تو فاسق ہے۔“

یہی معاملہ مقلد کا ہے اگر اس کے لیے حق کا جاننا ممکن ہو اور اس تک دعوت پہنچ چکی ہو اس کے باوجود اگر وہ علم حاصل نہیں کرتا، تب وہ مجرم ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ مقلدین پر حکم لگانے کے بارے میں فرماتے ہیں:

(نعم لا بد في هذا المقام من تفصيل به يزول الإشكال، وهو الفرق بين مقلد تمكن من العلم ومعرفة الحق فأعرض عنه، ومقلد لم يتمكن من ذلك بوجه والقسمان واقعان في الوجود، فالمتمكن المعرض مفرط تارك للواجب لا عذر له عند الله۔۔) (طريق الهجرة: ۱/۳۱۲)

”اس بارے میں تفصیل میں جانا ضروری ہے اسی سے اشکال ختم ہوگا۔ تفصیل یہ ہے کہ وہ مقلد جو علم حاصل کرتا ہے اور حق کو جان کر اس سے اعراض کرتا ہے اور وہ جو علم اور حق کو نہیں جان پاتا، میں فرق ہے۔ حق جان کر واجب کو ترک کرنے والا زیادتی کا مرتکب ہے اور اس

کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عذر نہیں ہے۔“

3۔ تاویل:

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا ایک دستہ مشرکوں کی طرف بھیجا۔ ان کا باہم مقابلہ ہوا۔ ایک مشرک جب کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا، موقع پا کر اسے قتل کر دیتا۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اسے مارنے کے لئے تلوار اٹھائی تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا۔ لیکن انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ کے سامنے اسامہ رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان ہوا۔ آپ نے انہیں بلایا اور پوچھا تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے مسلمانوں کو بڑی تکلیف دی۔ اس نے فلاں اور فلاں کو شہید کیا (یہ صورت حال دیکھ کر) میں نے اس شخص پر حملہ کیا جب اس نے تلوار دیکھی تو اس نے (جان بچانے کے لئے) لا الہ الا اللہ پڑھ دیا۔ آپ نے پوچھا پھر کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟ انہوں نے کہا ہاں اس نے ہتھیار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیرا تھا کہ تمہیں علم ہو گیا کہ اس نے کلمہ دل سے نہیں کہا تھا۔ جب قیامت کے دن وہ لا الہ الا اللہ لائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے آپ نے پھر فرمایا جب قیامت کے دن وہ کلمہ لا الہ الا اللہ لائے گا تم کیا کرو گے؟ آپ یہی کلمہ دہراتے رہے یہاں تک کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آرزو کی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (بخاری: ۳۲۶۹۔ مسلم: ۹۶)

رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہنے کے باوجود کہ تو نے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کیوں کیا، قصاص میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی ان سے دیت وصول کی۔ گویا تاویل کی بنا پر اسامہ رضی اللہ عنہ ان سزاؤں سے بچ گئے۔

تاویل کے سبب کفر یا بدعت میں واقع ہونے والے

ان سب کا بھی ایک حکم نہیں ہے۔ تاویل کرتے ہوئے بدعت میں واقع ہونے والے شخص پر حکم لگانے کا دار و مدار دو باتوں پر ہے۔

۱۔ اوویل کی نوعیت

تاویل ساخت :- امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

((قال العلماء: كل متأول معذور بتأويله ليس بأثم اذا كان تأويله سائغاً في

لسان العرب، وكان له وجه في العلم)) (فتح الباري: ۲/۳۰۴)

”علماء فرماتے ہیں: ہر اس تاویل کرنے والے کو عذر دیا جائے گا اور گنہگار نہیں گردانا جائے

گا جس کی تاویل کی عربی زبان اور علم (شرعی) میں گنجائش پائی جاتی ہو۔“

امام ابن العزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

(والقول قد يكون مخالفاً للنص، وقائله معذور، فان المخالفة بتأويل لم

يسلم منها أحد من أهل العلم، وذلك التأويل إن كان فاسداً فصاحبه

مغفور له لحصوله عن اجتهاده..... فمخالفة النص ان كانت عن قصد

فهو كافر، وان كانت عن اجتهاد فهي من الخطأ المغفور.....)

”بسا اوقات قول نص کے مخالف ہوتا ہے اور اس کا قائل معذور ہوتا ہے۔ کیونکہ تاویل

کرتے ہوئے نص کی مخالفت میں واقع ہونے سے اہل علم میں سے کوئی نہیں بچ پایا۔ تاویل

فاسد ہونے کے باوجود تاویل کرنے والے کے بارے میں امید ہے کہ اللہ بخش دے گا“

کیونکہ یہ تاویل اس کے اجتہاد کا نتیجہ ہوتی ہے..... پس نص کی مخالفت اگر ارادۃ اور قصداً

کی جائے تو یہ کفر ہے اور اگر یہ اجتہاد کے سبب ہو، تو یہ خطا قابل معافی ہے۔“ (الاتباع: ۲۹)

تاویل غیر ساخت :

وہ تاویل جس کا عربی زبان اور شرعی علم میں اعتبار نہ کیا جاتا ہو۔ اس قسم کی تاویل

کرنے والوں کو عذر نہیں دیا جائے گا۔ بشرطیکہ جب یہ تاویل دین کے اُن بنیادی امور میں

کی جائے، جو لوگوں کے مابین معروف ہوتے ہیں جیسے اسماعیلیوں، درویشوں، نصیریوں اور ملاحدہ کی تاویلات۔

امام ابن الوزیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(و كذلك لا خلاف في كفر من جحد ذلك المعلوم بالضرورة للجميع، وتستبر باسم التأويل فيما لا يمكن تأويله)
”اسی طرح اس کے کفر میں بھی کوئی اختلاف نہیں جو تاویل کے نام پر، معلوم بالضرورة امور کا انکار کرتا ہے۔“ (ایثار الحق علی الخلق: ۴۱۵)

۲۔ تاویل کرنے والے کی شخصیت:

اگر ان امور ظاہرہ کے علاوہ کسی ایسے امر میں بدعت میں واقع ہوتا ہے، جو ہو تو کفریہ، مگر اس کا کفریہ ہونا لوگوں میں معروف نہیں، یعنی مسائل خفیہ سے تعلق ہو تو ایسے بدعتی کی شخصیت کو دیکھا جائے گا۔ اگر تو وہ دین سے اعراض اور عناد و دشمنی کے سبب بدعت کا ارتکاب کر رہا ہے تب اس پر اس کی گمراہی کے بقدر حکم لگایا جائے گا اور اگر وہ کوئی نیک شخص ہے اور غلطی لگنے کی بنا پر اس بدعت میں واقع ہوا ہے تو پھر اُسے عذر دیا جائے گا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ (حقیقۃ البدعة احکامہا الشیخ سعید بن ناصر الغامدی 280/2)

4۔ اکراہ:

اگر کوئی شخص کفر کا اظہار کرنے پر مجبور کر دیا جائے تو اُس کے لیے جائز ہے کہ وہ زبان سے مشرکوں کی موافقت کرے بشرطیکہ اس کے دل میں ایمان کا نور ہو اور دل ایمان و یقین سے مطمئن ہو تو ایسا شخص بھی کافر نہیں ہوگا۔

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (النحل: ۱۰۶)

”جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا الا یہ کہ وہ مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل

ایمان پر مطمئن ہو (تو یہ معاف ہے) مگر جس نے برضا و رغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انہی لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہیں مشرکوں نے ایذائیں دیں تو مجبوراً آپ نے اپنی زبان سے ان کی ہاں میں ہاں ملا دی، مشرکوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنا قصہ بیان کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر)

5۔ خطا اور نسیان:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے خطا، بھول چوک اور وہ کام جس کے لیے انہیں مجبور کر دیا جائے معاف کر دیا ہے۔ (ابن ماجہ ۲۰۴۳)

تکفیر معین:

تکفیر معین میں جلد بازی نہ کرنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ سلف کے ہاں سرے سے تکفیر معین نہیں ہے اور یہ کہ ہمارے سلف نے متعین اشخاص کی تکفیر ہی نہیں کی۔ اہلسنت کا باقاعدہ اصول ہے کہ وہ شروط پوری ہونے اور موانع دور ہونے کے بعد تکفیر معین کرتے ہیں تاکہ اہل اسلام کو فتنوں سے بچایا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو آگ میں جلادیا اور محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن الخفیری نے اپنے والد (شیخ الخفیری جو احناف کے بڑے ائمہ میں سے ہیں) سے روایت کی ہے کہ شہر بخارا کے فقہاء ابن سینا کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ کافر تھا مگر بلا کا ذہین تھا۔ اس پر محمد بن عبدالوہاب یہ اضافہ کرتے ہیں کہ بخارا کے تمام فقہاء نے متعین طور پر ابن سینا کی تکفیر کی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے دین میں متعین طور پر تکفیر کرنا روا ہے۔ (مفید المستفید)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حق کو باطل بنا کر پیش کیا جاتا رہے جس سے مسلمان گمراہ ہو سکے تو علماء حق کا خاموش رہنا جرم بن جاتا ہے اسلام میں اس مدہانت کی کوئی گنجائش نہیں موجودہ دور میں بھی علماء کرام نے اور خصوصاً سعودیہ عرب کے دارالافتاء

الجنة الدائمة نے قادیانیوں کی مجموعی طور پر اور مرزا غلام احمد کی متعین طور پر تکفیر کی۔
علامہ ابن باز رحمہ اللہ اور اللجنة الدائمة کے دیگر علماء کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:
سوال: کیا علماء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی انسان کو کافر کہہ دیں اور اس پر کفر کا الزام لگا دیں؟

جواب: ”کسی کی تعیین کئے بغیر (کسی کفریہ حرکت کی بنا پر) کافر قرار دینا شرعاً درست ہے۔ مثلاً یہ کہنا ”جس مصیبت کا ٹالنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اگر کوئی شخص اس مصیبت کو ٹالنے کے لئے غیر اللہ سے فریاد کرے تو وہ کافر ہے۔“ مثلاً کوئی شخص کسی نبی یا ولی سے یہ درخواست کرے کہ وہ اسے یا اس کے بیٹے کو شفا دے دے۔

کسی معین شخص کو اس صورت میں کافر کہا جاسکتا ہے جب وہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کا جزو دین ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہو۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ یا روزہ وغیرہ۔ جو شخص اس کا علم ہونے کے بعد بھی انکار کرتا ہے اسے کافر کہنا واجب ہے۔ لیکن اسے نصیحت کرنی چاہیے اگر توبہ کر لے تو بہتر ہے ورنہ اسلامی حکمران اسے سزائے موت دیں۔ اگر کفریہ اعمال کے ارتکاب کے بعد بھی کسی خاص شخص کو کافر کہنا درست نہ سمجھا جائے تو پھر کسی مرتد پر بھی حد نافذ نہیں ہو سکتی۔ (فتاویٰ دارالافتاء سعودی عرب: فتویٰ نمبر: ۶۱۰۹، جلد دوم، ص: ۹۷)

غیر مکفرہ بدعات

حافظ الحکمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایسی بدعات جن سے کتاب اللہ کی تکذیب لازم نہ آتی ہو اور نہ ہی اللہ کے رسولوں کے لائے ہوئے دین کی تکذیب لازم آتی ہو، غیر مکفرہ بدعات کہلاتی ہیں۔ مثلاً: مروان بن حکم کی بدعات۔ جسے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برا بھلا کہا اور اُسے ان بدعات سے روکا اور ان کا رد کیا لیکن ان بدعات کے پائے جانے کے باوجود انہوں نے مروان کی بیعت سے ہاتھ نہ کھینچا۔ اُس کی بدعات میں سے کچھ ملاحظہ فرمائیں: کچھ نمازوں میں تاخیر کر کے آخر وقت میں نماز ادا کرنا، نماز عید سے قبل خطبہ عید دینا اور جمعہ وغیرہ کا خطبہ بیٹھ کر دینا۔“ (معارج القبول ۲/ ۵۰۳-۵۰۴)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عید گاہ میں منبر کا اہتمام مروان بن حکم کے عہد میں کیا گیا۔ (بخاری: ۹۵۶، مسلم: ۸۸۹)۔ ایک شخص نے مروان کے اس فعل پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: ”تم نے عید کے روز منبر لاکر سنت کی مخالفت کی کیونکہ اس روز اسے نہیں لایا جاتا تھا، اور تم نے خطبہ کو نماز سے پہلے پڑھ کر (سنت کی مخالفت کی)“ (ابوداؤد: ۱۱۴۰-۱۱۴۱، ابن ماجہ: ۱۲۷۵)۔

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمن بن ام الحکم بیٹھے ہوئے خطبہ دے رہے تھے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس خبیث کی طرف دیکھو، بیٹھے ہوئے خطبہ دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْواً انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۖ﴾ (الجمعة: ۱۱)

”اور جب یہ لوگ کوئی سودا بکلتا دیکھتے ہیں یا کوئی تماشا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ اٹھتے ہیں اور آپ کو (خطبے میں) کھڑا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔“ (مسلم: ۸۶۳)۔

صحابی رسول نے آیت سے خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر دینے پر استدلال کیا۔

سیدنا عمارہ بن رویہ رضی اللہ عنہ نے بشیر بن مروان کو جمعہ کے دن منبر پر دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کو ہلاک کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں صرف ایک ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ (مسلم: ۸۷۴)

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ بدعت غیر مکرہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بعض بدعتیں وسائل شرک ہیں جیسے قبروں پر عمارتیں تعمیر کرنا اور وہاں نمازیں پڑھنا اور اللہ سے دعائیں مانگنا۔ بعض بدعتیں فسق اعتقادی ہیں جیسے خوارج، قدریہ (جو علم الہی کا اقرار کرتے ہوں) اور مرجئہ کے اقوال اور شرعی دلیلوں کے مخالف ان کے اعتقادات۔ اور بعض بدعتیں معصیت و نافرمانی کی ہیں جیسے شادی بیاہ سے کنارہ کشی اور دھوپ میں کھڑے ہو کر روزہ رکھنے کی بدعت اور شہوت جماع ختم کرنے کی غرض سے خصی ہونے کی بدعت۔“ (بدعت، تعریف، اقسام اور احکام: 7، 8)

فتویٰ کمیٹی اللجنة الدائمة سعودی عرب بدعت مکرہ اور غیر مکرہ کی وضاحت میں لکھتی ہے:

سوال: اس بدعتی کا کیا حکم ہے جو اپنی بدعت پر باقاعدگی سے عمل کرتا ہے، مثلاً فوت ہونے والے پر دفن سے پہلے اور بعد میں قرآن پڑھنا، جنازہ میں آنے والوں کے لیے بکری ذبح کرنا، توسل قادر یہ پڑھانا جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ (وسهل مرادنا بجاء احمد) ”اے اللہ! بجاء احمد ہماری مراد آسان فرما۔“ اپنے حلقہ میں خوشبو لگانا، میت کو قبرستان جاتے ہوئے لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے قبرستان جانا اور قبر کے پاس ٹھہر کر میت کو تلقین کرنا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ لوگ کافر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس کی مخالفت کرتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ گناہ گار مسلمان ہیں۔

جواب: الحمد للہ وحده والصلوة والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ

وبعد: تمام بدعتیں ایک جیسی بری نہیں۔ بعض تو (اتنی بری ہیں کہ) کفر بن جاتی ہیں، بعض گناہ تو ہیں کفر نہیں۔ چنانچہ دفن سے پہلے یا بعد میں میت پر قرآن پڑھنا، جنازہ میں شریک ہونے والوں کے کھانے کے لیے بکری وغیرہ ذبح کرنا، میت کو قبرستان لے جاتے ہوئے لا الہ الا اللہ پڑھتے جانا، قبر کے پاس رک کر میت کو تلقین کرنا، اجتماعی ذکر کا حلقہ قائم کرنا اور اس میں خوشبو ملگانا یہ سب بدعتیں ہیں جو لوگوں نے خود بنائی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعمال قولی، عملی یا تقریری طور پر ثابت نہیں۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں۔ یہ سب گناہ ہیں جن پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہو جاتے ہیں، لیکن کفر نہیں۔ مگر جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ یہ بدعت ہے، پھر اس پر اصرار کرے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابلے میں خود ساختہ شریعت رائج کر کے عوام کو دھوکہ دے اور سیدھی راہ سے گمراہ کرنا چاہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ایسی شریعت بنانا چاہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کو جائز سمجھا ہے۔ باقی فوت شدہ افراد مثلاً عبدالقادر جیلانی، احمد راجی وغیرہ کو پکارنا اور ان سے کسی نفع کے حصول یا نقصان سے بچنے کے لیے یا مصیبت ٹالنے کے لیے فریاد کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک بھی ہے اور کفر بھی۔ وہ اہل جاہلیت جن کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت دی تھی اور جن میں سے اپنے شرک پر اڑے رہنے والوں سے جنگ کی تھی، ان کا شرک و کفر بھی اسی قسم کا تھا..... بسا اوقات ایک بدعت شرک کا قریبی ذریعہ ہوتی ہے جیسے کسی صوفی کا یہ قول ”احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ کے طفیل ہماری مشکل آسان کر دے۔“ یا اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے قبر کا طواف کرنا۔ اسی طرح اولیاء کی قبروں کی زیارت کیلئے اہتمام سے سفر کر کے جانا بھی شرک کا باعث بن سکتا ہے۔ یاد رہے اگر طواف کرنے والے کی نیت مدفون ولی کا قرب حاصل کرنا ہو تو وہ شرک اکبر بن جائے گا۔ وبالله التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ (اللجنة الدائمة، فتاویٰ دار الافتاء سعودی عرب، جلد 2: ص 288)

بدعت غیر مکفرہ کا مرتکب اسلام سے خارج نہیں ہوتا البتہ وہ اہل سنت سے

خارج ہوتا ہے۔

امت کے تہتر فرقے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کہ میری امت ۳۷ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سوائے ایک جماعت کے سب دوزخ میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کونسا گروہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ما انا علیہ واصحابی۔“ یہ وہ جماعت ہوگی جو اس راستے پر چلے گی جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں“ (ترمذی: ۲۵۶۵)

سلف صالحین نے ۷۲ فرقوں سے وہ گروہ مراد لیے ہیں جو ایسی بدعات کا ارتکاب کرنے والے ہیں جو آدمی کو گمراہ کرتی ہیں کافر نہیں بناتی۔ اس حدیث میں جن گمراہ گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ کفر اکبر اور شرک اکبر کا ارتکاب کرنے والے نہیں ہیں کیونکہ ایسے لوگ تو دائرہ اسلام ہی سے خارج ہیں جبکہ اس حدیث میں ان لوگوں کا بیان ہے جو امت یعنی دائرہ اسلام میں داخل ہیں، کافر نہیں۔

۷۲ گروہوں کے دائرہ اسلام سے خارج اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دینا غلط ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن قال إن الثنتين وسبعين فرقة كل واحد منهم كفر أو ينقل عن الملة فقد خالف الكتاب والسنة واجماع الأئمة الاربعة وغير الاربعة، فليس فيهم من كفر كل واحد من الثنتين وسبعين فرقة“ (مجموع الفتاوى: جلد ۷ ص ۲۱۸)

”جس شخص نے یہ کہا کہ ۷۲ گروہوں میں سے ہر ایک کافر ہے اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے تو اس نے کتاب و سنت اور اجماع ائمہ کی مخالفت کی، ان میں سے کوئی بھی ۷۲ گروہوں میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتا تھا۔“

فتویٰ کمیٹی ”الجبۃ الدائمہ“ سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے

بارے میں فرمایا: اكلهم في النار الا واحدا۔ ”سب فرقے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔“ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ کیا بہتر فرقے سب کے سب مشرکوں کی طرح دائمی جہنمی ہیں یا نہیں؟ تو اللجنة الدائمة نے یہ فتویٰ دیا:

”اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے۔ وہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان میں سے 72 فرقے راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور ایسی بدعتوں کے مرتکب ہیں جو اسلام سے خارج نہیں کرتیں۔ ان کو ان کی بدعتوں اور گمراہیوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ اللہ چاہے تو کسی شخص کو معاف بھی کر سکتا ہے اور اس کی مغفرت (بغیر عذاب کے) ہو سکتی ہے۔ اور اس کا انجام جنت ہے۔ ایک نجات یافتہ جماعت ہے اور وہ اہل سنت والجماعت ہے۔ اہل سنت وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہیں اور اس طریقہ پر قائم رہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے۔ انہی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قائم اور غالب رہے گی، جو ان کی مخالفت کرے گا یا ان کی بددینیوں کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آجائے۔“ (بخاری: ۳۶۳۹، مسلم: ۱۹۲۱) لیکن جس کی بدعت اس قسم کی ہو کہ اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج ہو جائے تو وہ امت دعوت میں داخل ہے امت اجابت میں شامل نہیں۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔“

(فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء: فتویٰ نمبر: ۴۳۶۰)

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر ناصر بن عبدالکریم العقیل حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”ان گمراہ فرقوں میں بعض ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو ملت اسلامیہ سے خارج ہونے کے سبب ان ۷۲ گروہوں سے بھی خارج ہوتے ہیں۔ اُن کا شمار مسلمانوں میں نہیں ہوتا جیسے غالی جہمیہ، غالی رافضیہ، باطنیہ، خالص فلاسفہ، اہل حلول و اتحاد، وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والے اور اہل بدعت میں سے وہ مشرکین جو شرک اکبر میں واقع ہوتے ہیں..... پھر یہ حوالہ نقل کرتے ہیں:

((قال حفص بن حمید: ((قلت لعبدالله بن المبارك: علی کم افترقت هذه الامة؟ فقال: الاصل أربع فرق: هم الشيعة، والحرورية، والقدرية، والمرجئة، فافترقت الشيعة على اثنتين وعشرين فرقة وافترقت الحرورية على احدى وعشرين فرقة، وافترقت القدرية على ست عشرة فرقة، وافترقت المرجئة على ثلاث عشرة فرقة۔ قال: قلت: يا أبا عبد الرحمن لم أسمعك تذكر الجهمية، قال: انما سألتني عن فرق المسلمين)) (الابانة لابن بطة: ۱/۳۷۹)

حفص بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا: یہ امت کتنے فرقوں میں تقسیم ہوئی؟ آپ نے فرمایا: ان فرقوں کی اصل چار ہیں: شیعہ، خوارج، قدریہ اور مرجئہ۔ پھر شیعہ ۲۲ فرقوں میں بٹے، خوارج ۲۱ گروہوں میں، قدریہ ۱۶ گروہوں میں اور مرجئہ ۱۳ گروہوں میں۔ حفص بن حمید کہتے ہیں میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن میں نے آپ سے جہمیہ کا تذکرہ نہیں سنا؟ آپ نے جواب دیا: تو نے مجھ سے مسلمانوں کے گروہوں کے بارے میں سوال کیا ہے (یعنی جہمیہ کافر ہیں مسلمان نہیں)

(دراسات في الاھواء والفرق والبدع وموقف السلف منها: ۹۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ جہمیہ کفار ہیں اور وہ ان گمراہ ۷۲ فرقوں میں شامل نہیں ہیں جن کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح سے منافقین جو کہ اسلام ظاہر کرتے ہیں اور کفر چھپاتے ہیں وہ بھی ان ۷۲ فرقوں میں داخل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ توحید پر ہیں۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ: جلد ۳ ص ۳۵۱)

غیر مکفرہ بدعت کے حاملین کے ساتھ

اہل سنت والجماعت کا رویہ و سلوک

بعض وجوہ کی بنا پر محبت کی جائے گی اور بعض کی بنا پر نفرت:

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”ان کے بارے میں محبت اور دشمنی دونوں پائی جائے گی، اور وہ گنہگار مسلمانوں کی جماعت ہے، لہذا ان کے ایمان کی وجہ سے ان سے محبت کی جائے اور ان کے اندر جو کفر و شرک سے کمتر بدعات یا کبیرہ گناہ ہیں ان کی وجہ سے نفرت بھی کی جائے گی۔ ان کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو نصیحت کی جائے اور ان کے برے اعمال پر نکیر کی جائے، ان کے گناہوں پر خاموشی جائز نہیں ہے، بلکہ ان پر نکیر کی جائے گی، انہیں معروف کا حکم دیا جائے گا، منکر سے روکا جائے گا، اور ان پر اسلامی حدود و تعزیرات نافذ کی جائیں گی، حتیٰ کہ وہ معصیت کے کاموں سے باز آجائیں اور گناہوں سے توبہ کر لیں۔ ان سے نہ تو پختہ بغض و کید رکھا جائے گا اور نہ ان سے برات ظاہر کی جائے گی جیسا کہ شرک سے کمتر کبیرہ گناہ کے مرتکب کے بارے میں خوارج کا خیال ہے، اور نہ ہی ان سے خالص محبت اور دوستی رکھی جائے گی جیسا کہ مرجعہ کا خیال ہے، بلکہ ان کے بارے میں مذکورہ تفصیل کے مطابق معتدل موقف اپنایا جائے گا جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

(دوستی اور دشمنی کا معیار اسلام کی نظر میں)

اہل سنت کے ہاں ایک ہی شخص میں سنت اور بدعت، نیکی اور فسق، خیر اور شر یک وقت جمع ہو سکتے ہیں ایسے شخص کے خیر کی وجہ سے وہ دوستی اور موالات کا مستحق ہوگا اور اپنی بدعت اور شر کی بنا پر قابل مذمت اور خصامت کا مستحق ہوگا۔ یعنی کوئی شخص یا گروہ کسی ایک پہلو سے محبت اور دوستی کا مستحق اور دوسرے پہلو سے دشمنی اور مذمت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

بناءً پر ظہور ہوئیں۔ مقصد ان کا قرآن سے تعارض نہ تھا بلکہ انہوں نے اس سے وہ مطلب لیا جو اصل میں نکلتا تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ قرآن مجید سے گناہ کے مرتکب افراد کی تکفیر ثابت ہوتی ہے کیونکہ مومن تو (بقول قرآن) نیکوکار، پرہیزگار و پارسا ہوتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے یہ مطلب نکال لیا کہ جو شخص نیکوکار اور پارسا نہیں ہے تو وہ کافر ہے اور مستقل جہنمی ہے۔ پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ عثمان و علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ کے سبھی لوگ مومن نہیں ہیں، کیونکہ انہوں نے شریعت کے برخلاف حکم و فیصلہ کیا ہے، ان لوگوں کی بدعت دو مقدمات پر مبنی تھی: ایک یہ کہ جس نے بھی قرآن کی خلاف ورزی کی، چاہے وہ عمل میں ہو یا رائے میں کافر ہے، اور دوسرا یہ کہ سیدنا عثمان، سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ کے لوگ ایسا ارتکاب کر چکے ہیں۔ [مجموع الفتاویٰ ج ۱۳ ص ۲۰]

غیر کفریہ بدعت کے مرتکب اہل بدعت کی تکفیر کرنے کو امام ابن تیمیہ نے بدعت کہا۔
 ”بدعات منکرہ میں ایک بدعت مسلمانوں کے گروہوں کی تکفیر کرنا ہے اور ان کے خون و مال کو حلال قرار دینا ہے۔ جیسے (بدعتی کے مال کے بارے میں) یہ کہا جاتا ہے: یہ تو بدعتی کی کھیتی ہے (یعنی اس کا مال لوٹنے کا گناہ نہیں) اور اس قسم کی دوسری باتیں.....“

(مجموع الفتاویٰ جلد ۷ ص ۶۸۲)

اہل بدعت کے ساتھ عدل و انصاف کرنا

دین اسلام کا مقصد تمام لوگوں کو حق اور عدل پر قائم کرنا ہے۔ ارشادِ باری ہے:
 ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد: ۲۵)
 ”بلاشبہ ہم نے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

اس لیے اس زمین پر مسلمان ہی سب سے زیادہ عدل کرنے والے ہیں اور مسلمانوں میں اہلسنت سب گروہوں سے بڑھ کر عادل ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی اتباع میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ عدل کرنا اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (الانعام: ۱۵۲)

”اور جب تم بات کہو تو انصاف سے کہو چاہے وہ رشتہ دار ہی (کے خلاف) ہو۔“

عدل کی اس قدر اہمیت ہے کہ مسلمان کو اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھی عدل سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ (النساء: ۱۳۵)

”اے ایمان والو! اللہ کی خاطر انصاف پر رہتے ہوئے گواہی دیا کرو خواہ وہ گواہی تمہارے اپنے یا تمہارے والدین یا قریبی عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔“

پھر اپنی جماعت اور گروہ کے حق میں کسی پر ظلم کرنا اور عدل سے تجاوز کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

ابو حمید سعدی رحمہ اللہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقیناً اس امت میں اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جو پورا حق دینے والے اور حوصلہ افزائی کرنے والے ہیں۔ (السلسلة الصحيحة ۲۸۴۸)

ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۖ اِعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المائدة: ۸)

”اے ایمان والو! اللہ کی خاطر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشغول نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو، عدل کیا کرو یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس

سے خوب باخبر ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(فنهى أن يحمل المؤمنین بغضهم للكفار علی ألا يعدلوا، فكيف اذا كان
البغض لفاسق أو مبتدع متأول من أهل الايمان؟ فهو أولى أن يجب علیه
ألا يحمله ذلك ألا يعدل علی مؤمن وان كان ظالمًا له)

”اس آیت کریمہ میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ مؤمنین کو کفار سے بغض نہیں بدل سے
نہ پھیر دے۔ (جب کافروں کے بارے میں یہ تعلیم ہے کہ ان کے ساتھ ظلم میں کرنا) تو
پھر اہل ایمان میں سے فاسق و فاجر اور اُس بدعتی سے بغض (کی وجہ سے ان پر ظلم کرنا) کس
قدر برا ہوگا جو تاویل کرنے والا ہے۔ یقیناً یہ کافر سے کہیں زیادہ اس بات کے مستحق ہیں کہ
مؤمن ان کے حق میں ظلم کا ارتکاب نہ کریں چاہے یہ خود مؤمنین پر ظلم کرنے والے ہی کیوں
نہ ہوں۔“ (الاستقامہ: 38/1)

مزید فرماتے ہیں:

(ولما كان أتباع الأنبياء هم أهل العلم والعدل كان كلام أهل الاسلام
والسنة مع الكفار وأهل البدع بالعلم والعدل لا بالظن وماتهوى الأنفس
ولهذا قال النبي ﷺ: ((القضاة ثلاثة: قاضيان في النار وقاض في الجنة،
رجل علم الحق وقضى به فهو في الجنة، ورجل علم الحق وقضى بخلافه
فهو في النار)) فإذا كان من يقضي بين الناس في الأموال والدماء و
الأعراض اذا لم يكن عالماً عادلاً كان في النار، فكيف بمن يحكم في الملل و
الأديان وأصول الايمان والمعارف الالهية والمعاليم العلية بلا علم ولا عدل
؟) (مجموع الفتاوى، ج ۳ ص ۴۲۳)

”جب انبیاء علیہم السلام کے پیروکار علم و عدل والے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ کفار اور اہل بدعت
کے ساتھ علم و عدل کے ساتھ بات کی جائے نہ کہ ظن اور نفس کی پیروی کرتے ہوئے۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ جنتی تو وہ ہے جو حق کو معلوم کرے پھر اس کے مطابق فیصلہ صادر کرے۔ دوسرا وہ شخص جو حق کو پہچان کر بھی اس سے انحراف کرتا ہے، ایسا شخص جہنمی ہے اور تیسرا وہ شخص جو جہالت کے باوجود فیصلہ صادر کرتا ہے وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔“ (ابوداؤد: ۳۵۷۳۔ ابن ماجہ) جب لوگوں کے مابین علم و عدل کے بغیر ان کے خون، مال اور عزتوں کے بارے میں فیصلے کرنے والا شخص آگ کا مستحق ہے تو پھر اس کے جرم کا کیا حال ہوگا جو ملتوں، ادیان اور ایمان، معارف الالہیہ اور معالم العلیہ کے بارے میں بلا علم و عدل فیصلے کرتا ہے؟“

فیصلہ الشیخ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عہد نبوی میں تو چونکہ صرف مومن اور کفار و مشرکین اور منافقین ہی تھے، اس لیے اس مسئلہ (یعنی بدعت کے ساتھ ولاء اور براء) کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں تھی۔ جبکہ بعد میں مسلمانوں کے اندر متعدد بدعتی فرقے معرض وجود میں آ گئے، جس کی وجہ سے یہ مسئلہ خاص اہمیت اختیار کر گیا اور اس کی تطبیق بھی کافی مشکل ہو گئی۔ بالخصوص عصر حاضر میں ولاء اور براء کے حدود اطلاق اور عملاً تطبیق میں خاصی افراط و تفریط کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ ایک طرف کچھ لوگوں نے اس میں کافی شدت اختیار کر رکھی ہے، اور وہ معمولی فقہی اختلاف کو بنیاد بنا کر براء کا اظہار کرنے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہیں اور اپنے مسلک سے فقہی اختلاف رکھنے والے شخص کو اس کی کوئی نہ کوئی غلطی تلاش کر کے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کر کے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کو منع قرار دیتے ہیں جو سلف امت کے طرز عمل کے سراسر منافی ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگوں کی وسعت ظرفی کا دائرہ شرعی حدود و قیود سے تجاوز کر گیا ہے، وہ کلمہ گو مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے لیے اہل ایمان کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں اور بین المذاہب مکالمے کی آڑ میں کفار و مشرکین اور اعداء اسلام کے لیے ولاء کا راستہ ہموار کرنے میں شعوری یا لاشعوری طور پر مصروف ہیں، اس

طرح مخصوص اغراض یا قلت ادراک کی وجہ سے وحدت ادیان کا لحذا نہ فیفہ نشر کیا جا رہا ہے، جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے خلاف بین الاقوامی یہودی سازش کا حصہ ہے، اور جدید افلاطونیت اور مغرب کی ”روشن خیالی“ کو مسلمانوں میں قابل قبول بنانے کی سعی نامشکور ہے۔“ (مقالات تربیت ص ۱۷۴، ۱۷۵)

بدعات میں واقع ہونے والے علماء کے محاسن کا تذکرہ اور اعتراف

﴿وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (البقرة: ۲۳۷)

”اور اگر تم درگزر کرو تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے، باہمی معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو اور جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

(۱) امام ابو امامہ مالک رضی اللہ عنہ ابو ذر ہروی کے بارے میں کہتے ہیں:
”اللہ ابو ذر ہروی پر لعنت کرے اسی نے سرزمین حرم میں سب سے پہلے علم کلام کو متعارف کروایا تھا.....“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان کلمات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
(ابو ذر فیہ من العلم والدين والمعرفة بالحديث والسنة، وانتصابه لرواية البخاري عن شيوخه الثلاثة، وغير ذلك من المحاسن والفضائل ما هو معروف به)

”ابو ذر میں علم اور دین پایا جاتا تھا اور وہ حدیث اور سنت کی معرفت بھی رکھتا تھا اور ابو ذر کی بخاری والی روایت کا انحصار شیوخ ثلاثہ پر ہے اور اس کے علاوہ محاسن و فضائل ہیں جن کے ساتھ وہ معروف ہیں۔“

آپ ابو ذر اور ان جیسے دیگر ائمہ متکلمین جیسے ابو ولید الباجی اور ابو جعفر السمانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”ثم انه ما من هؤلاء الا من له في الاسلام مساع مشكورة، وحسنات

مبرورہ، ولہ فی الرد علی کثیر من اہل الالحاد والبدع، والانتصار لکثیر من اہل السنۃ والدین ما لا یخفی علی من عرف احوالہم، وتکلم فیہم بعلم وصدق وعدل وانصاف، لکن لما التبس علیہم هذا الأصل المأخوذ ابتداء عن المعتزلۃ وہم فضلاء عقلاء احتاجوا الی طردہ او التزام لوازمہ، فلزمہم بسبب ذلك ما أنکرہ المسلمون من اہل العلم والدين، وصار الناس بسبب ذلك منهم من یعظمہم لما لہم من المحاسن والفضائل، ومنہم من یذمہم لما وقع فی کلامہم من البدع والباطل، وخیار أمور اوسطہا“ (درء تعارض العقل والنقل: 101، 102/2)

”ان میں سے ہر ایک کی اسلام کی خاطر ایسی کاوشیں ہیں کہ جن پر ان کا شکریہ ادا کیا جانا چاہیے اور ان کی حسنات مبرورہ ہیں، انہوں نے اہل الحاد اور بدعت پر بے حد رد کیا اور اہل سنت اور دین کی مدد کی۔ یہ حقیقت اس بندہ پر مخفی نہیں ہے جو ان کے حالات جانتا ہے اور ان کے بارے میں سچائی، عدل اور انصاف کے ساتھ گفتگو کرتا ہے۔ لیکن ان پر (صفات باری تعالیٰ کے باب میں) معاملہ غلط ملط ہوا تو انہوں نے غلطی کھائی جس کی وجہ معتزلہ تھے..... ان حضرات کی بابت لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے ایک ان کے محاسن اور فضائل کی وجہ سے ان کی تعظیم کرنے لگا اور دوسرا ان کے کلام میں پائی جانے والی بدعت اور باطل کے سبب ان کی مذمت کرنے لگا لیکن بہترین امور تو وہ ہیں جو وسط میں ہوں (یعنی درمیانی راہ ہی بہتر ہے)۔“

(ب) ابو بکر باقلانی کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا عدل ابو بکر باقلانی قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کے بارے میں ابو حامد سمرائینی کا یہ کلام نقل کرتے ہیں۔ وہ اپنے شاگرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یا بنی، قد بلغنی أنك تدخل علی هذا الرجل ۛ یعنی الباقلائی، فیاک

وایاہ، فانہ مبتدع یدعو الناس الی الضلالة، والافلا تحضر مجلسی۔
 ”اے بیٹے مجھے خبر ملی ہے کہ تو باقلانی کے پاس آتا جاتا ہے۔ تو اس سے بچ کر رہ۔ وہ بدعتی
 ہے اور لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (اگر تو اس کے پاس جانے سے نہیں رک
 سکتا) تو پھر میری مجلس میں نہ آیا کر۔“
 اسے ذکر کرنے کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهذا الذي نقلوه من انكار أبي حامد وغيره على القاضي أبي بكر الباقلائي
 هو بسبب هذا الأصل -- مع ما كان فيه من الفضائل العظيمة والمحاسن
 الكثيرة والرد على الزنادقة والملحدين وأهل البدع،
 ”ابو حامد اور دیگر اہل علم نے قاضی ابو بکر باقلانی پر جو رد کیا ہے اس کا سبب گمراہی کی یہ بنیاد
 ہے (جس کا ذکر کیا گیا ہے) اس (بدعت کے باوجود) باقلانی کے عظیم فضائل اور کثیر محاسن ہیں۔
 انہوں نے زنادقہ، ملحدین اور اہل بدعت پر رد کیا.....“ ((درء تعارض العقل والنقل: 100-92/2)
 چونکہ یہ بدعت ایسے مسئلہ میں تھی کہ جس میں اہل علم تاویل پر عذر دیتے ہیں اسی لیے
 اتنی بڑی بدعت کے پائے جانے کے باوجود انہیں عذر دیا گیا۔
اہل بدعت غیر مفکرہ سے احادیث صحیحہ لینا:

اہل بدعت کی روایت مقبول ہوتی ہے اگر وہ ثقہ و صدوق ہو۔ چند حوالے ملاحظہ
 فرمائیں:

امام بخاری رحمہ اللہ ایوب بن عائد سے روایت لائے ہیں جبکہ اس کے بارے میں
 امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ وہ ارجاء کے قائل تھے اور وہ صدوق (بہت سچے) تھے
 (الضعفاء ۲۴) جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ایوب بن عائد
 صدوق یعنی حسن الحدیث یا صحیح الحدیث تھے لہذا ارجاء کی وجہ سے ان کی روایت کو ضعیف
 قرار دینا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی غلط ہے

نری سے پیش آنا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَاجْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۵)

”اپنے پیروکار مومنوں سے نری سے پیش آؤ۔“

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ آپس میں عاجزی اختیار کرو۔ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔“ (مسلم: ۲۸۶۵)

خیر خواہی کرنا:

سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت کی۔ (بخاری: ۵۷، مسلم: ۵۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دین خیر خواہی کا نام ہے۔“ سوال کیا گیا ”کس کی؟“ فرمایا: ”اللہ کی اس کی کتاب کی اس کے رسول کی خلیفۃ المسلمین کی اور عام مسلمانوں کی۔“ (بخاری: ۵۵)

شفقت کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔“ (بخاری: ۱۳، مسلم: ۴۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔“ (بخاری: ۱۰، مسلم: ۴۰)

پریشانی کو دور کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر زیادتی کرتا ہے، نہ اسے (بے یار و مددگار چھوڑ کر) دشمن کے سپرد کرتا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری

کرنے میں لگا ہوا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے۔ جو کسی مسلمان سے کوئی پریشانی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی بڑی پریشانی دور فرمائے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔“ (بخاری: ۲۴۴۲-۲۵۸۰: مسلم)

حقیر نہ سمجھنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص کسی مومن سے دنیا کی کوئی سختی دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر سے آخرت کی سختیوں میں سے ایک سختی دور کرے گا۔ جو شخص مفلس کو (قرض کے لئے) مہلت دے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا عیب چھپائے گا۔ اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ جو شخص علم دین حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، جب لوگ اللہ کی کتاب پڑھنے پڑھانے کے لیے اللہ کے گھر میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اترتی ہے، جو ان کو ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔“ (مسلم: ۲۶۹۹)

سلام کہنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک ایمان نہیں لاؤ گے۔ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت نہیں کرو گے۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے اختیار کرو تو باہم محبت کرنے لگ جاؤ گے اور وہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔“ (مسلم: ۵۴)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا ”اسلام کی کوئی بات زیادہ بہتر ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم (بھوکے کو) کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو چاہے تم اسے جانتے ہو یا نہیں۔“ (بخاری: ۱۲، مسلم: ۳۹)

مسکرا کر ملنا:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کسی بھی نیکی کو ہرگز حقیر نہ جاننا اگرچہ تیرا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا ہی کیوں نہ ہو۔“ (مسلم: ۲۶۲۶)

پہلے صحابی نے فرمایا: ”اچھی گفتگو نیکی ہے۔“ (بخاری: ۲۷۰۷، مسلم: ۱۰۰۹)

ہوا کہ مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا اور اچھی گفتگو کرنا بھی نیکی ہے۔

مریض کی تیمارداری کرنا:

نبی اکرم ﷺ نے مریض کی تیمار پرسی کرنے، جنازے کے ساتھ چلنے، چھیننے والے کی چھینک کا جواب دینے (اگر وہ الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہنے)، قسم دینے والے کی قسم پوری کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے، کمزور کی مدد کرنے اور سلام کے پھیلانے اور عام کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری: ۱۲۳۵، ۱۲۳۹)

جنازے کے ساتھ جانا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا، بیمار کی مزاج پرسی کرنا جب وہ مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔“ (بخاری: ۱۲۳۰، مسلم: ۲۱۶۲)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وإذا قال المؤمن: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾، يتصدق كل من سبقه من قرون الأئمة بالآية، وإن كان قد أخطأ في تأويل

تَأْوَلَهُ فخالف السنة، أو اذنب ذنباً، فانه من اخوانه الذين سبقوه بالايمان، فيدخل في العموم، وان كان من الثنتين والسبعين فرقة، فانه ما من فرقة الا وفيها خلق كثير ليسوا كفاراً، بل مؤمنون فيهم ضلال وذنوب يستحقون به الوعيد، كما يستحقه عصاة المؤمنين - والنبي ﷺ لم يختر جهنم من الاسلام، بل جعلهم من أمته، ولم يقل: انهم يخلدون في النار - فهذا أصل عظيم ينبغي مراعاته - (منهاج السنة: ۲۴۱)

”جب ایک مومن یہ دعا کرتا ہے ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ ”کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے، معاف فرمادے۔“ تو اس سے اس کی مراد امت کے وہ تمام اہل ایمان ہوتے ہیں جو اس سے پہلے ایمان لائے اگرچہ ان میں سے کوئی تاویل میں خطا کر کے سنت کی مخالفت یا کوئی گناہ کر بیٹھا ہو تو وہ یقیناً اس آیت کے عموم میں داخل ہے اور ان وہ بھائیوں میں سے ہے جو اس سے پہلے ایمان لائے اگرچہ وہ ۷۲ فرقوں میں سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہر فرقے میں ایسے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں جو کافر نہیں ہیں بلکہ مومن ہیں اگرچہ ان میں گمراہی اور گناہ پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے وہ وعید کے مستحق ہوں، جس طرح گناہ گار اہل ایمان وعید کے مستحق ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام سے خارج نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی اصل ہے جس کا خیال رکھنا چاہیے۔“

سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی یعنی اللجنة الدائمة للافتاء والارشاد سے بدعتیوں کے جنازوں میں حاضری اور ان کے مردوں کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے یوں فتویٰ دیا۔

”وہ بدعتی جن کی بدعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک تک پہنچ جاتی ہے مثلاً جو مردوں، غائب انسانوں، جنوں، فرشتوں یا دیگر مخلوقات سے مدد مانگتے اور فریاد کرتے ہیں تو وہ کافر ہیں۔ ان کے مردوں کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان کے جنازوں میں حاضر ہونا جائز نہیں ہے اور وہ بدعتی جن کی بدعت شرک تک نہیں پہنچتی مثلاً جو میلاد اور معراج کی محفلیں منعقد کرتے ہیں تو یہ

لوگ گناہگار ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، ان کے جنازوں میں حاضری دی جائے گی، اور ان کے لیے مغفرت کی اسی طرح امید ہے جس طرح موحد گناہگاروں کے لیے امید ہے۔“ (فتاویٰ اسلامیہ جلد دوم ص ۵۵)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اگر کسی کے ایمان کے بارے میں شک کیا گیا ہو تب بھی اس کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وہ اسلام ظاہر کرنے والا ہو (یعنی اصلی کافر نہ ہو)۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھی جن میں نفاق پایا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نفاق کو نہیں جانتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ حَوْلِكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۚ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَىٰ
الْإِنْفَاقِ لَا يَعْلَمُهُمْ ۚ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ﴾ (التوبة: ۱۰۱)

”تمہارے ارد گرد بننے والے دیہاتیوں میں اور خود مدینے میں بھی کچھ منافق موجود ہیں جو اپنے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ انہیں تم نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔“ (مجموع الفتاویٰ: جلد ۲۴ ص ۲۸۷)

البتہ اگر کسی گناہ میں ملوث یا بدعت کے مرتکب کا جنازہ کسی بزرگ، عالم دین کے نہ پڑھانے سے لوگوں کو سبق ملتا ہو اور وہ اُس بدعت سے باز آتے ہوں تب اُس عالم کا جنازہ نہ پڑھانا درست ہے ایسی صورت میں باقی لوگ اُس کا جنازہ پڑھیں گے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کشی کرنے والے کا جنازہ پڑھانے سے انکار کیا۔ ایسا کرتے وقت ضروری ہے کہ اس میت پر مسلمانوں میں کوئی جنازہ پڑھنے والا اور اسے دفنانے والا موجود ہو، اگر کوئی موجود نہ پایا گیا تب اُس کا جنازہ نہ پڑھانا یا اُسے نہ دفنانا، جائز نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: موقف اہل السنۃ والجماعۃ من اہل الاسواء والہدع: ۲/۲۳۳)

رحمت و بخشش کی دعا کرنا:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((والصلاة لا تجوز على من غلِمَ نفاقه بنص القرآن، نعلم أن ذلك بناء على
الايان الظاهر والله يتولى السرائر، وقد كان النبي ﷺ يصلي عليهم
ويستغفر لهم حتى نهى عن ذلك، وغلِلَ ذلك بالكفر، فكان ذلك
دليلاً على أن كل من لم يعلم أنه كافر بالباطن - جازت الصلاة عليه
والاستغفار له وان كانت فيه بدعة وان كان له ذنوب -

واذا ترك الامام أو أهل العلم والدين الصلاة على بعض المتظاهرين
ببدعة أو فجور زجراً عنها - لم يكن ذلك محرماً للصلاة عليه والاستغفار
له - بل قال النبي ﷺ فيمن كان يمتنع عن الصلاة عليه وهو: الغال
وقاتل نفسه والمدين الذي لا وفاء له: (صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ) - روى أنه
كان يستغفر للرجل في الباطن وان كان في الظاهر يدع ذلك زجراً عن مثل
مذهبه -

(فان الامام أحمد مثلاً قد باشر الجهمية الذين دعوه الى خلق القرآن -
ونفي الصفات، وامتنحوه وسائر علماء وقته، وفتنوا المؤمنين والمؤمنات
الذين لم يوافقوهم على التجهم بالضرب والحبس، والقتل والعزل عن
الولايات، وقطع الارزاق، ورد الشهاده، وترك تخليصهم من أيدي
العدو، بحيث كان كثير من أولي الأمر اذا ذاك من الجهمية من الولاة
والقضاة وغيرهم: يكفرون كل من لم يكن جهميّاً موافقاً لهم على نفي
الصفات مثل القول بخلق القرآن، ويحكمون فيه بحكمهم في
الكافر - - ومعلوم أن هذا من أغلظ التجهم - فان الدعاء الى المقالة أعظم
من قولها - واثابة قائلها وعقوبة تاركها أعظم من مجرد الدعاء اليها -
والعقوبة بالقتل لقائلها أعظم من العقوبة بالضرب -

ثم ان الامام أحمد دعا للخليفة وغيره - ممن ضربه وحبسه، واستغفر لهم،

وَحَلَّلَهُمْ مِمَّا فَعَلُوهُ بِهِ مِنَ الظُّلْمِ وَالِدَعَاءِ إِلَى الْقَوْلِ الَّذِي هُوَ كُفْرٌ، وَلَوْ كَانُوا مُرْتَدِّينَ عَنِ الْإِسْلَامِ لَمْ يَجْزِ الْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ، فَإِنْ الْإِسْتِغْفَارُ لِلْكَفَرِ لَا يَجُوزُ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ)

”[ہر وہ شخص جس کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ باطن میں کافر ہے (مطلب یہ ہے کہ کفر کو چھپا کر رکھے اور سوائے اپنے خاص لوگوں کے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرتا ہو۔ وگرنہ دلوں کے بھید اور باطن کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) تو اس کی نماز جنازہ اور اس کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت جائز ہے اگرچہ اس میں کوئی بدعت ہی کیوں نہ پائی جاتی ہو یا کچھ گناہ بھی کیوں نہ کرتا ہو۔ اور اگر امام، اہل علم اور دیندار لوگ کسی بدعت یا فسق و فجور سرعام کرنے والے کا جنازہ اس مقصد کی خاطر چھوڑ دیں کہ لوگ اس سے سبق سیکھیں اور برائیوں سے باز رہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا جنازہ اور اس کے لئے دعائے مغفرت حرام ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جس نے مال غنیمت ہتھیایا تھا یا جس نے خودکشی کی تھی یا جو مقروض فوت ہو گیا تھا فرمایا: صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ کہ تم اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے آپ خود بھی باطن میں اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے کہ بظاہر سبق آموزی کے لئے اس کو ترک کئے ہوئے تھے]“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۷ ص ۲۱۶-۲۱۷)

[بطور مثال امام احمد رحمہ اللہ ہی کو لے لیں جن کا واسطہ ان ”جہمیوں“ سے پڑا تھا جو انہیں ”خلق قرآن“ کے مذہب پر آمادہ کرتے تھے، صفات الہی کے منکر تھے اور اس بنا پر ان کو اور دیگر علماء وقت کو سزا و ابتلاء سے دوچار کرتے تھے ان مومنین اور مومنات کو تازیانہ و زندان کی اذیت دیتے جو جہمیت کو قبول کرنے میں ان کی آواز میں آواز ملانے سے گریز کرتے تھے بلکہ پھانسیاں بھی دیتے، معزولیاں بھی کرتے، دانا پانی بھی بند کرتے، گواہی بھی رد کرتے اور ان کو دشمن کے ہاتھ سے چھڑانے کی بھی ضرورت محسوس نہ کرتے، جیسا کہ اس دور میں ”جہمیہ“ سے تعلق رکھنے والے بہت سے والی اور قاضی ہر اس شخص کو کافر

کہتے تھے جو ”جہمی“ مذہب اختیار نہیں کرتا اور ”خلق قرآن“ کا قائل ہو کرنفی صفات میں ان کا ہم مذہب نہیں ہوتا تھا، جو حکم کافروں پر لگاتے وہی ان پر لگاتے تھے..... جبکہ یہ تو معلوم ہے کہ یہ جہمیت کی غلیظ ترین شکل ہے کیونکہ اس مذہب کی طرف دعوت دینا اس کا اپنی حد تک قائل ہونے سے کہیں سنگین ہے اور اس مذہب کا قائل ہونے والوں کو انعام و اکرام سے نوازنا اور انکار کرنے والے کو سزا دینا، صرف اس کی دعوت سے کہیں زیادہ سنگین ہے اور پھر اس کے مخالف کو قتل کرنا خالی زد و کوب کرنے سے کہیں سنگین اور شدید تر ہے۔

تاہم امام احمد رحمہ اللہ خلیفہ اور دیگر ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے ان پر کوڑے برسائے تھے اور قید کئے رکھا تھا، دعا بھی کرتے تھے اور استغفار بھی۔ ان پر جو ظلم روا رکھا تھا اور کفریہ مذہب ٹھونسنے کے لئے جو تشدد کرتے رہے، اس سے بھی ان کو بری کر دیا۔ اگر وہ اسلام سے مرتد ہو چکے ہوتے تو ان کے لئے استغفار جائز نہ ہوتا کیونکہ قرآن و سنت اور اجماع کی رو سے کفار کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے [مجموع الفتاویٰ، ج ۱۲ ص ۴۸۸-۴۸۹]

دعوت قبول کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے تو دعوت قبول کرو۔ اگر روزہ دار ہو تو دعوت دینے والے کو دعا دو اور اگر روزہ دار نہیں تو کھانا کھا لو۔“ (مسلم ۱۳۳۱)

شہادت قبول کرنا

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اصحاب بدعت کی شہادت قبول کرنا ائمہ سلف کا عام مذہب ہے۔ اسی مذہب کے ابو یلیٰ، ابن شبرمہ، ابو حنیفہ، شافعی اور ان کے تلامذہ قائل ہیں۔ اسی طرح امام ثوری، حسن بن یحییٰ، عثمان بنی، داؤد، طبری اور تمام وہ فقہاء جن کا مذہب کہیں نہ کہیں رائج رہا ہے، اس مذہب کے قائل ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ جھوٹ کی گواہی نہ دیتے ہوں اور فسق کے کام نہ کرتے ہوں یعنی عادل ہوں۔“ (الاستاذ کارل ابن عبد البر: ۲۶/۱۰۴)

البتہ علماء کرام نے اس کی دو شرائط مقرر کی ہیں:

۱۔ ان کی بدعت مکفرہ نہ ہو ۲۔ وہ بدعت کے داعی نہ ہوں

میل جول رکھنا:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا اور نہ ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔“ (ترمذی ۳۵۰۷)

معلوم ہوا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں بلکہ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ انسانوں میں رہ کر اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کیے جائیں اور حق کی سر بلندی اور باطل کی سرکوبی کے لیے محنت کی جائے اور اس راہ کی صبر آزمائش مشکلات خوشی کے ساتھ برداشت کی جائیں۔

نصیحت کرنا:

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ”تم اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔“ ایک شخص نے عرض کیا ”یا رسول اللہ (ﷺ)! جب وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن یہ بتائیے اگر وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے کروں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کو تم ظلم کرنے سے روک دو، یہی اس کی مدد کرنا ہے۔“ (بخاری: ۲۴۴۳)

معاشرے سے ظلم و فساد روکنے کے لیے کتنا جامع ارشاد ہے کہ اخلاقی جرات سے کام لے کر ظالم کو بھی ظلم کرنے سے روکو۔

ایثار و قربانی کرنا:

ایک انصاری آپ ﷺ کے مہمان کو گھر لے گیا۔ بیوی نے بتایا کہ ”گھر میں صرف بچوں کی خوراک ہے۔“ اس نے کہا کہ ”بچوں کو بہلا کر سلا دینا اور چراغ بجھا دینا اور ظاہر کرنا کہ ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔“ چنانچہ مہمان نے کھانا کھایا اور ان دونوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ”تم نے آج کی رات اپنے مہمان کے ساتھ حسن سلوک کیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوا ہے۔“ (بخاری: ۷۹۸۰-۳)

(مسلم: ۲۰۵۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر: ۹)

”اور وہ اپنے آپ پر (دوسروں کو) ترجیح دیتے ہیں چاہے خود محتاج ہوں اور جو شح کی کنجوسی سے بچا لیے گئے، وہی کامیاب ہیں۔“

امام المروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

(سألت أبا عبد الله عن قوم من أهل البدع يتعرضون ويكفرون؟ قال: لا تعرضوا لهم قلت: وأي شيء تكره من أن يحبسوا؟ قال: لهم والدات وأخوات) (الآداب الشرعية لابن المفلح: ۱/۲۵۷)

”میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا: آپ اہل بدعت (جن کی بدعت مکرہ نہ ہو) کے ایسے پرے معاملے سے کس طرح پیش آنے کی تلقین کرتے ہیں جو اہل سنت کو ستانے میں بسا اوقات ان کی تکفیر تک کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: تم ہرگز انہیں نہ ستانا (یعنی اہل سنت کو ان جیسا طرز عمل نہیں اختیار کرنا چاہیے) المروزی کہتے ہیں کہ میں نے پھر پوچھا کہ آپ اہل بدعت کو قید میں رکھنے کو بھی ناپسند کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جواب دیا: مجھے اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کی مائیں اور بہنیں تنہا ہو جائیں گی۔“

مسکینوں کی امداد کرنا:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ تھے آپ نے فرمایا: جس کے پاس فاضل سواری ہو وہ اس کو دے دے جسکے پاس سواری نہ ہو۔ جس کے پاس فاضل زادراہ ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس زادراہ نہ ہو۔ پھر آپ نے چند اور چیزوں کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے سمجھ لیا کہ فاضل اشیاء میں

ہمارا کوئی حق نہیں۔ (مسلم: ۱۷۲۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ تمام حقوق جو اللہ رب العزت نے ایک مسلمان کو عطا کیے ہیں ان میں وہ بدعتی بھی داخل ہیں جن کی بدعت کفر و شرک کو نہیں پہنچتی۔

اہل بدعت کے ساتھ سختی کرنا

سلف نے کچھ بدعتیوں کے ساتھ سختی کی۔ اس کے دو پہلو ہیں:

۱۔ اس کا اطلاق بدعت مکرہ کے مرتکب گروہوں پر ہوتا ہے۔

۲۔ اگر بدعت غیر مکرہ کا مرتکب ہے تو اُس سے مقصد اہل بدعت کو ڈرانا، لوگوں کو ان کی بدعت سے روکنا ہے، جسے اہل علم نے بدعتی سے قطع تعلقی کے باب میں ذکر کیا ہے۔ پھر یہ اُسی صورت جائز ہے کہ جب اس سے شرعی مصلحت حاصل ہوتی ہو اور دین کے واجبات نہ چھوٹتے ہوں۔ شرعی مصلحت کا طے کرنا اپنے دل کی خواہشات اور مخالفین سے انتقام لینے پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ قرآن و سنت کے واضح دلائل اور شرعی قواعد و ضوابط پر موقوف ہے۔ ہر دور کے وہ علمائے حقہ جو اللہ کی توحید کے معاملے میں مداہنت نہیں کرتے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں، وہی اس بارے میں رہنمائی کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

ذیل میں قطع تعلقی کے بارے میں اصول و قواعد کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

قطع تعلقی کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

(الانعام: ۶۸)

”جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں نکتہ چینی کرتے ہیں تو ان سے اعراض

کیجیے تا آنکہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں اور اگر شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ آیت مبارکہ ہر اس شخص پر رد کرتی ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ دین کے ائمہ اور ان کے تابعین کو فاسقوں کے ساتھ گھلنا ملنا چاہیے۔ اس آیت کے ضمن میں محمد بن علی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (لا تجالسوا اهل الخصومات، فانهم الذين يخوضون في آيات الله) اہل بدعت کے ساتھ مت بیٹھو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات میں نکتہ چینی کرتے ہیں۔“

ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (وهذا دليل على أن مجالسة أهل الكبائر لا تحل) ”یہ آیت اہل کبار کی صحبت کے حرام ہونے کی دلیل ہے (جب وہ گناہ کے کام میں مشغول ہوں)۔“ (تفسیر قرطبی: ۷/ ۱۲، ۱۳)

احادیث نبوی اور صحابہ کرام کے بہت سے آثار اس مسئلہ پر دلالت کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾

(آل عمران: ۷)

”وہی تو ہے جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب نازل کی جس کی کچھ آیات محکم ہیں اور یہی (حکمت) کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری تشابہات ہیں، اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ انگیزی کی خاطر تشابہات کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں اور انہیں حسب

منشاء معنی پہناتے ہیں حالانکہ ان کا صحیح مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں پختہ ہیں، وہ کہتے ہیں ہم ان تشابہات پر ایمان لاتے ہیں، ساری آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور سبق تو عقلمندی حاصل کرتے ہیں۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن کے تشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے پس ان سے بچو۔“

(بخاری: ۴۵۳۷، مسلم: ۲۶۶۵)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے بلند گنبد دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا فلاں انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور دل میں یہ بات رکھی یہاں تک کہ اس گنبد کا مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے درمیان سلام کیا آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس طرح کئی بار کیا حتیٰ کہ انہیں پتا چل گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں۔ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی شکایت کی اللہ کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں (صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے ناراضگی کا سبب بتلایا) پھر وہ صحابی رضی اللہ عنہ واپس گئے اور اپنے گنبد کو گرا کر بالکل زمین کے برابر کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن پھر اس گنبد کی طرف نکلے تو اسے نہ دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ گنبد کے ساتھ کیا کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم سے گنبد کے مالک نے آپ کے اعراض کی شکایت کی تھی تو ہم نے اسے بتلادیا تھا، چنانچہ اس نے اسے منہدم کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاد رکھو ہر عمارت اپنے مالک کے لیے وبال ہے سوائے اس کے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ (ابوداؤد: ۵۲۳۷)

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا تو میرے دونوں ہاتھ پھٹ گئے تھے، گھر والوں نے میرے ہاتھوں پر زعفران کا خلوق لگا دیا، اگلی صبح کو جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام

کا جواب نہیں دیا اور فرمایا جاؤ اسے دھو کر اپنے سے دور کرو۔“ (بوداؤد: ۴۶۰۱)

اسی طرح صحابہ کرام بھی گناہوں اور بدعات کے ارتکاب پر قطع تعلقی کرتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو جنازہ میں ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”اللہ کی قسم میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔“ (الزہد لأحمد بن حنبل: ۱/۱۶۱)

بدعت مکفرہ اور غیر مکفرہ کے مرتکبین کے ساتھ قطع تعلقی کے مابین فرق

۱۔ اسلام سے خارج ہونے والے اصلاً دشمنی کے مستحق ہیں جبکہ غیر مکفرہ کے مرتکب اصلاً محبت اور دوستی کے مستحق ہیں۔

۲۔ اسلام میں داخل افراد سے قطع تعلقی اُسی صورت جائز ہے جب اس سے کوئی شرعی مصلحت حاصل ہو اور کوئی مفدت پیدا نہ ہو جبکہ مرتدین سے کسی صورت محبت نہیں کی جاسکتی۔

ہمارے ائمہ نے سلف کے ہر ایسے قول کی وضاحت کی ہے جس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ تمام اہل بدعت کو قطع تعلقی میں برابر کی حیثیت حاصل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

قدریہ کی دو اصناف ہیں۔ (۱) علم الہی کا انکار کرنے والے یہ اسلام سے خارج ہیں۔

(۲) جو علم الہی پر ایمان رکھتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ ”قدریہ“ کی اس دوسری صنف کے بارے میں فرماتے ہیں:

(لا یصلی علیہم ، ولا یسلم علی اهل القدر ، ولا علی اهل الاھواء
 جمیعہم ، ولا یصلی خلفہم ، ولا تقبل شہادتہم)

”اُن کی نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے، انہیں سلام نہ کیا جائے۔ یہی حکم تمام اہل اھواء (بدعتیوں) کا ہے۔ قدریہ کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نہ اُن کی گواہیوں کا اعتبار کیا جائے“

امام ابو عمر بن عبدالبر رحمہ اللہ اس قول کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”امام مالک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی امامت کا حقدار وہ ہے جو دین میں کامل ہو، قرآن کی تلاوت، اُس کے معانی اور

مفہوم کو سمجھنے والا ہو اور دین میں تفقہ رکھتا ہو۔ یہ تب ہے جب وہ امام راتب (جسے خلیفہ یا اس کے نائب نے مقرر کیا ہو یا وہ اہل خیر کا مستقل امام) ہو۔ امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول کا مخاطب کہ اُن کی نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے، اہلسنت کی ممتاز اور اعلیٰ شخصیات ہیں، جنہیں ائمہ المسلمین کہا جاتا ہے۔ ائمہ اہل سنت کا ان کی نماز جنازہ نہ پڑھانا اس غرض سے ہے کہ لوگ متنبہ ہو جائیں (جو کہ ایک شرعی مصلحت ہے) امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول [لا یصلی علیہم] ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے [سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی شخص ان کی نماز جنازہ نہ پڑھے کیونکہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے شہادتین کی گواہی دی ہوگی، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی خواہ وہ بدعتی ہو یا کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو۔ فقہاء اسلام اور ائمہ عظام میں سے کسی ایک کا بھی مجھے یہ قول نہیں ملا کہ جو بظاہر امام مالک رحمہ اللہ کے الفاظ سے نکلتا ہے۔“ (الاستدکار لابن عبدالبر: ۲۶۱/۱۰۳، ۱۰۳) ائمہ سلف کے باقی تمام اقوال جو غیر مکفرہ بدعتیوں کے رد میں بیان ہوئے ہیں اُن کا یہی معنی و مفہوم ہے جیسے امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ اسی لیے سلف اہل بدعت کو مسلمانوں والے حقوق دیا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لم یكونوا (یعنی اصحاب النبی) یحجبون الصلاة علی أحد من أهل القبلة (شرح أصول الاعتقاد أهل السنة: ۳/۱۰۶۰)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إذا قال لا اله الا الله ضلي عليه (شرح أصول الاعتقاد أهل السنة: ۳/۱۰۶۰)

”جب وہ لا اله الا الله کا اقرار کرتا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔“

امام مالک رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں:

ان أصوب ذلك، وأعدله عندي، إذا قال لا اله الا الله ثم هلك أن يغسل ویصلی علیہ (شرح أصول الاعتقاد أهل السنة: ۳/۱۰۶۰)

”میرے نزدیک صحیح اور عدل پر مبنی بات یہی ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کے عقیدے پر فوت ہوا۔ اُس کو غسل دیا جائے گا اور اُس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔“

قطع تعلقی کے مقاصد اور شرعی ضوابط

قطع تعلقی دیگر عبادات کی طرح ایک عبادت ہے، جس طرح شریعت نے گناہوں کی مختلف شرعی سزائیں مقرر کی ہیں اسی طرح یہ بھی ایک شرعی سزا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد گناہ کو معاشرے میں پھیلنے سے روکنا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الهجر الشرعي نوعان: أحدهما: بمعنى الترك للمنكرات۔

والثاني: بمعنى العقوبة عليها۔

فالأول: يراد به أنه لا يشهد المنكرات لغير حاجة..... بخلاف من حضر عندهم للانكار عليهم أو حضر بغير اختياره... وهذا الهجر من جنس هجر الانسان نفسه عن فعل المنكرات ومن هذا الباب الهجرة من دار لكفر والفسوق الى دار الاسلام والايان، فانه هجر للمقام بين الكافر بين والنافقين الذين لا يميكنونه من فعل ما أمر الله به۔

والنوع الثاني: الهجر على وجه التأديب، وهو هجر من يظهر المنكرات، يهجر حتى يتوب منها، كما هجر النبي ﷺ والمسلمين: الثلاثة الذين خَلَفُوا حتى أنزل الله توبتهم، حين ظهر منهم ترك الجهاد المتعين عليهم بغير عذر، ولم يهجر من أظهر الخير وان كان منافقاً۔ فهنا الهجر بمنزلة التعزير۔

والتعزير يكون لمن ظهر منه ترك الواجبات وفعل المحرمات، كتارك الصلوة والزكاة۔ والتظاهر بالمظالم والفواحش، والداعي الى البدع المخالفة للكتاب والسنة واجماع سلف الأمة التي ظهر أنها بدع۔

وهذا حقيقة قول من قال من السلف والأئمة: أن الدعاة إلى البدع لا تقبل شهادتهم، ولا يصلى خلفهم، ولا يؤخذ عنهم العلم، ولا يناكحون، فهذه عقوبة لهم حتى ينتهوا، ولهذا يفرقون بين الداعية وغير الداعية، لأن الداعية أظهر المنكرات فاستحق العقوبة، بخلاف الكاتم فانه ليس شراً من المنافقين الذين كان النبي ﷺ يقبل علانيتهم ويكمل سرائرهم إلى الله، مع علمه بحال كثير منهم..... فالمنكرات الظاهرة يجب انكارها بخلاف الباطنة فان عقوبتها على صاحبها خاصة (مجموع الفتاوى، ج ۲۸ ص ۲۰۳)

[ہجر شرعی (کنارہ کشی اور دوری) دو طرح کی ہوتی ہے:

ایک وہ جو ترک منکرات کی صورت میں ہوتی ہو۔ اور دوسری وہ جو اس بنا پر سزا یا عقاب کی صورت میں ہو۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ بلا ضرورت مسلمان برائی یا منکرات کی جگہ نہ جائے..... سوائے اس شخص کے جو ان کے پاس ان کا رد کرنے کے لئے جاتا ہے۔

ہجر و کنارہ کشی کی دوسری قسم بطور سزا ہوتی ہے۔ اس کے تحت انسان ایک ایسے شخص سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے جس سے منکرات اور برائیاں ظاہر ہوتی ہوں اور یہ اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں نے ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہجر اختیار کیا تھا جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی قبولیت کی آیات نازل فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے یہ رویہ اس وقت اختیار کیا جب ان سے فرض عین جہاد سے کوتاہی سرزد ہوئی تھی، جبکہ جس شخص نے جہاد میں نہ جانے کا کوئی عذر بیان کیا وہ چاہے منافق ہی ہوتا آپ ﷺ اس سے ہجر و کنارہ کشی کا رویہ اختیار نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ یہ ہجر بطور تعزیر ہے اور تعزیر کا حکم اسی شخص پر ہوتا ہے

جس سے ترک واجبات یا ارتکاب محرمات ظاہر ہوں مثلاً ایسی بدعات کی دعوت دے جو کتاب و سنہ اور اجماع سلف کے خلاف ہوں اور یہ بھی واضح اور ظاہر ہو کہ وہ بدعات ہیں۔

بزرگان سلف اور ائمہ کے اس قول کی بھی یہی حقیقت و مطلب ہے کہ داعیان بدعت کی شہادت قابل قبول نہیں، ان کے پیچھے نہ نماز پڑھنی چاہیے، نہ ان سے علم لینا چاہیے اور نہ بیاہ شادی کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کی سزا ہے تا آنکہ وہ اس سے باز آجائیں۔ اسی بنا پر یہ بزرگ بدعت کے داعی و مبلغ اور غیر داعی میں فرق کرتے ہیں کیونکہ داعی و مبلغ منکرات کا ظاہر و برسر عام ارتکاب کرتا ہے اس لئے سزا کا مستوجب ہے۔ بخلاف ایسے شخص کے جو چھپ کے کرتا ہے، اب یہ شخص بہر حال ان منافقین سے بدتر نہیں ہے جن کے ظاہر کو رسول اکرم ﷺ قبول کر لیا کرتے تھے اور ان کے پوشیدہ امور کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ آپ کو ان کے بیشتر لوگوں کے حال کی خبر بھی تھی..... چنانچہ منکرات باطنہ (چھپی ہوئی) کے برعکس منکرات ظاہرہ کا رد و انکار فرض ہے کیونکہ چھپی بدعت اس کے حاملین تک محدود رہتی ہے]

دیگر عبادات کی طرح ہجر شرعی کی قبولیت کی بھی دو شرائط ہیں:

۱۔ اخلاص:- یہ تمام اعمال کی قبولیت کا باطنی ترازو ہے۔ ضروری ہے کہ قطع تعلقی کرنے والے کی نیت خالص ہو وہ اللہ کی رضا کے سوا اس عمل سے کچھ اور نہ چاہتا ہو، اس کا مقصد بدعت کو پھیلنے سے روکنا اور بدعتی کی اصلاح کرنا ہو، تب اس کا عمل اللہ کے ہاں شرف قبولیت پائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (الحجۃ: ۵)

”اور انہیں حکم تو یہی دیا گیا تھا کہ خالص اللہ کی عبادت کریں پوری طرح یکسو ہو کر۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”یہ سب کچھ لصح و خیر خواہی اور رضائے الہی کی خاطر ہونا چاہیے، انسان کی کسی شخص کے ساتھ ذاتی پر خاش نہیں ہونی چاہیے مثلاً دونوں کے درمیان کوئی دنیوی عداوت

ہو، باہمی حسد و بغض ہو یا قیادت کا جھگڑا ہو اور انسان اس بنا پر اس کی برائیاں بظاہر نصیحت و غیر خواہی کے لئے بیان کرتا پھرے جبکہ دل میں مقصد انتقام یا بدلہ چکانا ہو تو یہ شیطانی حرکت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: انما الاعمال بالنیات وانما لكل امرئ ما نوى ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوئی ہوتی ہے“ نصیحت کرنے والے کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی اصلاح کر دے اور مسلمانوں کو دین و دنیا میں اس کے ضرر سے بچائے اور کفایت کرے۔ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ اس نیک مقصد کو سرانجام دینے کے لئے آسان اور ممکنہ طریق اختیار کرے۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۸ ص ۲۲۱)

۲۔ شرعی اصولوں کی پیروی: شریعت میں قطع تعلقی کے کچھ اصول و ضوابط طے کئے گئے ہیں جن کی پیروی کرنے سے ہی عمل اللہ کے ہاں شرف قبولیت پاتا ہے۔ جس سے قطع تعلقی کی جارہی ہو اس کی بابت ان شروط کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ذیل میں ان قواعد کو ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس کے بارے میں انسان کو یقین ہو کہ اس میں بدعت پائی جاتی ہے۔ لوگوں کی سنی سنائی باتوں کی وجہ سے کسی سے قطع تعلقی کرنا جائز نہیں، جب تک کہ انسان اسی شخص کی زبان، تحریر یا کسی اور باوثوق ذریعے سے اس بات کا یقین نہ کر لے کہ یہ بدعت اس میں پائی جاتی ہے تب تک اس سے قطع تعلقی درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (الحجرات: ۶)

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم نادانستہ کسی قوم کا نقصان کر بیٹھو، پھر اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔“

۲۔ اس عمل کے بدعت ہونے پر ائمہ کے مابین اتفاق ہو، ایسے مسائل میں بدعتی سے

قطع تعلقی نہیں کی جائے گی جن کے بدعت ہونے میں علماء کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے

۳۔ بدعتی پر اس مسئلہ میں حجت تمام کی جا چکی ہو، اُس کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہو اور اُس کے سامنے درست موقف پیش کیا گیا ہو۔ دیکھیے: (البدعة واحکامها للشیخ سعید الغامدی ۲/۳۲۰)

قطع تعلقی کیے جانے والے شخص میں اگر یہ تین باتیں پائی جائیں تو وہ شرعی طور پر قطع تعلقی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ لیکن قطع تعلقی کی کچھ شرائط، اصول و ضوابط ہیں جن کے پورا کیے جانے پر یہ عبادت موقوف ہے۔

۱۔ مصلحت و مفادات کا قاعدہ ۲۔ جتنا جرم ہو اُس قدر سزا دینا

۱۔ قطع تعلقی تب کی جائے گی جب اس سے شرعی مصلحت حاصل ہوتی ہو۔

اگر قطع تعلقی سے مقاصد حاصل ہوتے ہوں تو قطع تعلقی کرنی چاہئے وگرنہ نہیں، اسی طرح اگر قطع تعلقی کرنے سے جس شرکو ہٹایا جا رہا ہے اس سے کوئی بڑا اثر لازم آتا ہو تب بھی یہ عبادت ساقط ہو جائے گی۔ مصلحت و مفادات کے حوالے سے درج ذیل عوامل نہایت اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔ قطع تعلقی کرنے والے کا طاقتور یا کمزور ہونا:- اگر وہ طاقتور ہے تو اس عمل میں مصلحت ہے وگرنہ نہیں۔

۲۔ جس سے قطع تعلقی کی جا رہی ہے اس پر مرتب ہونے والے اثرات:- اگر اُس میں بہتری آتی ہے یا اس کو سزا دینے سے دوسروں کو عبرت ہوتی ہے تو یہ عمل درست ہے اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو تب تالیف قلب کرنا بہتر ہے۔

۳۔ جس علاقے میں سنت غالب ہے وہاں اہل بدعت کو دایا جائے گا اور ان کے ساتھ سختی کی جائے گی جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل بدعت کے ساتھ سختی کی جب بدعات نئی نئی اسلامی معاشرے میں داخل ہو رہی تھیں۔

مجاہد بن جبر ابو الحجاج رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تابعی فرماتے ہیں: ”میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، ہم اس مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے تو مؤذن نے اذان میں تثویب (الصلوة خیر من النوم) کہہ دیا (جب کہ وہ اذان ظہر یا عصر تھی) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”أخرج بنا من عند هذه المبتدع“ ہمیں اس بدعتی کے پاس سے نکال لے جاؤ“ اور آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی۔“ (ترمذی، ابوداؤد: ۵۳۸)

مگر جب بعض علاقوں میں بدعات عام ہو گئیں تو پھر ان سے تالیف قلوب کا طرز عمل اپنایا گیا۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قلت لأحمد لنا أقارب بخراسان يرون الارحاء فنكتب الى خراسان نقرئهم السلام قال: سبحانه الله لم لا تقرئهم (مسائل الامام احمد تالیف أبي داود السجستاني: ۲۷۶)

”میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کہا: ہمارے رشتہ دار ارض خراسان میں رہتے ہیں اور فتنہ ”ارحاء“ میں مبتلاء ہیں، ہم ان سے مراسلت کرتے ہوئے انہیں السلام علیکم کہتے ہیں (آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سبحان الله: آخر انہیں ”السلام علیکم“ نہ کہنے کی کیا وجہ ہے؟“

۴۔ قطع تعلقی سے اگر واجبات دین چھوٹی ہوں جیسے جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر تب یہ عمل درست نہیں۔ سلف میں ایسی کئی مثالیں ہیں جب انہوں نے بدعتی حکمرانوں کی اطاعت میں جہاد کیا جیسے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے وقت کے جہمی حکمرانوں کے ساتھ طرز عمل۔ تفصیل کے لیے دیکھیے ہجر المبتدع للشیخ بکر ابی زید رحمۃ اللہ علیہ۔

ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”اہل بدعت و فسق سے ولاء و براء کے حوالے سے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں یہ بھی فرماتے ہیں: ”یہ ہجو و ترک اہل سنت کی قوت و ضعف اور قلت و کثرت کے لحاظ سے مختلف ہے کیونکہ مقصد تو مجبورین کی تادیب (بدعتیوں کو سزا دینا) ہے اور عوام الناس کو اس

(بدعت و فسق) سے بچانا ہے، لہذا اگر مصلحت اس میں ہے کہ ہجر و ترک شر و فساد کے ضعف کا باعث ہے تو وہاں ہجر مشروع ہے، لیکن اگر ہاجر کمزور ہے اور ہجر و ترک شر کے اضافے کا باعث ہے تو مصلحت یہی ہے کہ وہاں ہجر مشروع نہیں، بلکہ بعض لوگوں کے لیے تالیف ہجر سے زیادہ سودمند ثابت ہوتی ہے اور بعض کے لیے ہجر، تالیف سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کبھی دشمن سے قتال بہتر ہوتا ہے اور کبھی جزیہ لینا بہتر ہوتا ہے، یہ سب مختلف احوال اور مصالح کے اعتبار سے ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ: ج ۲۸ ص ۲۰۶)

اسی لیے اہل بدعت یا اہل فسق سے ولاء و براء کا معاملہ انہی دینی مصالح کے اعتبار سے ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ انکار منکر میں کوئی اور منکر یا فتنہ و فساد کھڑا ہو جائے، ہمارا یہ مقصد بھی قطعاً نہیں کہ ولاء و براء کے اصول میں سردمہری کا مظاہرہ کیا جائے۔ بلکہ علامۃ الناس جو اس کی نزاکت سے بے خبر ہیں انہیں بہر نوع اس سے خبردار کرنا چاہیے کہ وہ بدعتیوں کی مجلس کی زینت نہ بنیں تاکہ ”من کثر سواد قوم فھو منهم“ کا مصداق نہ بن جائیں۔“ (مقالات تربیت، ص: ۲۰۱)

2۔ قطع تعلقی میں ظلم و عدوان کا ارتکاب نہ کرے

جس کا جتنا جرم ہو اسی قدر اسے سزا دینی چاہیے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ﴾
(البائدة: ۱۰۵)

”اے ایمان والو! تمہیں اپنی فکر کرنا لازم ہے جب تم خود ہدایت پر ہو گے تو کسی دوسرے کی گمراہی تمہارا کچھ لگا نہیں سکتی۔“

اس آیت کے ضمن میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”شریعت نے گنہگاروں کے ساتھ قطع تعلقی، مذمت، بغض اور سزا دینے کو جس قدر مشروع کیا ہے اُس میں زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ جو کوئی سزا دینے میں شدت کرے، اُسے کہنا چاہیے کہ تم اپنے آپ کے ذمہ دار ہو اگر تم ہدایت پر ہو تو دوسروں کی گمراہی تمہیں

کچھ نقصان نہیں دے گی۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۖ اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ﴾

(البائدہ: ۸)

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل چھوڑ دو، عدل کیا کرو، یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے۔“

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَقَاتِلُوْكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹﴾ (البقرہ: ۱۹۰)

”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں مگر زیادتی نہ کرنا، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

﴿فَمَنْ اَعْتَدٰى عَلٰیكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدٰى عَلٰیكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾

(البقرہ: ۱۹۴)

”اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی

ہے اور اللہ سے ڈرتے ہو۔“ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۸۱، ۳۸۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهذا لأن الهجر من (باب العقوبات الشرعية) فهو من جنس الجهاد في سبيل الله - وهذا يفعل لأن تكون كلمة الله هي العليا ويكون الدين كله لله - والمؤمن عليه أن يعادي في الله ويوالي في الله، فان كان هناك مؤمن فعليه أن يواليه وان ظلمه، فان الظلم لا يقطع الموالاة الا يمانية - قال تعالى: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا ۖ.....﴾ الى قوله: ﴿وَأَمَّا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۹، ۱۰) فجعلهم اخوة مع وجود القتال والبغى والأمر بالاءصلاح بينهم -

فلیتدبر المؤمن الفرق بین ہذین النوعین۔ فما اکثر ما یلتبس أحدهما بالآخر۔

ولیعلم أن المؤمن تجب موالاته وان ظلمک واعتدى علیک، والکافر تجب معاداته وان أعطاک وأحسن الیک، فان الله سبحانه وتعالی بعث الرسل وأنزل الكتب لیكون الدین کله لله۔ فیکون الحب لأولیائه والبغض لأعدائه۔ والاکرام لأولیائه والاهانة لأعدائه۔ والثواب لأولیائه والعقاب لأعدائه۔

[ہجر، عقوبات شرعیہ کے باب میں سے ہے اور اس لئے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی جنس سے ہے۔ یہ اس لئے روارکھا جانا چاہیے کہ اللہ تعالٰی کا کلمہ سر بلند ہو اور دین سارے کا سارا اللہ رب العزت کے لئے ہو جائے، بنابرین مومن کا فرض ہے کہ اللہ کے لئے دشمنی کرے اور اللہ ہی کے لئے دوستی، اس لئے اگر کہیں ایک بھی مومن ہو تو اس کا فرض بنتا ہے کہ اس کے ساتھ دوستی اور وفاداری کا رشتہ قائم رکھے، چاہے وہ اس پر ظلم ہی کیوں نہ کرتا ہو کیونکہ ظلم و زیادتی سے ایمانی دوستی، ہمدردی اور موالات کے رشتے نہیں کٹ جاتے۔

ارشاد باری تعالٰی ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ٩٠﴾ [نمّا المؤمنون اخوة]

(الحجرات: ۹۰)

”اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت

کرتا ہے۔ مومن تو بھائی ہی ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے باہم سرکشی کے باوجود ان کی باہم صلح و اصلاح کروانے کا حکم دیا اور مسلمانوں کو بھائی بھائی ہی رکھا ہے۔ بنا بریں مومن کو سوچ سمجھ لینا چاہیے کہ (ہجری) ان دو اقسام میں کس قدر فرق ہے کیونکہ بسا اوقات اور اکثر و بیشتر انسان کے ذہن میں یہ فرق باقی نہیں رہتا، یہ بھی اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ مومن سے محبت، دوستی اور وفاداری کا رشتہ استوار رہنا چاہیے، چاہے اس سے اس پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب ہی کیوں نہ ہو اور کافر سے دشمنی رکھنا فرض ہے چاہے وہ اس پر کتنا بھی احسان کیوں نہ کرتا ہو اور انعام و اکرام ہی سے کیوں نہ نوازا نہ ہو۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۸ ص ۲۰۸-۲۰۹)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

”شیطان انسان سے ہر معاملے میں اسراف چاہتا ہے، جب وہ کسی کو نرمی اور رحمت کی طرف مائل دیکھتا ہے تو اُس کے لیے نرمی اور رحمت کی کو مزین کر دیتا ہے یہاں تک کہ انسان اس سے بھی بغض و دشمنی نہیں کرتا جس سے اللہ دشمنی کرتا ہے، اسے اُس بات پر بھی غیرت نہیں آتی کہ جس بات پر اللہ کو غیرت آتی ہے، اسی طرح جب شیطان کسی کو شدت کی طرف مائل دیکھتا ہے تو وہ اُس کے لیے شدت اور سختی کو مزین کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ ذات الہی کی رضامندی کے علاوہ (اپنی ذات، جماعت) کے لیے سختی کرنے لگتا ہے اور وہ احسان، نرمی اور صلہ رحمی جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، ترک کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ شدت میں زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے، یہ شخص رحمت و احسان کے حکم الہی کو ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جس شدت کا حکم دیا اُس میں زیادتی کرنے کی وجہ سے مذموم ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الاعراف: ۳۱)

”اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

زیادتی میں شدت کرنے والے اور رحمت کی زیادتی کرنے والے دونوں کو کہنا چاہیے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران: ۱۴۷)

”اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمارے کام میں اگر زیادتی ہو گئی ہو تو اسے معاف فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔“

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا وہ عمل کرتا ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ محبت کرتے ہیں اور وہ اس کام سے بغض رکھتا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناپسند جانتے ہیں، رہا وہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہی نہیں لاتا، وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، اس لیے بعض اوقات اس پر رحم کے جذبات غالب ہوتے ہیں اور کبھی شدت پسندی کی خواہش، وہ اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کے پیچھے بھاگتا ہے۔

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ﴾ (القصص: ۵۰)

”پھر اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو جان لیجئے کہ وہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر محض اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہو۔“ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۵، ۲۹۳/۲۹۲)

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

”آدمی سے سزا اور تعزیر کے لیے دوری اختیار کی جاتی ہے، جس کا مقصد اُسے اور اُس جیسوں کو اس بدعت سے باز رکھنا ہوتا ہے، یہ اُن پر رحمت اور احسان کے طور پر کیا جاتا ہے نہ کہ اُن سے انتقام اور اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے“ (المصباح: ۵/۲۳۹)

”اس لیے جو کوئی لوگوں کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے سزا دے، اُسے چاہیے کہ اُن کے ساتھ رحمت اور احسان کرنے کی نیت رکھے جیسے والد اپنے بیٹے اور معالج مریض کے ساتھ کرتا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور جسے میں

نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جسے میں دیتا ہوں، لیکن میں اُن لوگوں کو دیتا ہوں جن کے دلوں میں گھبراہٹ اور بے چینی دیکھتا ہوں اور جنہیں میں نہیں دیتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں غنی اور بھلائی پائی جاتی ہے۔“ (بخاری: ۹۲۳)

آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں ایک شخص کو اس خوف سے دیتا ہوں کہ کہیں (ایسا نہ ہو کہ اگر اسے نہ دیا جائے تو وہ کافر ہو جائے اور) اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں منہ کے بل نہ پھینک دے“ (بخاری: ۲۷، مسلم: ۱۵۰)

جبکہ دوسری طرف آپ ﷺ بعض مومنین کے ساتھ قطع تعلقی کرتے ہیں..... کیونکہ مقصود اللہ کی مخلوق کو بہتر طریقے کے ساتھ اطاعت الہی کی دعوت دینا ہے۔ جہاں محبت و نرمی فائدہ دے وہاں نرمی اپنانی چاہیے اور جہاں ڈراوا فائدہ دے وہاں ڈرانا چاہیے۔“ (منہاج السنۃ: ۱/۶۵، ۶۳)

بدعت اور اہل بدعت کے مختلف مراتب ہونے کے اعتبار سے دوتی اور دشمنی، قربت اور دوری، قطع تعلقی اور تعلق داری پر بھی اثر پڑتا ہے۔

قطع تعلقی میں داعی بدعتی اور غیر داعی بدعتی میں فرق

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[جو شخص مسلمانوں کو اللہ کے دین کی اقامت سے نہیں روکتا اس کے کفر کی زد بھی دوسروں پر نہیں پڑتی بلکہ اپنی حد تک ہی رہتی ہے (وہ تو سزا کا مستحق نہیں ہوتا)۔ فقہاء اسلام نے اس لئے کہا ہے کہ خلاف کتاب و سنت بدعات کا داعی و مبلغ ایسی سزا کا حق دار ہے جس کا مستوجب ایک خاموش رہنے والا (بدعتی) نہیں ہوتا] (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۸ ص ۳۵۵)

”شریعت کا نہایت قیمتی اصول ہے جسے توجہ دینی چاہیے: جس کسی کے گناہ سے دوسروں کے دین یا دنیا کو نقصان پہنچتا ہو اسے دنیا میں سخت سزا دی جائے گی اور جس کا گناہ اُسی کی حد تک رہتا ہے یعنی اس کا نقصان اسی کی اپنی ذات کو ہوتا ہے، اُسے دنیا میں سزا نہیں دی جائے گی اگرچہ آخرت میں اس کی سزا پہلے والے سے زیادہ شدید ہو سکتی ہے۔ جیسے

منافق کو دنیا میں مسلمانوں والے حقوق حاصل ہوتے ہیں جبکہ آخرت میں وہ جہنم کے آخری گڑھے میں ہوگا۔ دوسری طرف وہ شخص جو بدعت کا داعی ہے ممکن ہے وہ اجتہاد یا تقلید کی وجہ سے معذور ہو مگر چونکہ اس سے لوگوں کو نقصان ہوتا ہے اس لیے اسے سزا دی جائے گی۔ داعی الی البدعة اور خاموشی اختیار کرنے والے کے مابین فرق کی یہی بنیاد ہے۔“ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۷۷-۳۷۳)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[اگر کوئی شخص نمازیں چھوڑ لیتا ہو یا منکرات کا ارتکاب کرتا ہو اور آدمی دیکھے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص اٹھتا بیٹھتا اور صحبت رکھتا ہے جس کی اپنی دینداری بھی اس کی وجہ سے خراب ہو سکتی ہو تو اس کے سامنے اس کا حال بیان کرنا چاہیے تاکہ وہ اس کی صحبت چھوڑ دے اور اگر وہ شخص بدعتی ہو اور خلاف کتاب و سنت عقائد کا پرچار بھی کرتا ہو یا خلاف کتاب و سنت راستے یا طریقے پر گامزن ہو اور آدمی کو اندیشہ ہو کہ وہ شخص اس طرح سے لوگوں کو گمراہ کرے گا تو لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت بیان کرنی چاہیے تاکہ وہ اسکی گمراہی سے بچے رہیں اور حقیقت حال سے آگاہ رہیں۔] (مجموع الفتاویٰ، جلد ۲۸ ص ۲۲۱)

أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ مَظْهَرُ اللَّفْجُورِ، مِثْلَ الظُّلْمِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْبِدْعِ الْمَخَالِفَةِ لِلسُّنَّةِ، فَإِذَا أَظْهَرَ الْمُنْكَرَ وَجِبَ الْإِنْكَارُ عَلَيْهِ بِحَسَبِ الْقَدَرِ۔۔ وَأَنْ يَهْجُرَ وَيَذِمَّ عَلَى ذَلِكَ۔۔ بِخِلَافِ مَنْ كَانَ مُسْتَتْرِئًا بِذَنْبِهِ مُتَسَخِّفِيًّا، فَإِنْ هَذَا يَسْتَرْ عَلَيْهِ، لَكِنْ يَنْصَحُ سِرًّا وَيَهْجُرُهُ مِنْ عَرَفٍ حَالِهِ لِيَتُوبَ، وَيَذْكُرَ أَمْرَهُ عَلَى وَجْهِ النَّصِيحَةِ (مجموع الفتاویٰ ج ۲۸ ص ۲۲۰-۲۱۹)

[اگر آدمی ظاہراً ایسے منکرات کا ارتکاب کرے تو حسب قدرت اس کا رد و انکار واجب ہے۔۔۔۔۔ اس سے کنارہ کشی و روگردانی بھی کرنی چاہیے اور مذمت بھی۔۔۔۔۔ جبکہ گناہ کو چھپانے اور خفیہ انداز سے کرنے والے کی صورت حال اس سے برعکس ہوگی، ایسے شخص کی پردہ پوشی فرض ہے، تاہم نصیحت اسے بھی کی جائے گی بلکہ جب اس کا حال معلوم ہو جائے تو اس سے

ہجر یعنی علیحدگی کی جاسکتی ہے تاکہ توبہ کر لے اور بر سبیل نصیحت اس کا ذکر بھی جائز ہے۔ [فأما من كان مستترا بمعصية أو مسرًا بدعة غير مكفرة، فان هذا لا يهجر، وإنما يهجر الداعي إلى البدعة، اذ الهجر نوع من العقوبة، وإنما يعاقب من أظهر المعصية قولاً أو عملاً۔]

وَأَمَّا مَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا فَانَّا نَقْبَلُ عِلَانِيَتَهُ وَنُكَلِّ سِرِّيَّتَهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَانْ غَايَتُهُ أَنْ يَكُونَ بِمَنْزِلَةِ الْمُنَافِقِينَ الَّذِينَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْبَلُ عِلَانِيَتَهُمْ، وَيَكُلُّ سِرَائِرَهُمْ إِلَى اللَّهِ۔ وَلِهَذَا كَانَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ وَأَكْثَرُ مَنْ قَبْلَهُ وَبَعْدَهُ مِنَ الْأُئِمَّةِ كَمَا لَكَ وَغَيْرُهُ لَا يَقْبَلُونَ رَوَايَةَ الدَّاعِي إِلَى بَدْعَةٍ، وَلَا يَجَالِسُونَهُ، بِخِلَافِ السَّاكِتِ، وَقَدْ أَخْرَجَ أَصْحَابُ "الصَّحِيحِ" عَنْ جَمَاعَاتٍ مِمَّنْ رَمَى بِبَدْعَةٍ مِنَ السَّاكِتِينَ، وَلَمْ يَخْرِجُوا عَنْ الدَّعَاةِ إِلَى الْبَدْعِ۔ (مجموع الفتاوى، ج ۲۴ ص ۱۷۵)

[تاہم وہ شخص جو ایک معصیت خفیہ کرتا ہے یا کسی بدعت غیر مکرہ (جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا) کو چھپائے رکھتا ہے تو ایسے شخص سے ہجر (کنارہ کشی اور دوری) اختیار نہیں کی جائے گی بلکہ اس کا مستوجب صرف بدعت کا داعی ہوا کرتا ہے، کیونکہ ہجر ایک قسم کی سزا ہے اور سزا صرف اس شخص کو دی جاتی ہے جو قوی یا فعلی لحاظ سے معصیت ظاہر کرتا ہے، رہا وہ شخص جو ہمارے سامنے خیر ظاہر کرتا ہے تو ہم ظاہر پر ہی اس سے معاملہ کریں گے اور اس کے پوشیدہ امور اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے، کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ منافقین کے درجے میں ہو، جن کے ظاہر کو رسول اکرم ﷺ قبول کیا کرتے تھے اور اندر کی باتیں اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کرتے تھے۔۔۔۔۔]

یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ داعی بدعت کی نہ روایت قبول کیا کرتے تھے اور نہ ہی ہم نشینی پسند کیا کرتے تھے، بخلاف ایسے شخص کے جو خاموش رہتا ہے۔ حدیث کے ائمہ نے بہت سے ایسے لوگوں سے روایت کی ہے جن پر بدعت کا الزام

لگا ہے مگر وہ خاموش انداز سے اس کے قائل ہوتے تھے جبکہ داعیان بدعت سے روایت قبول نہیں کی۔

اہل بدعات کی بدعت پر رد کرنا

اہلسنت والجماعت کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل بدعت کی گمراہی کو واضح کر کے بیان کیا جائے، امت کو ان سے خبردار کیا جائے، مذہب سنت کو غالب اور ظاہر کیا جائے اور مسلمانوں کو اس کی تعلیم و تبلیغ کی جائے، بدعات کو مٹایا جائے اور ان کے حاملین کے بغی وعدوان سے بچا اور بچایا جائے مگر یہ سب کچھ عدل و انصاف کے ترازو کا پابند رہتے ہوئے اور کتاب و سنت کی نصوص کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

”اور تم میں ایک گروہ ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر (ہاتھ سے روکنے کی) طاقت نہ ہو تو زبان سے (اس کی برائی واضح کرے) اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (براجانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ (مسلم، ج: ۴۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اسلام جس طرح اجنبی حالت میں شروع ہوا تھا اسی طرح اجنبی حالت میں لوٹ جائے گا، اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہو۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب لوگوں میں فساد برپا ہو گا تو وہ ان کی اصلاح کریں گے۔“ (سلسلہ صحیحہ

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھیجے، اس کے حواری اور ساتھی ہوتے تھے جو اس کے حکم کی پیروی اور اس کی سنت پر عمل کرتے پھر ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو ایسی بات کہتے جو وہ کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، پس جو شخص ان سے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے، جو شخص ان سے زبان سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے، جو شخص ان سے دل سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے، اور اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔“ (مسلم: ۵۰)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومثل أئمة البدع من اهل المقالات المخالفة للكتاب والسنة، أو العبادات المخالفة للكتاب والسنة، فان بيان حالهم وتحذير الأئمة منهم واجب باتفاق المسلمين..... حتى قيل لأحمد بن حنبل: الرجل يصوم ويصلي ويعتكف أحب إليك، أو يتكلم في أهل البدع؟ فقال: اذا قام وصلى واعتكف فانما هو لنفسه، واذا تكلم في أهل البدع فانما هو للمسلمين، هذا أفضل - فبين أن نفع هذا عام للمسلمين في دينهم، من جنس الجهاد في سبيل الله، اذ تطهير سبيل الله ودينه ومنهاجه وشرعته ودفع بغي هؤلاء وعدوانهم على ذلك واجب على الكفاية باتفاق المسلمين، ولو لا من يقيم الله لدفع ضرر هؤلاء لفسد الدين، وكان فسادہ أعظم من فساد استيلاء العدو من أهل الحرب، فان هؤلاء اذا استولوا لم يفسدوا القلوب وما فيها من الدين الا تبعا، وأما أولئك فهم يفسدون القلوب ابتداء“

[خلاف کتاب وسنت عقائد یا عبادات کے حاملین ائمہ بدعات کے متعلق یہی ہے کہ ان کے بارے میں لوگوں کو آگاہ اور خبردار کرنا واجب ہے اور اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے حتیٰ کہ جب امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی نماز، روزہ اور

اعتکاف بکثرت کرتا ہے اور دوسرا اہل بدعات کا رد کرتا ہے، آپ کے نزدیک کون سا بہتر ہے؟ تو کہنے لگے: ”اگر کوئی شخص نماز، روزہ اور اعتکاف کرتا ہے تو وہ اس کے اپنے لئے ہے اور اگر اہل بدعات کا رد کرتا ہے تو یہ مسلمانوں کے لئے ہے اور یہی افضل ہے۔“ امام صاحب رحمہ اللہ نے یہاں یہ بات واضح کی ہے کہ موخر الذکر کا نفع وفائدہ تمام مسلمانوں کے لئے ان کے دین کی خاطر ہے جو کہ جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کے دین اور منہج و شریعت کو پاک کرنا اور اس پر یہ لوگ جس ظلم و عدوان کے مرتکب ہوتے ہیں اس کا رد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اہل بدعت کے پھیلانے ہوئے ضرر اور شر کو رد کرنے کے لئے علمائے حقہ کو کھڑا نہ کرتا تو آج دین برباد ہو چکا ہوتا اور دین کا فساد اہل حرب جیسے دشمن کے غلبے کے فساد سے کہیں بڑا ہوتا ہے کیونکہ یہ اہل حرب لوگ اگر غلبہ حاصل کر لیں تو دلوں میں فساد پیدا نہیں کریں گے الا یہ کہ شکست کے نتیجے میں بعد میں ایسا ہو لیکن اہل بدعت کے فساد کی بنیاد اور ابتداء دلوں سے ہوتی ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۸ ص ۲۳۱-۲۳۲)

رد کرنے میں حکمت اختیار کرنا:

حق کا اظہار اور باطل بات کا رد انتہائی ضروری ہے، مگر اس میں حکمت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ایک غلط بات کو سنا تو فوراً حج کے موقع پر منیٰ کے مقام پر رد کرنا چاہا لیکن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ اس کا رد مدینہ جا کر ہونا چاہیے، تاکہ سمجھدار لوگ بات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں تو انہوں نے قبول کیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آخری حج کیا تو ایک آدمی نے کہا کہ اگر امیر المومنین انتقال کر جائیں تو ہم فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں آج شام کو کھڑے ہو کر لوگوں کو ڈراؤں گا جو مسلمانوں کے حق کو غضب کرنا چاہتے ہیں، سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا آپ

ایسا نہ کریں اس لیے کہ حج کا موسم ہے، آپ کی مجلس میں زیادہ تر عام لوگ ہوں گے، مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ اس کو سن کر صحیح مقام پر نہیں رکھیں گے اور ہر طرف لے اڑیں گے، اس لیے آپ انتظار کریں دارالبحرۃ، دارالسنۃ یعنی مدینہ پہنچ کر صرف اصحاب رسول مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو جمع کریں، وہ لوگ آپ کی گفتگو کو یاد رکھیں گے اور صحیح مقام پر رکھیں گے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے یہی کہوں گا۔

(بخاری: ۷۳۲۳)

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں ایک بدعت ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور انہیں اس سے منع کرنے کی بجائے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف جاتے ہیں، گھر کے باہر بیٹھ کر ان کا انتظار کرتے ہیں، جب وہ باہر آتے ہیں تو انہیں بتا کر ان سے رد کرواتے ہیں تاکہ بڑے عالم کے رد سے بدعت کے رد میں زور پیدا ہو۔ ملاحظہ فرمائیں:

عمر بن یحییٰ کے دادا فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر صبح کی نماز سے پہلے بیٹھتے تھے، جب آپ باہر آتے تو ہم آپ کے ساتھ مسجد کی طرف جاتے۔ ہمارے پاس ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے کہا: ”ابو عبدالرحمن (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ابھی باہر نہیں آئے؟“ ہم نے کہا: ”نہیں۔“ پھر وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر آئے۔ جب وہ باہر آئے تو ہم سب ان کی طرف کھڑے ہوئے، ان سے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے ابو عبدالرحمن! میں نے مسجد میں ابھی ایک کام دیکھا ہے، وہ مجھے برا معلوم ہوا ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ”وہ کیا ہے؟“ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اگر آپ زندہ رہے تو اسے دیکھ لیں گے، میں نے ایک جماعت کو حلقوں کی شکل میں مسجد میں بیٹھ ہوئے دیکھا، وہ نماز کا انتظار کر رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، ہر حلقہ میں ایک آدمی ہے جو کہتا ہے: سو بار ”لا الہ الا اللہ“ پڑھو تو وہ سو بار ”لا الہ الا اللہ“ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو بار ”سبحان اللہ“ کہو تو وہ سو بار ”سبحان اللہ“ کہتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ”پھر تو نے ان سے کیا کہا؟“ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے

کہا: ”میں نے آپ کی رائے کا انتظار کرتے ہوئے، ان سے کچھ نہیں کہا؟“ انہوں نے کہا: ”کیا تم نے انہیں حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی برائیوں کو شمار کریں؟“ اور ان کو ضمانت دینا تھی اس طرح سے گنتے سے ان کی نیکیاں ضائع ہوں گی۔“ پھر وہ چلے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چلے، حتیٰ کہ آپ ان حلقوں میں سے ایک کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ”یہ کیا ہے، جو میں تمہیں کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟“ انہوں نے کہا: ”اے ابو عبد اللہ! ہم ان کنکریوں کے ساتھ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کو شمار کرتے ہیں۔“ انہوں نے فرمایا: ”اپنی برائیوں کو شمار کرو۔ میں ضامن ہوں کہ نہ گنتے سے تمہاری نیکیوں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت! تم پر افسوس ہے کہ تم کتنی جلدی ہلاک ہو رہے ہو۔ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور ان کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یا تو تم ایسے (بدعت والے) طریقے پر ہو جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے زیادہ ہدایت ہے یا تم نے گمراہی کا دروازہ کھولا ہوا ہے۔“ انہوں نے کہا: ”اے ابو عبد الرحمن! اللہ کی قسم! ہم نے تو صرف بھلائی کا ارادہ کیا تھا۔“ انہوں نے کہا: ”بہت سے لوگ نیکی کا ارادہ کرتے ہیں مگر انہیں نیکی حاصل نہیں ہوتی۔“

(سنن دارمی: ۲۱۰)

اہل بدعت سے مناظرہ کرنا

شیخ خالد بن أحمد الزہرانی فرماتے ہیں:

اہل بدعت سے مناظرہ کرنے کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ممدوح ۲۔ مذموم

۱۔ ممدوح مناظرہ:

ارشاد ربانی ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ﴾

أَحْسَنُ ﴿النحل: ۱۲۵﴾

”اے نبی (ﷺ)! آپ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان سے ایسے طریقہ سے مباحثہ کیجئے جو بہترین ہو۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مناظرے ذکر فرمائے ہیں، جیسے ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم اور نمرود سے مناظرہ، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مناظرہ۔

سلف میں سے بعض کا قول ہے:

ناظروا القدريّة بالعلم، فان أقرو به خصموا، وان جحدوا فقد كفروا
(جامع العلوم والحکم: ۱/۲۷۷)

”قدر یہ سے علم کے ساتھ مناظرہ کرو، اگر وہ اللہ کے علم کا اعتراف کریں گے تو ان سے بحث کی جائے گی اور اگر وہ علم الہی کا انکار کریں گے تو کفر کریں گے۔“

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گمراہ فرقوں میں سے بعض کے ساتھ مناظرہ کیا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج سے مناظرہ کرنا۔

۲۔ مذموم مناظرہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(أبغض الرجال الى الله الألد الخصم) (بخاری: ۲۳۵۷، مسلم: ۲۶۶۸)

”اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ آدمی وہ ہے جو سخت جھگڑنے والا ہو۔“

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی قوم ہدایت پانے کے بعد اس وقت تک گمراہ نہیں ہوتی، جب تک اس میں جھگڑا نہیں شروع ہو جاتا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَقَالُوا ۙ إِلَهْتُنَا أَخْيِرٌ مَّا صَرَبْنَاهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ (زخرف: ۵۸)

”(اور کہنے لگے) کیا ہمارے ”الہ“ اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ علیہ السلام)؟ وہ آپ کے سامنے یہ

مثال سر اسر کج بحثی کی خاطر لائے ہیں، بلکہ یہ ہیں ہی جھگڑالو“ (ترمذی: ۳۲۵۳)

عبدالرحمن بن ابوزناد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ادركنا أهل الفضل والفقه من خيار أولية الناس يعيرون أهل الجدل والتنقيب و الاخذ بالرأي أشد العيب، وينهوننا عن لقائهم ومجالستهم

، وحذرونا مقاربتهم أشد التحذير“ (الابانة الكبرى: ۲/۵۳۲)

”ہم نے بہترین لوگوں میں سے اہل فضل و فہم کو دیکھا کہ وہ جھگڑالو، بہت زیادہ کرید کرنے والوں اور اپنی رائے اختیار کرنے والوں کو سخت معیوب سمجھتے تھے اور ہمیں ایسے لوگوں سے ملنے جلنے سے اور ان کی قربت اختیار کرنے سے سختی سے منع کرتے تھے۔“

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”أصول السنة عندنا: التمسك بما كان عليه أصحاب رسول الله ﷺ والاعتداء بهم، وترك البدع، وكل بدعة فهي ضلالة، ترك الخصومات، والجلوس مع أصحاب الأهواء، وترك المراء والجدل والخصومات في الدين“ (شرح اصول اعتقاد السنة: ۱/۱۵۶)

”ہمارے نزدیک سنت کے اصول یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک کے ساتھ تمسک رکھا جائے، ان کی اقتدا اور پیروی کی جائے اور بدعات کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے، خواہش پرست اور بدعتی لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھا جائے، دین میں جھگڑوں کو ترک کیا جائے اور بحث و مناظروں سے پرہیز کیا جائے۔“

مناظرے کی شرائط اور مقاصد

۱۔ مخالفین کو حق کی دعوت دینا اور ان کے سامنے انکی بدعت کا بطلان ثابت کرنا

۲۔ دین کی حفاظت کرنا، مخالفین کی تحریفات اور تاویلات کی حقیقت کھولنا

۳۔ عام لوگوں کو بدعت میں واقع ہونے سے بچانا۔ اہل بدعت کے شبہات کا ازالہ کرنا

۴۔ مخالفین کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھولنا تاکہ لوگ ان کے شر سے بچ سکیں

۵۔ لوگوں کو کلمہ توحید پر جمع کرنا، ایسا بھی ممکن ہے جب دین میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والوں کا رد کیا جائے

جب مناظرے سے یہ مقاصد پورے ہوتے ہوں تو یہ مناظرہ شرعی کہلائے گا اور اگر یہ مقاصد نہ پائے گئے تو مناظرہ مذموم کہلائے گا۔

مناظرے کے اصول و ضوابط

علم کی بنیاد پر مناظرہ کرنا: مناظرہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مخالفین کے ساتھ علم کی اساس پر مناظرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر علم کے جدال کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ﴾

(الحج: ۳)
”کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں علم کے بغیر بحث کرتے اور ہر سرکش شیطان کی اتباع کرنے لگتے ہیں۔“

﴿هَآأَنْتُمْ هَآؤَآءِ حَآجَجْتُمْ فِيمَآ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَآ لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ؕ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (آل عمران: ۶۶)
”تم وہ لوگ ہو جو ان باتوں میں جھگڑا کرتے ہو جن کا تمہیں کچھ علم ہے مگر ایسی باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں کچھ علم ہی نہیں۔“

ابو فروخ رحمہ اللہ نے مالک بن انس رحمہ اللہ کو لکھا: ہمارے علاقے میں بدعات کی بھرمار ہے۔ میں نے بدعتیوں کا رد کرتے ہوئے کچھ لکھا ہے۔ امام مالک نے انہیں جواب دیا: ”لا یرد علیہم الا من کان ضابطاً عارفاً بما یقول لهم، لا یقدرون ان یرجعوا علیہ، فهذا لا بأس به، وأما غیر ذلک، فانی أخاف أن یکلمهم فی خطیئہ فیمضوا علی خطئہ، أو یظفروا ویزدادوا تمداً علی ذلک“ (الاعتصام للشاطبی)

”ان پر رد وہی شخص کرے جو پورے ضبط کے ساتھ ان باتوں کو جانتا ہو جو ان گمراہوں کو کہنا چاہیے تاکہ وہ اس پر غالب نہ آسکیں، اس صورت میں کوئی حرج نہیں وگرنہ مجھے خدشہ ہے جب وہ ان سے بحث کرے گا تو اس میں خطا کا شکار ہوگا، پھر وہ اپنی خطا پر قائم ہو جائے گا اس طرح یہ گمراہ لوگ کامیاب ہو جائیں گے اور سرکشی میں بڑھ جائیں گے۔“

۲۔ مخالف کی ہدایت کی طمع کرنا:

ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”سمعت محمد بن سیرین ینہی عن الجدل الا رجلاً ان کلمتہ طمعت فی رجوعہ“ (الاعتصام: ۴۲/۱)

”میں نے محمد بن سیرین کو سنا وہ مناظرہ کرنے سے منع کرتے تھے، سوائے اُس آدمی سے کہ جس سے جب مناظرہ کیا جائے تو مناظرہ کرنے والا اُس کے حق کی طرف رجوع کرنے کی طمع کرے۔“

اگر مناظرہ معاند (ہٹ دھرمی کے ساتھ باطل پر اڑارہنے والے) سے ہو جائے، تب ایسی صورت میں مناظرہ کرنا درست ہے جب اُس سے دوسرے لوگوں کو فائدہ حاصل ہونے کا یقین ہو اور مناظرہ ترک کرنے سے اہل سنت کی بے عزتی کا خدشہ ہو، اس قسم کے مناظرے کا تصور سلف کے ہاں بھی ملتا ہے، حافظ امام ابو بکر احمد اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں باطنی اسماعیلیوں میں سے ایک شخص نے حاکم وقت سے مناظرے کا مطالبہ کیا، امیر نے حافظ ابو بکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ کو مناظرے کے لیے بھیجا، یہ مناظرہ ایک مجمع کے سامنے ہوا جس میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اُس اسماعیلی کو عبرتناک شکست دی۔“

تفصیل کے لیے دیکھیے (الاعتصام: ۲۰۲، ۱/۲۰۳)

۳۔ مناظرہ کا اسلوب

مناظرے کا اسلوب آداب و اخلاق کے لحاظ سے مناسب ہونا چاہیے، مخالف کو اللہ سے ڈراتے ہوئے اُس پر احسن انداز میں حق واضح کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی غلطی سے رجوع کر لے۔

۴۔ مناظرہ کا مقصد حق کی نصرت

مناظرے کا مقصد حق تک پہنچنا اور حق کو اخلاص کے ساتھ بیان کرنا ہو، نہ کہ باطل کی نصرت اور حق کا انکار۔ جیسا کہ ہر کافر قوم کا وطیرہ رہا ہے:

﴿وَجَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾ (المؤمن: ۵)

”اور انہوں نے باطل سے نفاق بھگڑا کیا تاکہ باطل سے حق کو شکست دے سکیں۔“

اگر مناظرہ کا مقصد کج بحثی اور جھگڑا کرنا ہو تو یہ مشرکین کا طریقہ ہے

اسی طرح مناظرے کا مقصد اپنے علم و ذہانت کا اظہار کرنا، لوگوں کو اپنی صلاحیتوں سے متاثر کرنا، یا دنیا طلب کرنا نہ ہو، یہ سب مذموم مناظرے کی شکلیں ہیں۔

۵۔ مناظرہ بدعت کی شان و شوکت کا باعث نہ ہو۔

مناظرے کی وجہ سے بدعت کی شان و شوکت میں اضافہ اور اسے اہمیت نہ ملتی ہو

۔ امام لاکاؤی رحمہ اللہ مناظروں کا ایک نقصان یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے بدعتیوں کو اہمیت ملتی ہے اور لوگ انہیں حیثیت دیتے ہیں۔ (دعوة اهل البدع الشيخ خالد احمد الزهرانی)

• اہل بدعت (غیر مکفرہ) کی اقتداء میں نماز کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (البقرة: ۴۳)

”اور نماز پابندی سے ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

اس لیے اہلسنت کا شعار ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے کسی بھی شہر یا علاقے میں ہوں وہاں جمعہ، جماعت اور عید کی نمازوں میں ان لوگوں کے ساتھ شرکت کرتے اور تعلق و موالات رکھتے ہیں جو اسلام اور ایمان کے دائرہ سے خارج نہیں کیے جاسکتے۔

فضیلہ اشیح مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”اہل علم کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ فاسق اور اہل بدعت کو امام نہ بنایا جائے، اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، لیکن اگر وہ امام بنادینے گئے ہوں یا بالجبر وہ امام بن گئے ہوں تو ان کے پیچھے نماز درست ہے، اس لیے کہ بدعت فاسق ہے اور فاسق و فاجر کے پیچھے نماز جائز ہے۔ ((صلوا خلف کل بڑ و فاجر)) کی روایت کے الفاظ ضعیف ہیں، جیسا کہ علامہ ابن جوزی نے العلل المتناہیۃ (ج ۱، ص ۴۲۱، ۴۲۸) میں اس کے طرق نقل کر کے ان پر کلام کیا ہے اور امام احمد، امام دارقطنی اور امام عقیلی رحمہم اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس باب کی کوئی روایت ثابت نہیں، تاہم صحابہ کرام رحمہم اللہ کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ بلکہ ابن قدامہ اور علامہ شوکانی نے تو عصر اول میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔“ (نیل الاوطار: ج ۳ ص ۱۷۴)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حجاج کا ظالم ہونے کے علاوہ اس کا ناصبی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے والا) ہونا بھی کسی پر مخفی نہیں۔ امام بخاری نے التاریخ الکبیر اور امام بیہقی نے السنن الکبریٰ (ج ۳ ص ۱۲۲) میں عبد الکریم البکاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”ادركت عشرة من اصحاب النبي ﷺ كلهم

یصلی خلف ائمة الجور“ میں نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ سب ائمہ جور کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں باب امامۃ البفتون والابتدع قائم کیا اور اس میں امام حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ”صل وعلیہ بدعتہ“ ”بدعتی کے پیچھے نماز پڑھو اس کی بدعت کا وبال اسی پر ہے۔“ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اقدام کرنے والے بلوایوں سے بڑھ کر فتنہ پرداز اور کون ہو سکتا ہے مگر اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو انہوں نے اثبات میں اس کا جواب دیا اور فرمایا کہ ”من دعا الى الصلاة فاجيبوه“ جو نماز کی طرف بلاتا ہے، اس کی بات کو تم قبول کرو“ اور صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: ”الصلاة أحسن ما يعمل الناس فاذا أحسن الناس فأحسن معهم، وإذا أساء فاجتنب أساءتهم“ ”لوگ جو اچھا عمل کرتے ہیں، نماز ان میں سب سے اچھا عمل ہے، جب لوگ اچھا کام کریں تو تم ان کے ساتھ مل کر اچھا کام کرو اور جب کوئی برا کام کریں تو ان کے اس برے کام سے اجتناب کرو۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہ باب ذکر کر کے اشارہ کیا ہے کہ گناہ گار اور بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے اور اصول بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ: ”ان من صحت صلاته صحت امامته“ جس کی اپنی نماز درست ہے اس کی امامت بھی درست ہے، فقہاء کے اختلافی مسائل میں بھی یہی اصول ہے اور فاسق و بدعتی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ حدیث نبوی میں امامت کی جو شروط بیان ہوئی ہیں ان میں ”معصوم عن الخطأ“ کا ذکر بہر نوع نہیں۔ علامہ شوکانی نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا کہ امام کے لیے عدالت شرط نہیں، لیکن بدعتی اگر ایسی بدعت کا مرتکب ہے جو بدعت مکفرہ ہے تو اس کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں۔ امام احمد اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسے امراء اور ائمہ مساجد کے جہل اور تاویل کے عذر کی بنا پر انہیں معذور سمجھتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (

مجموع فتاویٰ ج ۷ ص ۵۰۸)

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد خلاصہ فرماتے ہیں:
 ”حاصل مسئلہ یہ ہے کہ اہل بدعت و فسق وغیرہ کو امام بنانا مکروہ ہے، اور ان کی اقتداء مکروہ
 تنزیہی ہے، اگر ان کے علاوہ دوسروں کے پیچھے نماز ممکن ہو تو یہی افضل ہے، ورنہ ان کے
 پیچھے نماز پڑھنا اکیلے پڑھنے سے اولیٰ ہے اور مناسب یہی ہے کہ ان کی اقتداء کی کراہت
 تب ہے جب کوئی دوسرا امام موجود ہو، اگر ایسا نہیں تو مکروہ بھی نہیں، جیسا کہ اس میں کوئی
 ابہام نہیں۔“ (مقالات تربیت: ص ۲۰۵)

☆ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما: خارجیوں اور خشکیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ (طبقات ابن
 سعد ۱/۱۶۹، ۱۷۰، حلیۃ الاولیاء ۱/۳۰۹ و سندہ صحیح)

آپ انہیں سلام بھی کہتے تھے۔ (اسنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۲۲، و سندہ صحیح)

☆ حجاج بن یوسف کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا:

”وکان ظلوماً جباراً ناصبياً خبیثاً...“

اور وہ ظالم جبار (اور) ناصبی خبیث تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۴/۳۴۳)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما مشہور ظالم حجاج بن یوسف جیسے بدعتی کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتے
 تھے۔ (اسنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۲۱، ۱۲۲، و سندہ حسن)

بدعت غیر مکفرہ ہو تو ایسے امام کی اقتداء میں ادا کی گئی نماز درست ہے، اس کے چند
 مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

امام کی غلطی اور خطا کاری سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی:

امام بخاری رحمہ اللہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں:

”باب اذا لم یتم الامام و اتم من خلفه۔“

”جب امام نے نماز کو کامل طور پر ادا نہیں کیا اور مقتدیوں نے کامل طور پر ادا کیا، اور
 اس عنوان کے تحت یہ حدیث نقل کی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر اماموں نے نماز اچھی طرح (ارکان کی تعدیل اور سنتوں کی رعایت کے ساتھ) پڑھائی تو تمہارے لیے بھی ثواب ہے اور ان کے لیے بھی ثواب ہے اور اگر نماز پڑھانے میں خطا کی (یعنی رکوع و سجود کی عدم طمانیت، اور قوے، جلسے کے فقدان سے نماز پڑھائی) تو تمہارے (مقتدیوں) کے لیے ثواب ہے اور ان کے لیے وبال ہے۔“ (صحیح بخاری: ۶۹۴)

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی امام بے وضو یا بحالت جنابت نماز پڑھا دیتا ہے تو مقتدیوں کی نماز صحیح اور امام پر نماز کا اعادہ ہے خواہ اس نے یہ فعل ارادتا کیا ہو یا لاعلمی کی بنا پر۔“ (شرح السنۃ)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تیرا کیا حال ہوگا، جس وقت تجھ پر ایسے امام (حاکم) ہوں گے جو نماز میں دیر کریں گے یا اس کے وقت سے قضا کریں گے؟“ میں نے کہا کہ آپ مجھے اس حال میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”نماز کو اس کے وقت پر پڑھ، پھر اگر تو اس نماز (کی جماعت) کو ان کے ساتھ پالے تو (ان کے ساتھ) دوبارہ نماز پڑھ لے تحقیق یہ نماز تیرے لیے نفل ہوگی۔“ (مسلم: ۶۳۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں نماز کو اس کے وقت سے قضا کرنے والے ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

☆ امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہم صحابہ میں سے کسی کو نہیں جانتے کہ جو مختار، عبید اللہ بن زیاد، حجاج یا ان سے بڑے کسی فاسق کے پیچھے نماز ادا کرنے سے رکے ہوں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ﴾

(الباقعة: ۲)

”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کیا کرو۔“ (الحملی، ج ۳، ص ۳۰۲)

یہی موقف تابعین اور ان کے بعد آنے والے ائمہ کا ہے۔

☆ کسی آدمی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا:

”خوارج میں سے ایک شخص ہماری امامت کرواتا ہے، کیا ہم اس کے پیچھے نماز ادا کر لیا کریں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں، لوگوں کو اس سے زیادہ شر والوں نے امامت کروائی ہے۔“ (أصول السنۃ لابن ابی زینین: ج: ۳، ص: ۲۵۴)

☆ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے: ”فلنا صدقہ وعلیہ بدعتہ۔“ پس اس کی سچائی ہمارے لئے ہے اور اس کی بدعت اسی پر (وبال) ہے۔ (میزان الاعتدال ۱/ ۵ ترجمہ ابان بن تغلب)

علامہ ابن العز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: والفاسق والمبتدع صلاتہ فی نفسہا صحیحۃ فاذا صلی المأموم خلفہ لم تبطل صلاتہ۔
”فاسق اور بدعتی کی نماز فی نفسہا صحیح ہے، اگر مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔“ (شرح الطحاوی، ص ۷۴، ۷۵)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ”جہمی“ امراء و حکام کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہر جہمی کافر نہیں، یہ دراصل اپنی بے خبری اور جہالت کی بنا پر جمہور کے ہاتھ چڑھے ہوئے تھے، وہ درحقیقت جانتے نہ تھے کہ یہ عقیدہ کفر ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۰۷، ۵۰۸)

فضیلہ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ سے جب بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فتویٰ دیا:۔
اہل بدعت کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی ہیں

2۔ جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی نہیں ہیں

ان میں سے پہلی قسم کے اہل بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔ اللہ

تعالیٰ کے ہاں ان کی نماز صحیح نہیں، لہذا یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام بنیں اور وہ اہل بدعت جن کی بدعتیں کفر تک نہیں پہنچاتیں تو ان کے پیچھے نماز کا حکم، علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، رائج بات یہ ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے سوائے اس صورت کے کہ ان کے پیچھے نماز ترک کرنے میں مصلحت ہو مثلاً نماز نہ پڑھنے کی صورت میں اگر ان کے لیے تنبیہ ہو اور اس طرح وہ اپنے فسق و فجور کو ختم کر سکتے ہوں تو پھر اس مصلحت کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (فتاویٰ اسلامیہ جلد اول ص: ۳۸۹)

مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”علماء کے صحیح قول کے مطابق بدعتی، کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے اور دیگر گناہگاروں کے پیچھے نماز صحیح ہے بشرطیکہ بدعت کفر تک پہنچانے والی نہ ہو اور اگر بدعت کفر تک پہنچانے والی ہو جیسے جہمیہ وغیرہ ایسے بدعتی ہیں جو اپنی کفریہ بدعات کے باعث دائرہ اسلام ہی سے خارج ہیں تو ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں، لیکن ذمہ دار اصحاب پر یہ واجب ہے کہ امامت کے لیے ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو بدعت، فسق و فجور سے پاک ہوں اور اچھے سیرت و اخلاق کے مالک ہوں، کیونکہ امامت ایک عظیم امانت ہے، امام مسلمانوں کا قائد ہوتا ہے لہذا اگر اچھے لوگوں کو امامت پر فائز کرنا ممکن ہو تو ایک بدعتی اور فاسق کو امام نہیں بنانا چاہیے۔“ (فتاویٰ اسلامیہ جلد اول ص: ۵۰۰)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا:

بدعات پر عمل کرنے والے علاقے میں مقیم شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس شخص کا ان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرنا، نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ یا اسے انفرادی طور پر اپنی نماز ادا کرنی چاہیے اور کیا اس سے نماز جمعہ ساقط ہو جائے گا؟

شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ہر نیک یا فاجر امام کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرنا واجب ہے، اگر نماز جمعہ پڑھانے والے امام کی بدعت ایسی نہ ہو جو اسے اسلام سے خارج کر دے تو اس

کے پیچھے نماز ادا کی جائے گی۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَنَرَى الصَّلَاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ وَمِنْ مَاتَ مِنْهُمْ“

(عقیدۂ طحاوی)

”ہم اہل قبلہ میں ہر نیک و فاجر کے پیچھے نماز ادا کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اسی طرح جو فوت ہو چکے، ان کے لیے دعائے مغفرت کو بھی درست جانتے ہیں“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اگر مقتدی کو علم ہو کہ امام بدعتی ہے اور وہ اپنی بدعت کی دعوت دیتا ہے یا وہ فاسق ہے اور اس کا فسق ظاہر ہے اور وہ مستقل امام ہے جس کے بغیر نماز پڑھنا ممکن نہیں، مثلاً جمعہ اور عیدین کی امامت وہی کرواتا ہے اور عرفات میں نماز حج وغیرہ کا بھی امام وہی ہے تو عام سلف و خلف کے ہاں مقتدی اس کے پیچھے نماز ادا کرے گا، امام شافعی، امام احمد، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے، اسی لیے وہ عقائد میں یہ بات ذکر کرتے ہیں: ”جمعہ اور عید کی نماز ہر نیک یا فاجر امام کے پیچھے پڑھے گا۔ اسی طرح اگر کسی بستی میں صرف ایک ہی امام ہو تو اس کے پیچھے نماز باجماعت ادا کی جائے گی، کیونکہ نماز باجماعت ادا کرنا اکیلے نماز ادا کرنے سے افضل ہے، چاہے امام فاسق ہی ہو۔“

جمہور علماء کرام امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے، بلکہ امام احمد کے مذہب میں نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے اور امام احمد وغیرہ کے ہاں جس نے فاجر امام کے پیچھے جمعہ اور نماز باجماعت ترک کی، وہ بدعتی ہے، صحیح یہی ہے کہ وہ بدعتی کی اقتداء میں نماز ادا کرے گا اور اسے دھرائے گا نہیں، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز جمعہ اور باجماعت نماز فاجر اماموں کے پیچھے ادا کرتے اور اسے لوٹاتے نہیں تھے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حجاج کے پیچھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے علاوہ دیگر صحابہ ولید بن عقبہ (جو کہ شراب پیتا تھا) کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے۔

فاسق اور بدعتی کی نماز فی نفسہ صحیح ہے، چنانچہ جب اس کے پیچھے مقتدی نماز ادا کرے تو اس کی نماز باطل نہیں، جن علماء نے بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ سمجھی ہے تو وہ اس لیے کہ نیکی کا

حکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو شخص بدعت یا فسق ظاہر کرتا ہو، اسے مسلمانوں کی امامت نہیں دینی چاہیے، کیونکہ وہ تعزیر اور سزا کا مستحق ہے حتیٰ کہ وہ اس سے توبہ کر لے، اگر توبہ کرنے تک اس سے بایکٹ کرنا ممکن ہو تو یہ بہتر ہے، (کیونکہ) کچھ لوگ جب اس کے پیچھے نماز ادا کرنا ترک کر دیں گے اور کسی دوسرے کی پیچھے نماز پڑھیں گے تو یہ اس پر اثر انداز ہوگا، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے یا پھر اسے امامت سے معزول کر دیا جائے یا اس سزا کو دیکھتے ہوئے لوگ اس طرح کے گناہ سے باز آجائیں۔ اس طرح (کی مصلحت حاصل ہوتی ہو تو) اس میں مصلحت ہے بشرطیکہ مقتدی کی نماز باجماعت اور جمعہ نہیں رہنا چاہیے، لیکن اگر اس کے پیچھے نماز ترک کرنے سے مقتدی کا نماز جمعہ اور نماز باجماعت رہ جائے تو تب ان کے پیچھے نماز ترک نہیں کی جائے گی“ (مجموع الفتاویٰ: 23/356-351) (مجموع فتاویٰ شیخ ابن باز: 4/303)

عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال: فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:- بدعتی فاسق و فاجر جو حد کفر کو نہ پہنچا ہو، اس کے پیچھے نماز تو ہو جاتی ہے مگر ایسے شخص کو امام بنانے والے مجرم ہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم (دارقطنی) اپنے امام بہتر لوگوں کو بنایا کرو، ہاں اگر ایسا شخص جبراً امام بن جائے اور مقتدی ہٹانے پر قادر نہ ہوں تو اس صورت میں مقتدی مجرم نہیں نہ ان کی نماز میں کوئی خلل ہے۔ (فتاویٰ الامدیث جلد اول: ۵۶۳)

مستور الحال کی اقتداء میں نماز

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن أصول أهل السنة والجماعة أنهم يصلون الجمع والأعياد والجماعات، لا يدعون الجمعة والجماعة كما فعل أهل البدع من الرافضة وغيرهم۔“

فان كان الامام مستورا لم يظهر منه بدعة ولا فجور ضلي خلفه
الجمعة والجماعة باتفاق الأئمة الأربعة وغيرهم من أئمة المسلمين، ولم
يقبل أحد من الأئمة: انه لا تجوز الصلاة الا خلف من غلّم باطن أمره، بل
ما زال المسلمون من بعدنيهم يصلون خلف المسلم المستور... وأما اذا لم
يكن الصلاة الا خلف المبتدع أو الفاجر كالجمعة التي امامها مبتدع أو
فاجر وليس هناك جمعة أخرى فهذه تصلى خلف المبتدع والفاجر عند
عامة أهل السنة والجماعة.

وكان بعض الناس اذا كثرت الأهواء يحب أن لا يصلي الا خلف من
يعرفه على سبيل الاستحباب، كما نقل ذلك عن أحمد أنه ذكر ذلك لمن
سأله، ولم يقل أحمد انه لا تصح الا خلف من أعرف حاله.

فالصلاة خلف المستور جائزة باتفاق علماء المسلمين، ومن قال: ان
الصلاة محرمة أو باطلة خلف من لا يعرف حاله. فقد خالف اجماع أهل
السنة والجماعة...

فالوجب على المسلم اذا صار في مدينة من مدائن المسلمين أن يصلي
معهم الجمعة والجماعة ويوالي المؤمنين ولا يعاديهم. وان رأى بعضهم
ضالاً أو غاوياً وأمكن أن يهديه ويرشده فعل ذلك، والا فلا يكلف الله
نفساً الا وسعها. واذ كان قادراً على أن يولي في امامة المسلمين الأفضل
ولاً، وان قدر أن يمنع من يظهر البدع والفجور منعه. وان لم يقدر على
ذلك فالصلاة خلف الأعم بكتاب الله وسنة نبيه الأسبق الى طاعة الله
ورسوله أفضل، كما قال النبي ﷺ في الحديث الصحيح: ((يؤم القوم
أقرهم لكتاب الله، فان كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة، فان
كانوا في السنة سواء فأقدمهم هجرة، فان كانوا في الهجرة سواء فأقدمهم

سناء))۔

وأن كان في هجره لمظهر البدعة والفجور مصلحة راجحة هجره، كما هجر النبي ﷺ الثلاثة الذين خَلَفُوا حتى تاب الله عليهم۔ وأما إذا ولي غيره بغير اذنه وليس في ترك الصلاة خلفه مصلحة شرعية كان تفويت هذه الجمعة والجماعة جهلاً وضلالاً، كان قدر بدعة بدعة۔

”اہلسنت والجماعت کے اصول میں ہے کہ وہ جمعہ، عید اور جماعت کی نمازوں میں شرکت کرتے ہیں اور جمعہ و جماعت کو نہیں چھوڑتے، جیسا کہ روافض یا دیگر اہل بدعت کرتے ہیں، چنانچہ اگر امام مستور الحال ہو اور انسان اس کے ہاں کوئی بدعت یا فسق و فجور نہ پائے تو ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کے پیچھے جمعہ و جماعت کی نماز ادا کرنی چاہیے۔ ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب تک آدمی اس کی اصل حقیقت حال نہ جان لے، اس وقت تک ان کے پیچھے نماز جائز نہیں، بلکہ نبی اکرم ﷺ کے عہد سے لے کر اب تک مسلمان مستور الحال مسلمان کے پیچھے نماز ادا کرتے آئے ہیں۔ تاہم جب ایک بدعتی یا فاجر شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کے علاوہ اور کہیں جماعت ممکن نہ ہو مثلاً امام جمعہ بدعتی یا فاجر ہو اور وہاں کہیں دوسرا جمعہ نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں عام اہلسنت والجماعت کے ہاں اسی بدعتی یا فاجر شخص کے پیچھے نماز ادا کی جائے گی۔

تاہم جب اھواء و شہوات کی بھرمار ہوئی تو بعض حضرات بطور استیجاب کسی شخص کے بارے میں جان کے ہی اس کے پیچھے نماز ادا کرنا پسند کرتے تھے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک سائل کو یہ بات کہی، تاہم انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جب تک کسی کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

مستور الحال کی اقتدا میں نماز کے جواز پر جملہ مسلمان ائمہ کا اتفاق ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جس آدمی کے بارے میں علم نہ ہو، اس کے پیچھے نماز حرام یا باطل ہے تو وہ اہلسنت

والجماعت کے اجماع کا مخالف ہے..... چنانچہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے کسی بھی شہر یا علاقہ میں ہو تو وہ ان کے ساتھ جمعہ و جماعت میں شرکت کرے اور مسلمانوں سے تعلق، دوستی اور وفاداری رکھے اور ان سے دشمنی یا بیر نہ رکھے، اگر ان میں سے کسی کو گمراہ یا غلط راستے پر پڑا ہوئے دیکھے اور اسے ہدایت اور رشد و نصیحت کا راستہ دکھا سکتا ہو تو یہ کام ضرور کرے، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔ امامت کے منصب پر کسی افضل آدمی کو فائز کرانے میں اگر اس کی چلتی ہو تو ضرور ایسا کرے، بدعت اور فسق و فجور عام کرنے والوں کو روکنے کی طاقت رکھتا ہو تو یہ کام بھی ضرور کرے، تاہم اگر مذکورہ استطاعت نہ ہو تو ایسے شخص کے پیچھے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا علم زیادہ رکھتا ہو اور دوسروں سے بڑھ کر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہو، نماز ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے صحیح حدیث میں مروی ہے:

يَوْمَ الْقَوْمِ اَقْرَهُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ، فَاِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمَهُمْ بِالسُّنَّةِ ، فَاِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمَهُمْ بِهَجْرَةٍ، فَاِنْ كَانُوا فِي الْهَجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمَهُمْ سِبْتًا.....

”کہ امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو، اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو سنت کا بڑا عالم ہو اور اگر سنت کے علم میں برابر ہوں تو جس نے ہجرت پہلے کی ہو اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو جو عمر میں سب سے بزرگ ہو۔“

بدعت و فجور کے اعلانیہ کرنے والے سے ہجرت و کنارہ کشی اختیار کرنے میں کوئی راجح مصلحت ہو تو اس سے یہی رویہ روار رکھے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ رویہ رکھا تھا جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تاہم جب اس کی رضامندی کے بغیر ایسے شخص کو امام بنایا جائے اور اس کی امامت میں نماز ترک کرنے میں کوئی شرعی مصلحت نہ ہو تو جمعہ اور جماعت کو فوت کرنا جہالت اور گمراہی ہے

اور ایسا آدمی بدعت کا جواب بدعت سے دیتا ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۳ ص ۲۸۰-۲۸۶)

الجنة الدائمة للافتاء سے درج ذیل سوال کیا گیا:

اگر ذبح کرنے والے کے عقیدے کا علم نہ ہو تو اس کا ذبح کیا ہوا گوشت کھانے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ”اگر وہ ظاہراً مسلمان ہو اور انسان اس کے عقیدے کو نہ جانتا ہو اسی طرح اس کے متعلق یہ علم بھی نہ ہو کہ اس کے عقیدہ میں انحراف پایا جاتا ہے، تو ایسے مجہول الحال شخص کے پیچھے نماز ادا کرنا اور اس کا ذبح کیا ہوا گوشت کھانا صحیح ہے۔“

(فتاویٰ اللجنة الدائمة: 365/7)

اہل بدعت کے ساتھ مل کر جہاد کرنا

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولهذا كان من أصول أهل السنة والجماعة الغزومع كل بر وفاجر، فان الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر، وبأقوام لا خلاق لهم، كما أخبر بذلك النبي ﷺ..... فانه لا بد من أحد أمرين: اما ترك الغزو معهم فيلزم من ذلك استيلاء الآخرين الذين هم أعظم ضرراً في الدين والدنيا. واما الغزو مع الأمير الفاجر فيحصل بذلك دفع الأتجبرين. واقامة أكثر شرائع الاسلام، وان لم يمكن اقامة جميعها - فهذا هو الواجب في هذه الصورة، وكل ما أشبهها بل كثير من الغزو والحاصل بعد الخلفاء الراشدين، لم يقع الا على هذا الوجه.“

”اہلسنت والجماعت کے اصول میں یہ شامل ہے کہ ہر نیکو کار اور گناہ گار امیر کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد ایک گناہ گار یا فاجر آدمی کے ذریعے بھی کر سکتا ہے اور ایسے لوگوں کے ذریعے سے بھی جو نیکی سے تہی دامن ہوں، اس لئے دو امور میں سے ایک لازمی طور پر اختیار کرنا پڑے گا یا تو ان امراء کے ساتھ مل کر قتال چھوڑ دیا جائے جس کی بنا پر دوسروں کا غلبہ یقینی ہوگا جو کہ دین اور دنیا دونوں پہلوؤں سے زیادہ بڑے ضرر اور نقصان کے حامل ہیں یا پھر ایک فاجر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے جس کے نتیجے میں اس سے کہیں زیادہ بڑے فاجروں اور بدکاروں کو پسپا کیا جاسکتا ہے اور اگرچہ مکمل طور پر نہ سہی بیشتر احکام اسلام کا قیام ہو سکتا ہے، اس صورت حال یا اس قسم کے حالات میں یہی واجب ہے بلکہ بیشتر جنگیں جو خلفاء راشدین کے بعد لڑی گئی ہیں، وہ اسی پہلو اور اسی نقطہ نظر ہی کی بنا پر لڑی گئی ہیں۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۸ ص ۵۰۶)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((یأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر، علی ماتوجبه الشریعة، ویرون اقامة الحج والجهاد، والجمع الأعیاد مع الأمراء - ابرارًا كانوا أو فجارًا - ویحافظون علی الجماعات ویدینون بالنصیحة للأمة، ویعتقدون معنی قوله ﷺ ((المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً)) وشبك بين أصابعه ﷺ - وقوله ﷺ: ((ومثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالحسنى والسهر))

”اہلسنت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے ہیں، امیر جیسے بھی ہوں، نیکو کار ہوں یا فاجر، اہلسنت ان کے ساتھ مل کے حج، جہاد، جمعہ اور عید وغیرہ کا قیام درست سمجھتے ہیں، ”جماعت“ کی محافظت اور پاسبانی کرتے ہیں، امت کی خیر خواہی کو دین سمجھتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر پورا اعتقاد رکھتے ہیں کہ مومن دوسرے مومن کے لیے اُس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ مومنین کی باہم مودت، رحم و ترس اور تعلق و ہمدردی کی مثال بالکل جسد واحد کی سی ہے، اگر اس کے ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی وجہ سے بخار زدہ اور پریشان رہتا ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ،

ج ۳ ص ۱۵۸)

”اگر جہاد کسی اور طریقے سے ممکن نہ ہو تو کسی بھی امیر یا گروہ کے ساتھ مل کر یہ فریضہ سرانجام دیا جائے اور اس سلسلے میں وہ گروہ جس کے ساتھ مل کر آدمی قتال کرتا ہے اس کا ایسے کسی بھی معاملے میں ساتھ نہ دے جس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت ان کی اطاعت کرے اور اس کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرے کیونکہ ((لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق)) ”خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔“ امت کے افضل ترین لوگوں کا ماضی و حال ہر زمانے میں یہی طریقہ رہا ہے اور یہ ہر مکلف پر فرض ہے، یہ طریق وسط ہے، ایک انتہاء پر حروریہ

(خوارج) ہیں جو فاسد زہد و ورع کے مسلک پر چلتے ہیں اور درحقیقت یہ کم علمی کا نتیجہ ہے جبکہ دوسری انتہاء پر مرجعہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ ہیں جو امراء کی اطاعت مطلق کے مسلک پر چلتے ہیں چاہے وہ نیکو کار نہ بھی ہوں۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۸ ص ۵۰۸)

حکم کے لحاظ سے سنت کی مخالفت میں

واقع ہونے والوں کی اقسام

سنت کی مخالفت میں واقع ہونے والے حکم میں برابر نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض اجتہادی غلطی پر ہوتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں جو جاہل اور لاعلم ہونے کے باعث معذور ٹھہرتے ہیں، بعض ظالم اور بعض منافق و زندقہ ہوتے ہیں اور بعض مشرک اور گمراہ۔ ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ احکام ہیں

1۔ مجتہد غلطی:

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَخُذُ لَمْ فِي الْخِزْيِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ، وَكَانَ لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۖ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾

(الانبیاء: ۷۸، ۷۹)

”اور یاد کیجئے جب داؤد اور سلیمان ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جسے دوسرے لوگوں کی بکریاں چر گئیں تھیں اور جب وہ فیصلہ کر رہے تھے تو ہم دیکھ رہے تھے اس وقت ہم نے سلیمان کو صحیح فیصلہ سمجھا دیا جب کہ ہم نے قوت فیصلہ اور علم سب کو عطا کیا تھا۔“

جب ایک کھیتی کا مالک داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے آیا جس کے کھیت میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں داخل ہو گئیں اور اس کی فصل کو اجاڑ دیا۔ داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ تمام بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں کیونکہ بکریوں کے مالک نے کوتاہی سے کام لیا، سلیمان علیہ السلام نے اس جھگڑے میں حق کے مطابق فیصلہ سنایا کہ بکریوں کے مالک اپنی بکریاں کھیتی کے مالک کے حوالے کر دیں وہ ان کے دودھ

اور اون سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں کے مالک کھیت میں اس وقت تک کام کریں جب تک کھیتی اپنی پہلی حالت میں نہ آجائے؛ جب کھیتی اپنی پہلی حالت میں آجائے تو دونوں ایک دوسرے کا مال لوٹا کر اپنا اپنا مال لے لیں۔ (حاکم ۲-۵۸۸ بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

یہ فیصلہ سلیمان علیہ السلام کے کمال فہم پر دلالت کرتا ہے۔ اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ جب حاکم کوئی فیصلہ کرتا ہے تو کبھی اس کا فیصلہ حق کے مطابق ہوتا ہے اور کبھی اس سے خطا ہو جاتی ہے۔ اگر کوشش کے باوجود فیصلے میں خطا ہو جائے تو وہ ملامت کا مستحق نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے دونوں انبیاء کی تعریف و ثناء بیان کی ہے کہ دونوں کو علم و حکمت سے نوازا گیا تھا مگر اس مسئلہ میں درست فہم سلیمان علیہ السلام کا تھا۔ اسی طرح علماء میں سے کسی کو درست فہم حاصل نہ ہونا اُس عالم کی مذمت کو لازم نہیں کرتا۔“ (مجموع الفتاویٰ: ج: ۳۳، ص: ۲۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بعض اوقات اپنے کئی اجتہادات میں غلطی کھائی، جیسے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے امیر کی اطاعت کے وجوب سے استدلال کیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو آگ میں کودنے کا حکم دے سکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن حذافہ انصاری رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں ایک لشکر بھیجا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ اپنے سپہ سالار کی اطاعت کریں۔ راستہ میں سپہ سالار کو کسی بات پر غصہ آگیا۔ اس نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر آگ جلائی۔ سپہ سالار نے کہا اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ بعض لوگوں نے حکم کی تعمیل کا ارادہ کیا اور بعض نے انکار کیا اور دوسروں کو بھی تعمیل کرنے سے روکتے رہے اور کہا کہ ہم آگ ہی سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے۔ اس بحث میں آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور سپہ سالار کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس میں سے نہ نکلتے اور فرمایا اطاعت تو صرف معروف کاموں میں ہے۔ (بخاری)

۲۳۲۰- مسلم، ج- ۱۸۴۰)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اعتقاد الفرقة الناجية هي الفرقة التي وصفها النبي ﷺ بالنجاة))
حيث قال: ((تفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة، اثنتان وسبعون في النار وواحدة في الجنة، وهي ما كان على مثل ما أنا عليه اليوم وأصحابي))
فهذا الاعتقاد هو المأثور عن النبي ﷺ وأصحابه رضی الله عنهم،
وهم ومن اتبعهم الفرقة الناجية... وليس كل من خالف في شيء من هذا
الاعتقاد يجب أن يكون هالكاً فإن المنازع قد يكون مجتهداً مخطئاً يغفر الله
خطأه، وقد لا يكون بلغه في ذلك من العلم ما تقوم به عليه
الحجة، وقد يكون له من الحسنات ما يمحو الله به سيئاته، وإذا كانت ألفاظ
الوعيد المتناولة له لا يجب أن يدخل فيها المتأول، والقانت، وذو الحسنات
الماحية، والمغفور له وغير ذلك: فهذا أولي))

”فرقہ ناجیہ کے عقائد اسی فرقہ کے عقائد ہیں جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے نجات کی پیشینگوئی کی تھی..... یہ عقائد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماثور ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے پیچھے چلنے والے ہی فرقہ ناجیہ ہیں۔ مگر ہر اس شخص کا جو ان عقائد میں سے کسی بات کی مخالفت کرتا ہے لازمی طور پر ہلاکت میں پڑنا ضروری نہیں، کیونکہ مخالف بسا اوقات اجتہاد کی بنا پر غلطی کرتا ہے اور ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے یا بعض اوقات یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے ایسی بات کا علم نہ ہوا ہو جس سے اس پر حجت قائم ہو سکے، یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی نیکیاں اس کی برائیوں کو مٹانے کے قابل ہو جائیں۔ جب ایسی صورت ہے کہ کسی وعید کے الفاظ کی زد میں آنے کے باوجود ایک تاویل کرنے والا، خوف اور خشوع رکھنے والا شخص جس کے گناہ اس کی نیکیوں سے مٹ

سکتے ہوں جو قابل مغفرت ہو، اس کا وعید میں لازمی اور قطعی طور پر داخل ہونا ضروری نہیں ہے تو (اجتہاد کی بنا پر) غلطی کرنے والا شخص تو ان سے اولیٰ ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ: ج ۳ ص ۱۷۹)

2۔ جاہل قابل عذر

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵)

”اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیجیں۔“

ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کیا جبکہ ان کو معلوم نہ تھا کہ غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ شام سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کیا آپ ﷺ نے پوچھا اے معاذ یہ کیا ہے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں شام سے آیا اور میں نے وہاں لوگوں کو دیکھا جو اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے تھے۔ میرا دل چاہا کہ میں بھی آپ کو سجدہ کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو اگر اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (ابن ماجہ: ۱۸۵۳)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فمن كان قد آمن بالله ورسوله، ولم يعلم بعض ما جاء به الرسول، فلم يؤمن به تفصيلاً؛ اما أنه لم يسمعه، أو سمعه من طريق لا يجب التصديق بها، أو اعتقد معنى آخر لنوع من التأويل الذي يعذره به. فهذا قد جعل فيه من الايمان بالله وبرسوله، ما يوجب أن يشبهه الله عليه. وما لم يؤمن به فلم تقم عليه الحجة التي يكفر مخالفتها))

”چنانچہ وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لاچکا ہے مگر بعض ایسے

امور کا اسے علم نہیں ہوا جنہیں اللہ کے رسول ﷺ لے کے آئے ہیں۔ اس بنا پر وہ ان امور کے ساتھ ایمان مفصل نہ لاسکا، یا تو اس نے ان کے بارے میں سن ہی نہیں رکھا اگر سنا ہے تو ناقابل اعتماد ذریعہ سے، یا پھر وہ کسی ایسی تاویل وغیرہ کی بناء پر جو قابل غدر ہے کسی اور مطلب و معنی کا اعتقاد رکھتا ہے، تو ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان والا ہے جس پر اللہ کی طرف سے ثواب کا مستحق ہے اور جن باتوں کے ساتھ وہ ایمان نہیں لاسکا تو اس سلسلے میں اس پر وہ حجت قائم نہیں ہوئی جس کا مخالف کافر قرار پاتا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ، ج ۱۲، ص: ۴۹۴)

3۔ ”ظلم“ اور ”عدوان“ کے مرتکب

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ومن أهل البدع من يكون فيه ايمان باطنا وظاهرا، لكن فيه جهل وظلم حتى أخطأ ما أخطأ من السنة، فهذا ليس بكافر ولا منافق، ثم قد يكون منه عدوان وظلم يكون به فاسقا أو عاصيا، وقد يكون مخطئاً متأولاً مغفوراً له خطؤه، وقد يكون مع ذلك معه من الايمان والتقوى ما يكون معه من ولاية الله بقدر ايمانه وتقواه))

بدعات کے حاملین میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جن میں باطناً اور ظاہراً ایمان ہوتا ہے مگر جہل اور ظلم کی بنا پر مذہب سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔ ایسا شخص نہ تو کافر ہے اور نہ ہی منافق، اس کا ظلم و عدوان ہو سکتا ہے اس درجے کا ہو کہ اس کی بنا پر زیادہ سے زیادہ فاسق یا عاصی (نافرمان) ٹھہرتا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایمان اور تقویٰ اس حد تک ہو کہ اپنے ایمان اور تقویٰ کے بقدر اللہ کے ساتھ اس کی دوستی و وفاداری اور وابستگی کا رشتہ ہنوز قائم ہو (مجموع الفتاویٰ، ج ۳ ص ۳۵۴)

حجاج بن یوسف ایک ظالم حکمران تھا۔ حجاج بن یوسف نے صحابی رسول عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور ان کی لاش کو مدینہ کی ایک گھاٹی کے ایک درخت سے لٹکا دیا۔ قریشی

اور دوسرے لوگ اس کو دیکھتے ہوئے گزرتے تھے۔ جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے پاس سے گزرے تو کھڑے ہو کر فرمایا:

السلام علیک ابا خبیب، السلام علیک ابا خبیب، السلام علیک ابا خبیب، اللہ کی قسم میں آپ کو اس سے پہلے بھی روکتا تھا۔ اللہ کی قسم میں نے آپ کی طرح روزہ دار رات کو بندگی کرنے والا اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا..... سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے جانے کے بعد جب حجاج کو اس کلام کی اطلاع ملی تو اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نعش اس گھاٹی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دی۔ پھر عبداللہ کی والدہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی لخت جگر ام المومنین عائشہ صدیقہ کی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف آدمی بھیج کر ان کو بلوایا۔ انہوں نے آنے سے انکار کر دیا تو حجاج نے دوبارہ آدمی بھیجا اور کہا کہ اگر تم نہیں آؤ گی تو میں تیری طرف ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو تجھے بالوں سے کھینچتا ہوا میرے پاس لائے گا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم میں تیرے پاس نہیں آؤں گی، چاہے تو میری طرف ایسے آدمی کو بھیج جو مجھے بالوں سے کھینچتا ہوا لائے، حجاج جو تیاں پہن کر اکڑتا ہوا سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا تو نے دیکھا میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے جواب دیا تو نے اس کی دنیا خراب کر دی اور اس نے تیری آخرت خراب کر دی اور سن مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو عبداللہ کو دو کمر بندوں والی کا بیٹا کہتا ہے اللہ کی قسم میں دو کمر بندوں والی ہوں ایک کمر بند سے تو میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما کا کھانا باندھا تھا اور دوسرا کمر بند وہی تھا کہ جس کی عورت کو ضرورت ہوتی ہے اور سن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ایک حدیث بیان فرمائی تھی کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم ہو گا۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم میں تیرے علاوہ کسی کو نہیں سمجھتی۔ راوی کہتے ہیں کہ حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو کوئی جواب نہیں دیا۔ (مسلم: ۲۵۴۵)

لیکن اس ظلم کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے مسلمان سمجھا اور اس کے پیچھے نمازیں تک ادا کیں۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میرے بعد ایسے امراء ہوں گے جو میری ہدایت سے راہنمائی حاصل نہ کریں گے اور نہ میری سنت کو اپنائیں گے اور عنقریب ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے جسموں میں شیطان کے دل ہوں گے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں کیا کروں اگر اس زمانہ کو پاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا امیر کی بات سن اور اطاعت کر اگرچہ تیری پیٹھ پر مارا جائے یا تیرا مال غصب کر لیا جائے پھر بھی ان کی بات سن اور اطاعت کر۔“ (مسلم: ۱۸۴)

5۔ منافق

سنت کی مخالفت کرنے والوں میں منافق بھی ہوتے ہیں یہ لوگ ظاہر میں اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے کفر کو باطن میں چھپاتے ہیں۔ اس لیے یہ کافروں سے بھی زیادہ بد بخت ہیں۔ منافق یقیناً جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ، وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾

(النساء: ۱۴۵)

”یہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور آپ ان کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔“

یہ منافق دین اسلام سے خارج اور مستقل جہنمی ہیں مگر دنیا میں ان کو مسلمانوں والے حقوق حاصل ہوتے ہیں کیونکہ یہ ظاہراً اسلام اور خیر کا اظہار کرتے ہیں اور اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر اپنے کفر کا انکار کر دیتے ہیں:

﴿يَتَّخِذُوا أَيْمَانَهُمْ جُثَّةً﴾ (المنافقون: ۲)

”انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے“

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جہاد کے سفر میں میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ بھاگ جائیں اور جب ہم (مدینہ) لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا ذلیل (صحابہ رضی اللہ عنہم)

کو باہر نکال دے گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا کر پوچھا، ان لوگوں نے قسم کھائی کہ ہم نے ایسا نہیں کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھوٹا سمجھا اور ان کو سچا جانا۔ مجھے اس بات کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس سے پہلے کسی بات کا اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافون نازل فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: اے زید! اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔“ (بخاری: ۴۹۰۱)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔“ (بخاری: ۴۹۰۵)

مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ذوالخویصرہ التیمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ (بخاری: ۴۶۶۷) اے محمد ﷺ انصاف کرو۔ (بخاری: ۶۱۶۳) یا رسول اللہ اللہ سے ڈرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو ہلاک ہو کیا میں روئے زمین پر اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا نہیں ہوں؟ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اس کی گردن نہ مار دوں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ممکن ہے وہ نماز پڑھتا ہو۔ (یعنی ظاہری اسلام کی وجہ سے قتل کا مستحق نہ ہو)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بہت سے ایسے نمازی ہیں جو زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔ (یعنی منافق ہوتے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے لوگوں کے دل کریدنے اور ان کے پیٹ چاک (کر کے دلی حالت معلوم) کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ (بخاری: ۴۳۵۱۔ مسلم: ۱۰۶۴)

ہمیں لوگوں کے ظاہر کو دیکھنا ہے اگر وہ ظاہر میں شرک و کفر کا انکار کرتے ہیں اگرچہ ان کے دلوں میں کفر پایا جاتا ہے تو ہم ظاہر کی وجہ سے ان کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک کریں گے اور انہیں مسلمانوں والے حقوق دیں گے۔ البتہ آخرت میں یہ لوگ کفار کے

ساتھ جہنم میں جمع کر دیئے جائیں گے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((هذامع العلم بأن كثير أ من المبتدعة منافقون النفاق الأكبر، وأولئك كفار في الدرك الأسفل من النار، فما أكثر ما يوجد في الرافضة والجهمية ونحوهم زنادقة منافقون، بل أصل هذه البدع هو من المنافقين الزنادقة، ممن يكون أصل زندقته عن الصابئين والمشركين، فهو لاء كفار في الباطن، ومن علم حاله فهو كافر في الظاهر أيضًا))

[بہت سے اہل بدعت منافقین ہوتے ہیں، ان کا نفاق بھی نفاق اکبر ہوتا ہے، اور یہ لوگ کفار ہیں اور جہنم میں درک اسفل ان کا ٹھکانہ ہے۔ روافض اور جہمیہ وغیرہ ایسے فرقوں میں زندیق اور منافقین بہت ہی کثرت سے موجود ہیں۔ بلکہ بدعت کا اصل منبع ہیں جن کی زندیقیت کے ڈانڈے صابئین اور مشرکین سے جاملتے ہیں لہذا ایسے لوگ باطن میں کفار ہوتے ہیں اور جب ان کے اس حال کا علم ہو جائے (یعنی وہ اپنے کفر و شرک کا کھلم کھلا اظہار کر دیں) تو پھر ظاہر میں بھی وہ کافر ہی قرار دیئے جائیں گے] [مجموع الفتاویٰ، ج ۱۲ ص

(۴۹۷)

6۔ مشرکین

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کی ایک جماعت مشرکوں سے نہ جاملے اور میری امت کے بہت سے لوگ بت پرستی نہ کریں“ [ترمذی: 2219، برقانی نے صحیح کہا]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(فمن اعتقد في بشر أنه اله، أودعا ميتا، أو طلب منه الرزق والنصر والهداية، وتوكل عليه أو سجد له، فانه يستاب، فان تاب والاضربت عنقه۔ ومن فضل أحداً من (المشايع) على النبي ﷺ أو اعتقد أن أحد

یستغنی عن طاعة رسول الله ﷺ: استیب، فان تاب والا ضربت عنقه۔
و کذا لک من اعتقد أن احداً من (أولياء الله) يكون مع محمد ﷺ كما كان
الخضر مع موسى، فانه يستتاب، فان تاب والا ضربت عنقه۔ و محمد ﷺ
مبعوث الى جميع الثقلين: انسهم و جنهم، فمن اعتقد أنه يسوغ لأحد
الخروج عن شريعته و طاعته فهو کافر یجب قتله)

[کسی بشر کے بارے میں جو شخص اللہ ہونے کا اعتقاد رکھے یا کسی مردے سے دعا کرے یا
اس سے رزق، نصرت یا ہدایت کا طلب گار ہو، اس پر توکل کرے یا اس کو سجدہ کرے
تو ایسے شخص سے توبہ کرائی جائے گی اگر کر لے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن تن سے جدا کر دی
جائیگی۔ جو شخص مشائخ میں سے کسی کی نبی اکرم ﷺ پر افضلیت کا قائل ہو یا یہ اعتقاد
رکھے کہ کوئی شخص رسول اکرم ﷺ کی اطاعت سے مستغنی و بے نیاز ہے، اس سے بھی توبہ
کرائی جائے گی ورنہ اس کی بھی گردن ماری جائے گی اسی طرح جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ
اولیاء میں سے کسی کی حیثیت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ
خضر علیہ السلام، تو ایسے شخص کو بھی توبہ کرائی چاہیے ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔۔۔۔۔ محمد ﷺ
جن و انس کے تمام افراد کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اس لئے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کوئی
بھی شخص آپ ﷺ کی شریعت اور اطاعت سے خروج کا مجاز ہے تو ایسے اعتقاد کا حامل
کافر ہے اور اس کا قتل واجب ہے] (مجموع الفتاویٰ، ج ۳ ص ۴۲۲)

مزید فرماتے ہیں:

((وهو لاء الذين يزعم أحدهم أنه يراه أي الله سبحانه وتعالى بعيني رأسه
في الدنيا هم ضلال كما تقدم، فان ضمو الى ذلك أنهم يرونه في بعض
الأشخاص: أما الصالحين، أو بعض المردان، أو بعض الملوك
وغيرهم، عظم ضلالهم وكفرهم، و كانوا حينئذ أضل من النصاري
الذين يزعمون أنهم رأوه في صورة عيسى ابن مريم۔

بل ہم اُضل من أتباع الدجال الذي يكون في آخر الزمان، ويقول للناس انا ربكم!۔۔۔

وهؤلاء قديسمون (الحلولية) و(الاتحادية) وهم صنفان:

★ (قوم) يخصصونه بالحلول أو الاتحاد في بعض الأشياء، كما يقوله النصارى في المسيح، والغالية في على رضي الله عنه ونحوه، وقوم في أنواع من المشائخ، وقوم في بعض الملوك، وقوم في بعض الصور الجميلة، الى غير ذلك من الاقوال التي هي شر من مقالة النصارى۔

★ (صنف) يعمون فيقولون بحلوله واتحاده في جميع الموجودات۔ حتى الكلاب والخنازير والنجاسات وغيرها۔ كما يقول ذلك قوم من الجهمية ومن تبعهم من الاتحادية: كأصحاب ابن عربي، وابن سبعين، وابن الفارض والتلمساني، والبلباني، وغيرهم۔۔۔ فهؤلاء (الضلال الكفار) الذين يزعم أحدهم أنه يرى ربه بعينه۔ وربما زعم أنه جالسه وحادثه أو ضاجعه! وربما يعين أحدهم آدميًا أما شخصًا أو صبيًا أو غير ذلك ويزعم أنه كلمهم، ويستتابون فان تابوا والا ضربت أعناقهم وكانوا أكفارًا، اذهبهم أكفر من اليهود والنصارى۔۔۔

هذا أكفر من الغالية الذين يزعمون أن عليًا رضي الله عنه، أو غيره من أهل البيت هو الله، وهؤلاء هم الزنادقة الذين حرقهم علي رضي الله عنه (ب النار)۔

[اور یہ لوگ بھی جو بزعم خویش، اللہ تعالیٰ کا دیدار اسی دنیا میں کرتے ہیں، مذکورہ اصناف کی طرح ہی گمراہ ہیں، پھر اگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی شامل کریں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار وہ بعض اشخاص کی صورت میں کرتے ہیں..... یہ اشخاص صالحین ہوں، جن ہوں یا بادشاہ یا کوئی دوسرا..... تو ایسی صورت میں ان کی گمراہی اور کفر دو چند بلکہ کہیں زیادہ بڑھ جاتا

ہے اور ایسی صورت میں یہ لوگ ان عیسائیوں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر ٹھہرتے ہیں جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی صورت میں دیدار الہی کا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ یہ تو پیروان دجال سے بھی زیادہ گمراہ ہیں جو کہ آخر زمانے میں ظاہر ہوگا اور لوگوں کو کہے گا میں تمہارا رب ہوں..... یہ لوگ بسا اوقات حلولیہ اور اتحادیہ ایسے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کی دو اصناف ہیں:

ایک گروہ تو ایسا ہے جو خاص چیزوں یا اشخاص کی بابت ہی اللہ تعالیٰ کے حلول یا اتحاد کا اعتقاد رکھتا ہے مثلاً عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں یا غالی فریقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا گمان رکھتے ہیں کچھ لوگ ایک خاص مرتبے پر فائز اولیاء اور مشائخ کے بارے میں، بعض لوگ خاص بادشاہوں میں، بعض کچھ حسین و جمیل صورتوں میں یا اسی طرح کی دیگر اشیاء یا اشخاص کے بارے میں ایسی باتوں کے قائل ہیں جو کہ عیسائیوں کے مذہب سے کہیں بدتر ہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ اس کو عام سمجھتا ہے چنانچہ یہ لوگ اللہ رب العزت کی نسبت حلول و اتحاد کا عقیدہ تمام موجودات حتیٰ کہ کتوں، سوؤروں اور نجاستوں تک کی بابت رکھتے ہیں جیسا کہ جہمیہ کا ایک گروہ اور اتحادیہ میں سے ان کے ہم عقیدہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، مثال کے طور پر ابن عربی اور اس کے حاشیہ بردار ابن سبعین، ابن الفارض، ہلمسانی، ہلیانی اور اس طرح کے بہت سے لوگوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہ گمراہ اور کافر لوگ ہیں جو بزعم خویش اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتے بلکہ اس کے ہم نشین، ہم کلام اور ہم بستر تک بھی ہوتے رہتے ہیں (معاذ اللہ) بسا اوقات کسی شخص، بچے یا کسی کو متعین کر کے اس کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا دعویٰ کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے توبہ کرانی چاہیے، کر لیں تو درست ورنہ ان کی گردنیں اڑا دینی چاہئیں کیونکہ یہ کافر ہیں بلکہ ایسے لوگ یہود و نصاریٰ سے بڑے کافر ہیں..... یہ ان غالیوں سے بھی بڑے کافر ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا کسی دیگر اہل بیت کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے کہ وہی اللہ ہیں، یہی وہ زنادقہ تھے جن کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلا کے رکھ کیا تھا [مجموع الفتاویٰ، ج ۳ ص

اہل سنت سے اعتقادی اختلاف رکھنے والے

فروق کے مراتب

امت میں بہت سے اعتقادی مسائل میں اختلاف پیدا ہوا جس کی بنیاد پر مختلف فرقے وجود میں آئے۔ ہر فرقے میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اساسی عقائد میں مسلمانوں سے اختلاف کیا۔ علمائے کرام نے ان لوگوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور ہر فرقے میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ان امور میں اختلاف نہیں کیا جن کا ضروریات دین سے ہونا قطعی اور حکمی تھا انہوں نے ان ارکان، اصول اور قواعد کو تسلیم کیا جس پر دین اسلام کی ثمرات کھڑی ہے لہذا علمائے اہل سنت نے ان کی غیر کفریہ بدعات کی بنا پر اسلام سے خارج نہیں سمجھا، البتہ انہیں اہل سنت سے خارج قرار دیا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[چنانچہ اگر ایسا ہو جائے کہ تمام گروہوں میں عدوان و زیادتی کے مرتکب لوگوں کو سزا دی جائے اور تمام گروہوں میں سے متقی لوگوں کی شرف و عزت افزائی کی جائے تو یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدگی اور مسلمانوں کی اصلاح کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگا]

(الجواب الصحیح لمن ہدئ دین المسیح: 22/1)

چند فرقوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

”قدریہ“

”قدریہ“ کا نقطہ نظریہ ہے کہ ہر چیز انسان کے ارادہ اور قدرت کے تابع ہے گویا ان کے نزدیک انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے سب کام انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے، اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو حوادث کا علم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ وقوع میں آتے ہیں۔ ان اقوال سے ان کا مقصد اللہ کے ازلی علم اور ارادہ کی نفی کرنا تھا۔

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین رحمۃ اللہ علیہ قدریہ کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”قدریہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جنہوں نے کہا کہ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہوتا اور دوسری قسم وہ ہے جو کہتے ہیں کہ بندوں کی افعال اللہ تعالیٰ پیدا نہیں کرتا بلکہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔“ (شرح لمعة الاعتقاد)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”وہ قدریہ جو اللہ کے ازلی علم اور تقدیر کے لکھے جانے کے انکاری ہیں سلف صالحین نے ان کو کافر کہا اور جنہوں نے اللہ کے ازلی علم کو تو تسلیم کیا لیکن اس بات کا انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے ان کو کافر نہیں کہا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳/۳۵۲)

عبداللہ کہتے ہیں: کہ میرے والد احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا قدریہ کا قول کہنے والا کافر ہے؟ میرے والد نے جواب دیا: جب وہ (اللہ کے ازلی) علم کا انکار کرے (تو کافر ہے) (السنۃ للخلال: روایہ: 862)

یحییٰ ابن یحمر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے تقدیر کا انکار کیا وہ بصرہ کا معبد الجھنی تھا۔ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملا اور کہا اے ابو عبدالرحمن! ہمارے علاقے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن حکیم کو پڑھتے اور عالم ہونے کے دعویدار ہیں لیکن وہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تم ان سے ملو تو انہیں بتانا کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ اللہ کی قسم اگر وہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کریں اللہ تعالیٰ ان سے ہرگز قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئیں (مسلم: ۸)

”رافضہ“

شیعہ کے بہت سے گروہ ہیں بعض وہ ہیں کہ جو کفر اکبر کے مرتکب اور اسلام سے خارج نہیں۔ ان میں سے ایک زیدیہ بھی ہیں جس کے امام زید بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب تھے۔ شیعہ کے تمام فرقوں میں سے زیدیہ اہل سنت کے زیادہ قریب ہیں یہ ائمہ کو

عام لوگوں کی طرح انسان مانتے ہیں البتہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے بعد سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تسلیم کرتے ہیں یہ اصحاب رسول ﷺ کی تکفیر بھی نہیں کرتے اور یہ عقیدہ بھی نہیں رکھتے کہ نبی ﷺ نے نام لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کیا، ان کے نزدیک امام میں اگرچہ کامل صفات ہونی چاہیے لیکن اگر امت کسی ایسے شخص کو امام چن لے جس میں بعض صفات موجود نہ ہوں اور وہ اسکی بیعت کر لیں تو اس کی امامت درست اور بیعت لازم ہوگی یہی وجہ ہے کہ زیدہ کے ہاں سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی امامت صحیح تھی زید یہ فرقہ آجکل بھی یمن میں موجود ہے۔

شیعہ کے کئی گروہ ایسے ہیں جو کفر اکبر کے مرتکب ہیں۔ جیسا کہ آجکل ایران، عراق، ہندوستان و پاکستان میں شیعہ جنہیں امامیہ یا اثنا عشریہ کہتے ہیں۔ ان کے ہاں کتب اربعہ مصادر دین کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کتب اربعہ یہ ہیں۔

۱۔ الکافی ۲۔ التہذیب ۳۔ الاستبصار ۴۔ من لا

یخضرہ الفقیہ

ان کے چند عقائد ملاحظہ فرمائیں:

تحریف قرآن کا عقیدہ

قرآن کریم کے بارے میں امامیہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا وہ اس طرح باقی نہیں رہا بلکہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تین یا چار کو چھوڑ کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مرتد ہو گئے (نعوذ باللہ) اور انہوں نے قرآن میں کمی اور زیادتی کے جرم کا ارتکاب کیا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو جمع کیا انہوں نے اس میں سے ”علی“ اور ”آل محمد“ کے الفاظ کو کئی مقامات سے حذف کیا اور اسی طرح کئی منافقین کے نام بھی قرآن مجید سے نکال دیے (حیات القلوب للعلی: 541/2 تفسیر الصافی، المقدمة السادسة للکاشانی)

شیعہ مذہب کے مطابق جو قرآن آپ ﷺ پر نازل ہوا تھا اس کی آیات کی تعداد ایک روایت کے مطابق 17 ہزار (الکافی: 2/134) جبکہ موجودہ قرآنی آیات کی تعداد

۶۲۳۶ ہے۔ (تفسیر مجمع البیان للطبری)

گویا شیعہ قوم کے نزدیک دو تہائی قرآن ضائع ہو چکا۔ شیعہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے بارے میں ایک سورت نازل فرمائی تھی۔ جس کا نام ”سورۃ الولاية“ تھا۔ (فصل الخطاب للنوری: 180، تذکرۃ الائمة ل محمد باقر المجلسی: 10، 9)

”نظریہ امامت“

شیعہ نظریہ کے مطابق جس طرح نبوت اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ایک منصب ہے، اسی طرح امامت بھی الہی منصب ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں

((الامامة منصب الہی كالنبوة)) ”امامت نبوت کی مانند الہی منصب ہے“ (أصل الشیعة واصولها: 58) امام جعفر فرماتے ہیں۔ ((بنی الاسلام علی خمس: علی الصلاة والزكاة والصوم والحج والولاية ولم یناد بشیء كما نودی بالولاية)) (أصول الکافی: 18/2)

اسلام پانچ بنیادوں پر قائم ہے:

۱۔ نماز ۲۔ زکوٰۃ ۳۔ روزہ ۴۔ حج ۵۔ ولایت

کسی چیز کی طرف اتنا زیادہ نہیں بلایا گیا کہ جتنا زیادہ ولایت کی طرف بلایا گیا ہے۔ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور یہ کہ وہ وحی کے بغیر کلام نہیں کرتے۔ (بخاری الانوار: 237/155، 54/17/358/26)

چنانچہ خمینی لکھتا ہے: ”وان من ضروریات مذهبنا، ان لائمثنا مقاماً لا یبلغه ملک مقرب ولا نبی مرسل“ (الحکومة الاسلامیة: 52)

”اور بے شک ہمارے مذہب کی ضروریات (میں یہ بات بھی شامل ہے) یہ کہ ہمارے ائمہ کے لئے وہ مقام ہے کہ جس تک نہ تو کوئی فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نبی مرسل۔“

امامیہ ”عصمت ائمہ“ کے عقیدے پر متفق ہیں۔ اس عقیدے سے ائمہ ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے پاک ہیں۔ نہ تو وہ جان بوجھ کر گناہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے بھول چوک میں

گناہ سرزد ہوتا ہے، اسی طرح وہ تاویل میں بھی خطا نہیں کھاتے۔

(بحار الانوار: 211/25، مرآۃ العقول: 352/4، أوائل المقالات: 276)

ان کے نزدیک امام سہوونسیان میں واقع نہیں ہوتا، یہ شیعہ کا وہ مسئلہ ہے کہ جن پر ان کا اجماع ہے۔ (عقائد الامامیۃ للمظفر: 95، صراط الحق لآصف الحسینی: 121/3)

شیعہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عقیدہ

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ سوائے تین یا چار کے کوئی بھی ارتداد سے محفوظ نہ رہا۔

(السیقیۃ: 19، احقاق الحق وازہاق الباطل: 316)

صحابہ رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نفاق پر تھے۔

(احقاق الحق وازہاق الباطل: 3، تفسیر الصافی: 4/1)

ایسے عقائد کے حاملین ”رافضہ“ کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جس کسی نے یہ زعم رکھا کہ قرآن کی آیات کم ہو گئی ہیں یا چھپالی گئی ہیں یا اس زعم میں مبتلا ہوا کہ قرآن کی ایسی باطنی تاویلات ہیں کہ جو مشروع اعمال کو ساقط کر دیتی ہیں تو ایسوں کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں۔“

اور جس کسی نے یہ زعم رکھا کہ سوائے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہو گئے تھے یا یہ کہ ان کے عام افراد فاسق ہو گئے تھے۔ تو ایسے کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں ہے کیونکہ یہ شخص ان آیات کو جھٹلانے والا ہے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی گئی ہے اور اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی رضا مندی کا اعلان کیا ہے۔ ایسے کے کفر میں بھی جھٹلا کون شک کر سکتا ہے؟ اس کا کفر تو متعین ہے۔ یہ قول کہنے والے کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کو نقل کرنے والے کفار یا فساق ہیں۔

یہ قرآن کریم کی اس آیت [کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ.....] ”تم بہترین امت ہو“ (آل عمران: 110) کا صریح انکار ہے۔

کہ وہ ان کی مخالفت کے فساد کو واضح کرے کیونکہ علماء کا سکوت اور آراء کا اختلاف اس فتنے کے پھیلنے کا سبب بن گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اچھے خاتمے کا سوال کرتے ہیں۔ آمین“

(الرد علی القائلین بوحدة الوجود: ۱۵۶، ۱۵۵)

ملا علی قارئ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ابن فارض نے جو قصیدہ میمہ لکھا اس کو اگر ظاہری معانی پر محمول کریں تو وہ سب کلمات کفریہ ہیں اور جو شخص مذاق میں بھی کفر کا کلمہ کہے تو کافر ہے۔“

(شرح فقہ اکبر، ص: ۲۳۱)

امام ذہبی رحمہ اللہ ابن عربی کے متعلق لکھتے ہیں: ”ابن عربی نے وحدة الوجود والوں کے تصوف کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور اس کی تصانیف میں سے سب سے گھٹیا تصنیف الفصوص ہے اگر اس میں کفر نہیں تو پھر دنیا میں کہیں کفر ہے ہی نہیں۔“

(سیر اعلام النبلاء ۲۳/۴۸)

بعض صوفیاء نے اصطلاح ”وحدة الوجود“ کو تو قبول کیا لیکن اس کے قائلین کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے ایک تو وہ جماعت ہے جو وحدة الوجود کے شرکیہ مفہوم کو مانتی ہے اس کو جاہل صوفیوں کا نام دیا ہے، جبکہ دوسری جماعت وحدة الوجود کے شرکیہ معنی و مفہوم کا رد کرتے ہوئے درست معنی بیان کرتی ہے، ان کو محققین صوفیاء کہتے ہیں

وحدت الوجود کے بارے میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند انڈیا کا موقف

وحدة الوجود صوفیہ کی اصطلاح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کامل ہے اور اس کے بالمقابل تمام ممکنات کا وجود اتنا ناقص ہے کہ کالعدم ہے۔ عام محاورہ میں کامل کے مقابلہ میں ناقص کو معدوم سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کسی بڑے علامہ کے مقابلہ میں تعلیم یافتہ کو یا کسی مشہور پہلوان کے مقابلہ میں معمولی شخص کو کہا جاتا ہے کہ یہ تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں، حالانکہ اس کی ذات اور صفات موجود ہیں، مگر کامل کے مقابلہ میں انہیں معدوم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کامل کے مقابلہ میں تمام مخلوق کے وجود کو حضرات صوفیہ معدوم قرار دیتے ہیں۔

تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ وحدۃ الوجود کے یہ معنی نہیں کہ سب ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود سے متحد ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود کامل صرف واحد ہے بقیہ موجودات کا عدم ہیں جیسے کہ کوئی بادشاہ کے دربار میں درخواست پیش کرے، بادشاہ اسے چھوٹے حکام کی طرف رجوع کا مشورہ دے اور یہ جواب میں کہے کہ حضور آپ ہی سب کچھ ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب حکام آپ سے متحد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے سب حکام کا عدم ہیں۔

(سہ ماہی قافلہ حق کے مصنف مولانا محمد امجد سعید صاحب (دیوبندی)، اشرف الفتاویٰ، ڈاکٹر عبدالواحد مفتی جامعہ مدنیہ لاہور، حتیٰ کہ اہل حدیث علماء کرام حافظ محدث عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام ابوالوداء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں)

قبر پرست

ان کی کئی ایک بدعات کفر ہیں جیسے غیر اللہ کو مشکلات کے حل کے لیے پکارنا، انہیں اللہ رب العزت کی صفات سے متصف کرنا، وغیرہ۔

﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ (البؤ منون: ۱۱۷)

”اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور الہ کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب کے سپرد ہے، ایسے کافر کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ درج ذیل آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

”پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ قبروں سے منت ماننا اللہ سے مرادیں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، یا اس سے مصائب دور ہوتے ہیں، رزق کھلتا ہے، جان و مال و ملک کی حفاظت ہوتی ہے تو وہ مشرک بلکہ کافر ہے۔“ (اصحاب صفہ اور تصوف کی حقیقت ص ۸۱)

لیکن قبر میں مدفون بزرگوں کو پکارنے کے مختلف مراتب ہیں جیسا کہ علامہ بکر ابو

زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

زندہ شخص کا کسی فوت شدہ بزرگ کو پکارنے کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: کسی زندہ کا مردے کو پکارنا، اس سے مشکلات میں مدد طلب کرنا یہ عمل شرک اکبر ہے جو ایسے ہی ہے جیسے بتوں کی پوجا کرنا اور اللہ کا شریک ٹھہرانا کیونکہ ایسا کرنے والے نے غیر اللہ کی پکار لگائی ہے اور اس سے مدد طلب کی ہے جبکہ اُس کا دل بھی اُس بزرگ کے ساتھ معلق ہے۔ ہم کتاب و سنت سے یہ بات جانتے ہیں کہ استغاثہ عبادت ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے، اس شخص نے غیر اللہ سے اُس بات کی امید لگائی جس پر وہ قادر نہیں، اس لیے یہ شرک کا مرتکب ہے۔ چاہے یہ اس مردے کو دور سے پکارے یا قریب سے، اُس کی قبر کے پاس حاضر ہو کر پکارے یا اُس کے دربار کی کھڑکی یا دروازے سے پکارے یا دور دراز سے ہر صورت وہ شرک اکبر کا مرتکب ہے، البتہ دور سے پکارنے میں وہ ایک کفر یہ بھی کرتا ہے کہ اُس ولی کو عالم الغیب قرار دیتا ہے۔ اس قسم کی مثال میں یہ الفاظ ہیں: یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، یا غوث مدد، یا علی، یا فاطمہ، یا حسن، یا حسین، یا عبدالقادر میری حاجت روائی کرو، میری مشکل کشائی کرو، میری مدد کرو، مجھ پر رحم کرو، میرے مریض کو شفا دو، میں آپ کے ذمے ہوں، میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں اور اس طرح کے دیگر صریح الفاظ جن میں غیر اللہ کی پکار لگائی گئی ہو، اس قسم میں آتے ہیں۔

دوسری قسم: زندہ کا مردے کو پکارنا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کے لیے دعا کرے اس قسم کی مزید دو قسمیں ہیں:

۱۔ زندہ شخص مردے کو پکارے جبکہ وہ اُس کی قبر سے دور ہو۔

اس قسم کے شرک اکبر ہونے میں بھی مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہ وہی شرک ہے جو نصاریٰ نے مریم اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ کیا، وہ انہیں پکارتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے افعال و حالات سے واقف ہیں۔

۲۔ زندہ کا اللہ سے دعا کروانے کے لیے مردے کو اُس کی قبر کے پاس آکر پکارنا۔
جیسے قبر پر جانے والے کا بزرگ کو مخاطب ہو کر یہ کہنا: ”اللہ سے میرے لیے یہ اور یہ دعا کریں۔“ یا یوں کہنا ”میں آپ سے اللہ سے فلاں اور فلاں دعا کرنے کا سوال کرتا ہوں۔“

مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ قسم ایک بدعت ہے اور اللہ کے ساتھ شرک اور غیر اللہ کی پکارت تک پہنچانے کا وسیلہ ہے، جس سے لوگوں کے دل اللہ کی بجائے مخلوق سے جڑتے ہیں۔ البتہ یہ اُس وقت شرک اکبر بن جائے گی جب قبر والے کو پکارنے والا مشرکین مکہ کی مانند اسے اللہ کے ہاں سفارشی اور شرکیہ واسطہ بنائے (وہ اس طرح کہ وہ ان کی عبادت شروع کر دے) جیسا کہ ارشاد بانی ہے:

﴿مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ (الزمر: ۳/۳۹)

”اور ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔“

(صحیح الدعا: ۲۳۸-۲۵۱)

اس قسم کے ”شرک“ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے بعض احادیث (جیسا فرمایا کہ مردہ دفنانے والوں کے جوتے کی چاپ سنتا ہے) سے کوئی اس غلط فہمی کا شکار ہو جائے کہ مردے کی قبر پر آکر اُس سے اللہ سے دعا کی درخواست کی جائے تو وہ میری بات سن سکتا ہے یہ عمل شرک نہیں البتہ شرک اور غیر اللہ کی پکارت تک پہنچانے کا وسیلہ ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مردے سے دعا کروانے کا کتاب و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔

”خوارج“

وہ سب سے پہلا فرقہ ہے جس نے گمراہی اختیار کی۔ یہ لوگ بہت زیادہ عبادت اور قرآن کی تلاوت کرنے والے تھے۔ ظاہر اُن کا مقصد قرآن مجید کی اتباع تھا مگر قرآن کے مفہوم کی بے جا تاویلات کرتے تھے اور اپنی رائے کو مقدم رکھتے تھے انہوں نے سنت اور فہم صحابہ کو کوئی اہمیت نہ دی، قرآن مجید کی آیت کا مفہوم سمجھا اور اس کی طرف

لوگوں کو دعوت دی۔ جنہوں نے اس آیت کو ان سے مختلف انداز میں سمجھا، انہیں کافر قرار دیا اور انہیں قتل کیا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہم ان کے فہم سے بہتر تھا۔ اور جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا وہی حق تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہ اترے گا۔ یہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، اگر میں انہیں پاؤں تو قوم عادی طرح انہیں قتل کروں“

(بخاری ۳۳۴۴-مسلم ۱۰۶۴)

عبداللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”خارجیوں نے کہا: لا حکم الا للہ۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یہ کلمہ حق سے باطل مفہوم اخذ کر رہے ہیں“ (مسلم ۱۰۶۶)

”خوارج“ لا حکم الا للہ کہہ کر علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے مومن ساتھیوں کو کافر اور واجب القتل قرار دے رہے تھے گویا کلمہ حق سے ایک باطل مفہوم لے رہے تھے۔

ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”خوارج“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے تھے۔ ان پر سب و شتم کرتے اور انہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں کافر اور مشرک قرار نہیں دیتے تھے۔ خوارج کی شدت کا اندازہ کیجئے کہ سیدنا علی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک اونچی آواز سے کہتا ہے ”لن اشركت لیحبطن عملک“ (اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے اعمال برباد ہو جائیں گے، یعنی اس نے یہ کہا کہ آپ مشرک ہیں اور آپ کی یہ نمازیں کسی کام کی نہیں ہیں)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نماز ہی میں فرمایا: ”فاصبر ان وعد اللہ حق“ صبر کرو واللہ کا وعدہ حق ہے۔ (طبری، ج: ۵، ص: ۵۴، حاکم، ج: ۳، ص: ۱۴۶)

ان کے بارے میں صحیح بخاری میں منقول ہے کہ

”لا یجاوز ایماہم حناجرہم یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ فاینما لقیتموہم فاقتلوہم۔“

”ان کا ایمان ان کے زخروں سے آگے نہیں بڑھے گا، وہ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ تم انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو فرمان نبوی کے مطابق قتل کیا۔ مگر مسئلہ کذاب کے ساتھیوں کا معاملہ ان (خوارج) کے ساتھ نہیں کیا۔ ان کے اموال کی حرمت کو بھی تسلیم کیا اور اس کو تقسیم نہیں کیا۔

بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: امشر کون ہم؟ قال: من الشرک فروا، قیل فمنافقون؟ قال ان المنافقین لا یدکرون اللہ الا قليلا قیل: فمماہم؟ قال: قوم بغوا علینا فقاتلناہم“

”کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مشرک سے ہی تو وہ بھاگے ہیں۔ کہا گیا کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (مگر یہ ایسے نہیں، بڑے عبادت گزار ہیں) پوچھا گیا یہ پھر کون اور کیسے ہیں؟ فرمایا: انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، اس لیے ہم نے ان سے قتال کیا ہے۔“ (ابن ابی شیبہ رقم ۷۹۴۲ ج: ۳، بیہقی، ج: ۸، ص: ۱۷۴)

بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتل عبدالرحمن بن عمرو بن بلجم الحمری کے بارے میں فرمایا: ”لا تقتلوا الرجل فان برئت فالجروح قصاص وان مت فاقتلوه“ کہ اسے قتل نہ کرنا اگر میں صحت یاب ہو گیا تو زخموں کا بدلہ لیا جائے اور اگر فوت ہو گیا تو پھر قصاص میں قتل کر دینا۔ (ابن ابی شیبہ، بیہقی وغیرہ)

لہذا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں اتنے جرائم کے باوجود کافر قرار نہیں دیا تو مشرک اور کفر صریح کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے جرم کی وجہ سے کسی کو کافر و مشرک کہنا اور انہیں خارج از ملت قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ (مقالات تربیت: ص: ۱۹۲، ۱۹۱)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب خوارج کے ان مظالم کے باوجود ہمار

آئمہ نے عدل سے کام لیتے ہوئے انہیں کافر نہیں کہا تو ہمیں بھی کسی گروہ کو کافر اس بنیاد پر نہیں کہنا چاہیے کہ اس نے ہمارے علمائے کرام کو شہید کیا یا ہمارے مال کو لوٹا یا ہماری مساجد پر قبضہ کیا یا آگ لگائی، ہمیں عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا ہے، صرف اسے ہی کافر کہنا ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے کافر کہا ہو کیونکہ تکفیر حکم شرعی ہے۔

انام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”خوارج“ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کرنے کا حکم دیا اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ عملاً قتال کیا۔

خوارج کے ساتھ قتال پر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے متفق تھے۔ (لیکن اس کے باوجود) سیدنا علی، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں کافر قرار نہیں دیا اور انہیں مسلمان ہی سمجھا۔..... یہ لوگ کہ جن کی گمراہی نص اور اجماع کے ذریعے ثابت ہے نیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ قتال کا بھی حکم دیا ہے جب یہ کافر قرار نہیں دیے گئے تو پھر ان اختلاف کرنے والے گروہوں کی تکفیر کیسے درست ہوگی جن پر ایسے مسائل میں حق مشتبہ ہوا ہے کہ جن مسائل میں ان سے زیادہ علم والوں نے بھی غلطی کھائی ہے؟.....“ (مجموع الفتاویٰ: جلد ۳ ص ۲۸۲)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے غیر کفریہ بدعت کی طرف دعوت دینے والے کی تکفیر کرنے کو غلط قرار دیا ہے، اس بات کی دلیل کے طور پر خوارج کو پیش کیا ہے جو اپنی بدعت کو سب سے زیادہ ظاہر کرنے والے بلکہ اس کی اساس پر قتال کرنے والے تھے مگر اس کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی تکفیر نہیں کی، بلکہ انہیں ظالم اور حد سے نکلے ہوئے مسلمان قرار دیا۔ (مجموع الفتاویٰ: جلد ۷ ص ۲۱۷)

البتہ ”خوارج“ میں بھی بعض ایسے گروہ موجود تھے جنہیں علمائے کرام نے کافر اور اسلام سے خارج قرار دیا۔

امام ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے خوارج کے دو فرقوں کا ذکر کیا جن میں سے ایک یزید

بن ابی ائیہ خارجی کے پیروکار تھے جس نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ عجمیوں میں ایک رسول بھیجے گا جس پر کتاب نازل فرمائے گا اور وہ شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دے گا۔ ان کا ایک فرقہ میمونہ نے سورت یوسف کے قرآن ہونے کا یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایسی سورت قرآن کس طرح ہو سکتی ہے جس میں داستان محبت بیان کی گئی ہو (الفرق بین الفرق بحوالہ اسلامی مذاہب)

”مرجمہ“

مرجمہ اسلام کی طرف منسوب وہ گروہ ہے جسے علمائے اہل سنت اسلام سے خارج قرار نہیں دیتے۔ بلکہ ان کے مختلف گروہ ہیں جن میں بعض شخصیات تو اہل سنت کے ائمہ میں شمار ہوتی ہیں انہیں مرجمہ الفقہاء کہا جاتا ہے، عمومی طور پر ان کے گروہ اہل سنت سے خارج ہیں، البتہ ان کے بعض غالی اسلام سے بھی خارج ہیں۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

مرجمۃ السنۃ:

جنہیں مرجمۃ الفقہاء اور مرجمۃ الکوفہ بھی کہا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کے استاد حماد بن ابی سلیمان اور ان کے شاگرد اس گروہ میں شامل ہیں اور یہ گروہ اہل سنت میں سے شمار ہوتا ہے، یہ وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان زبان کے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام ہے۔ اور اعمال مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ایمان میں سے نہیں ہیں۔ البتہ اعمال تقویٰ اور نیکی ہیں اور یہ مطلوب ہیں اور ان کا ادا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ اعمال کے بجالانے والے کو ثواب اور چھوڑنے والے کو عذاب ہوتا ہے اور کبیرہ گناہ کے مرتکب پر حد قائم کی جائے گی لیکن وہ اس کو ایمان کا نام نہیں دیتے۔

علماء اہل سنت نے مرجمۃ الفقہاء کی جن باتوں کی تردید کی، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) ان کے نزدیک ایمان دل کی تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے عمل بالجوارح ایمان میں داخل نہیں۔

(۲) وہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ کم ہوتا ہے اور نہ زیادہ۔

(۳) ان کے نزدیک کفر کرنے والا اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ کفر کا عقیدہ نہ رکھے یا کسی گناہ کو حلال نہ کر لے یا شریعت کی کسی معلوم بات کا انکار نہ کر دے۔ ائمہ اہل سنت نے ”مرجئۃ الفقہاء“ کا خوب رد کیا۔ اور ثابت کیا کہ عمل ایمان میں داخل ہے، لیکن اس سب کے باوجود کسی نے بھی ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج نہیں کیا۔ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا مرجئۃ الفقہاء اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں؟ آپ فرماتے ہیں: ”نہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج نہیں اسی لیے ان کو مرجئۃ السنۃ یا مرجئۃ اہل السنۃ کہا جاتا ہے، اہل سنت سے ان کا اختلاف ان کو دائرہ اہل سنت سے باہر نہیں نکالتا، البتہ یہ ان کی خطا ہے کہ وہ کہتے ہیں عمل ایمان میں داخل نہیں۔“ (الموقع الرسی لمعالی صالح بن فوزان)

دیگر گروہ

اکثر مرجمہ کی رائے میں عمل ایک بے کاری چیز ہے جس کا دخول جنت و جہنم سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے ایمان کی حقیقت کو ہی بدل ڈالا۔ ان کے چند گروہ درج ذیل ہیں:

”مرجئۃ القدریہ“: مرجمہ کا وہ گروہ جنہوں نے قدریہ کے عقائد اختیار کرتے ہوئے تقدیر کا انکار کیا۔

”مرجمہ الکرامیہ“: ان کا کہنا ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام ہے چاہیے دل سے تصدیق نہ بھی کی جائے۔

”مرجئۃ خالصۃ“: اس گروہ نے ”ارجاء“ کے علاوہ باقی مسائل پر کلام نہیں کیا۔

”غلاۃ المرجئۃ“: ان کا کہنا ہے کہ ایمان صرف دل کی معرفت کا نام ہے چاہے زبان سے تصدیق نہ بھی کی جائے۔ اور جہمیہ کی طرح انسان کو مجبور محض قرار دیا جس میں نہ ارادہ ہے نہ قدرت۔ یہ مرجمہ کا وہ گروہ ہے جو کفر اکبر میں واقع ہوا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ان کے ہاں ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے، زبان سے کفر کا اعلان کرنے، بتوں

کی پوجا کرنے یا صلیب کی عبادت کرنے سے بھی ایمان جون کا توں رہتا ہے اگر کوئی شخص دارالسلام میں جتے ہوئے یہودی، عیسائی بن جائے یا وہ تثلیث کا عقیدہ رکھتا ہو اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ اللہ کے ہاں کامل مومن ہوگا۔“ (کتاب البرہان للسخسکی ص: ۳۳، فصل فی الملل والنحل ابن حزم)

سلف میں سے امام نافع، کوکج، ابو عبید، احمد بن حنبل اور حمیدی رحمہم اللہ نے ان کو کافر کہا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہ: ۷/ ۱۸۹-۱۲۰)

”جہمیہ“

اس فرقے کا بانی ”جہم بن صفوان“ تھا اس کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے نہ اس میں قدرت پائی جاتی ہے، نہ ارادہ اور نہ اختیار۔ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ نے انسان کو جبراً گناہوں پر لگا رکھا ہے۔ ایمان کے بارے میں اس کا عقیدہ تھا کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے جو یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سے باخبر ہیں وہ مومن ہیں یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا منکر تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے متصف نہیں کیا جاسکتا جن کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا انکار کرنا توحید ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ”جو کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ علم و قدرت رکھتا ہے، یا اُسے آخرت میں دیکھا جائے گا، یا یہ کہے کہ قرآن اللہ کی طرف نازل ہونے والا کلام ہے جو مخلوق نہیں، جہمیہ کے نزدیک وہ شخص موحد نہیں بلکہ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دینے والا یعنی مشبہ ہے۔“ (مجموع الفتاوی: ۳/ ۹۹)

”جہمیہ“ کا کہنا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تمام صفات مخلوق ہیں، وہ ایک ایسے خیالی خدا پر ایمان رکھتے ہیں جس کا تصور کرنا ذہن ہی میں ممکن ہے کیونکہ حقیقت میں جو بھی چیز وجود رکھتی ہے اُس کی صفات ہوتی ہے۔ صفات سے علیحدہ کسی ذات کا حقیقت میں وجود نہیں ہے۔ صفات کے انکار میں غلو کا یہ حال تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں یہ بھی کہنا جائز نہیں

سمجھتے تھے کہ اللہ ایک شیء (چیز) ہے۔

امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جہم کا کہنا تھا: اللہ تعالیٰ کو شیء کہنا جائز نہیں، کیونکہ شیء اُس مخلوق کو کہتے ہیں جس جیسا کوئی اور پایا جاتا ہو۔ جبکہ تمام مسلمانوں کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیء ہے مگر وہ دیگر اشیاء کی مانند نہیں ہے۔“ (مقالات الاسلامیین ۱/۲۵۹)

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ أَمَّا شَيْءٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ (الانعام: ۱۹)

”پوچھیے سب سے بڑھ کر سچی گواہی کس شئی کی ہو سکتی ہے؟ کہہ دیجیے اللہ کی جو میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔“

حقیقت میں ”جہم“ کا اللہ کے اسماء و صفات کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا انکار ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”تعطیل“ کرنے والے ”جہم“ کا عقیدہ حقیقت میں وہی عقیدہ ہے جو فرعون کے ہاں پایا جاتا تھا۔ وہ خالق، اُس کے کلام اور دین کا انکار کرتا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي﴾ (القصص: ۳۸)

”میں نے اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانا۔“

﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى﴾ (النُّعْمَت: ۲۳)

”پس اس نے کہا میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔“

”فرعون“ ”جہم“ کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے اللہ سے ہم کلام ہونے کا انکاری تھا، اسی طرح وہ اس بات کا منکر بھی تھا کہ آسمانوں کے اوپر موسیٰ علیہ السلام کا کوئی معبود ہے۔“

(مجموع الفتاویٰ ۱۳/۱۸۵)

اسی لیے ”جہم“ کے عقیدہ نے حلول کی بنیاد رکھی جو کہ اللہ رب العالمین کے ساتھ

صریح کفر ہے:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جہمیہ کے جمہور عبادت گزار صوفیاء حلول کے عقیدہ کا اظہار کرتے تھے..... اس لیے اللہ کی صفات کی نفی کرنے والے جہمیہ شرک کی ایک قسم میں داخل ہیں۔ ہر معطل (صفات کا انکار کرنے والا) مشرک ہوتا ہے جبکہ ہر مشرک کا معطل ہونا ضروری نہیں ہے، جہمیہ کا عقیدہ تعطیل کو لازم کرتا ہے۔“ (درء التعارض ۲۸۸/۱۰/۲۸۹)

سلام بن ابی مطیع رحمہ اللہ کہتے ہیں: جہمیہ کفار ہیں۔ یزید بن ہارون رحمہ اللہ کہتے ہیں: جہمیہ کفار ہیں۔ (اروای الجمیۃ: 111)

البتہ وہ لوگ جو ”جہمی“ عقائد سے متاثر تو ہیں مگر غالی نہیں، ملت اسلام سے خارج نہیں ہیں بلکہ اُن کا شمار ۷۲ گروہوں میں ہوتا ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”امام احمد رحمہ اللہ نے جہمیہ کے ہر فرد کو کافر نہیں کہا، نہ ہر اس شخص کو کافر کہا کہ جس نے یہ کہا کہ وہ جہمی ہے۔ نہ اسے کہ جس نے جہمیہ کی بعض بدعات میں ان کی موافقت کی، بلکہ آپ نے (قرآن کو مخلوق کہنے والے) اُن جہمیہ کے پیچھے نماز پڑھی جو اپنی بدعت کی طرف بلانے والے، اس پر لوگوں کا امتحان لینے والے اور جو ان کی موافقت نہ کرے اس کو سخت سزائیں پہنچانے والے تھے۔ آپ ان کو مومن مانتے اور ان کی امارت تسلیم کرتے اور انکے لیے دعا کرتے تھے۔“ (مجموع الفتاویٰ: 507، 508/7)

”معتزلہ“ نے ان کی ہم نوائی کرتے ہوئے صرف صفت کلام کی نفی کی اور قرآن مجید

کو مخلوق کہا۔

”اشاعرہ“

”اشاعرہ“ کے عمومی طور پر وہی عقائد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں البتہ

کئی ایک امور میں وہ اہل سنت سے الگ ہوئے ہیں:

☆ کتاب و سنت کو علم الکلام کے قواعد کی بنیاد پر پرکھتے ہیں۔

☆ خبر آحاد کو عقیدہ میں حجت نہیں مانتے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی صفات خبریہ کی تاویل کرتے ہیں۔

☆ مسئلہ ایمان میں اعمال کو ایمان سے خارج کیا۔

اللہ تعالیٰ کے علو کا انکار..... جہمیہ اور اشعریہ کے مابین فرق

جہمیہ اللہ کی صفت علو (بلند ہونا) کو تسلیم نہیں کرتے اور بعض سلف نے اسی سبب سے ان کے کفر کی تصریح کی ہے۔ اور اشاعرہ نے بھی اس صفت میں غلطی کھائی۔ لیکن ان دونوں غلطی میں کچھ بنیادی فرق ہے:

(الف): جہمیہ کا انکار تعطیل پر مبنی ہے جبکہ اشاعرہ کا انکار تاویل کے ساتھ ہے۔
اشاعرہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو تسلیم کرتے ہیں البتہ بعض صفات کی وہ تاویل کرتے ہیں۔ تاویل کا معنی علماء نے یوں بیان کیا ہے:

((صرف اللفظ عن ظاہر)) (شرح عقیدۃ الواسطیہ لابن عثیمین)

”لفظ کو اس کے ظاہری معنوں سے کسی اور معنی کی طرف پھیرنا۔“

جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تاویل کرنا

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵)

”وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔“

یہاں ”استوی“ کا عربی زبان میں معنی ”بلند ہونے“ اور ”قرار پکڑنے“ کے ہیں لہذا اگر کوئی استوی کا معنی بلند ہونے کی بجائے ”استوی“ غالب ہوا کرتا ہے تو اس کی یہ تاویل ہے اور مذموم ہے کیونکہ اس دوسرے معنی کے مراد لیے جانے پر کوئی شرعی یا لغوی دلیل دلالت نہیں کرتی۔

(ب) جہمیہ حلول و اتحاد کی طرف گئے ہیں جبکہ اشاعرہ اس کے قائل نہیں۔

جہمیہ کہتے ہیں: اللہ عرش پر نہیں ہے بلکہ وہ ہر جگہ میں ہے، یہ عقیدہ حلول کی بنیاد ہے

جبکہ اشاعرہ کا کہنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اُس وقت موجود تھا جب کوئی مکان نہ تھا اور وہ اب بھی اسی حالت میں ہے جس حالت میں مکان کو پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کا اثبات نہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہر جگہ میں حلول کر گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جہمیہ کی بدعت کفریہ اور اشاعرہ کی بدعت غیر کفریہ ہے۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بدعت یا تو مکفرہ ہوتی ہے پھر مفسقہ جو کہ درجہ کفر تک نہیں پہنچتی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کر دیتا ہے تو اس کی بدعت یقیناً کافر کر دینے والی ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا اسم کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے کیوں کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کو جھٹلانے والا ہے۔

ایک دوسرا آدمی وہ ہے جو اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا تو اقرار کرتا ہے لیکن کہتا ہے کہ استوی کا معنی غلبہ پانا ہے۔ اس کی بدعت مفسقہ ہے یعنی کفر تک نہیں پہنچتی۔ البتہ اگر وہ اس صفت کا صرف یہی معنی جانتا ہے (یعنی اُسے کسی نے اس کا درست معنی نہیں بتلایا اور وہ خود تحقیق کرنے کے بھی قابل نہیں)، یا وہ بحث و تحقیق کے بعد اسی معنی کو حق سمجھتا ہے تب اُسے فاسق بھی نہیں کہا جائے گا۔“ (شرح نزهة النظر لابن عثیمین: ۲۵۵)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اشاعرہ کے صفت علو کے انکار میں بہت سارے فاضل علماء نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ جیسے حافظ ابن حجر، امام نووی، ابن بطلال اور امام شاطبی رحمہم وغیرہ نے صفات کے مسئلے میں خطا کھائی اور اشاعرہ کی موافقت کی، اہل علم نے نہ صرف ان کی اس بات پر تنقید نہیں کی بلکہ ان ائمہ کو عذر دیتے ہوئے ان کی امامت کو تسلیم کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”یہ کہنا کہ ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے جہت کو ثابت کیا اور کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جہت، بلندی

والی ہے۔ اور اس کا جمہور نے انکار کیا ہے۔ اس لیے کہ جہت کے اثبات سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نہ کسی جگہ نے گھیرا ہوا ہے۔“ (فتح الباری۔ ۳/۳۰)

جیسا کہ ابن بطلال کہتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نہ تو خود جسم ہے اور نہ کسی جگہ کا محتاج ہے کہ جس میں وہ اتر سکے اور قرار پکڑ سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جبکہ کوئی جگہ نہ تھی اور اب بھی وہ اسی حالت پر ہی ہے۔ پھر اللہ نے مکان (جگہوں) کو پیدا کیا۔ لہذا یہ بات محال ہے کہ وہ مکان کو پیدا کرنے سے پہلے تو اس سے بے نیاز تھا، بعد میں وہ اس کا محتاج ہو گیا۔ یہ ناممکن ہے۔“ (شرح صحیح بخاری لابن بطلال۔ ۴/۵۳۱۰)

امام شاطبی رحمہ اللہ ”کتاب الاعتصام“ میں کہتے ہیں:

اللہ کے اعضاء (مثلاً آنکھ، ہاتھ، قدم، چہرہ، محسوسات، جہت وغیرہ جیسی حادث چیزیں جو مخلوقات کے لیے ہوتی ہیں) کو ثابت کرنا ظاہریوں کا مذہب ہے۔

(الاعتصام۔ ۱/۳۰۵)

امام ابن حجر، ابن بطلال اور امام شاطبی رحمہم اللہ کا یہ کلام اس اعتبار سے درست ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں گھیر سکتی بلکہ وہ ہر چیز پر محیط ہے اور اس سے اوپر ہے۔ لیکن اشاعرہ اور ان کے موافقین کی خطا کا سبب یہ ہے کہ وہ سمجھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے جو صفت علو (بلندی) ثابت کرتے ہیں، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ مخلوق جہات میں سے کسی جہت میں گھرا ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے صفت علو کو اپنے حقیقی معنی سے پھیر دیا، ایسا کرتے ہوئے وہ اپنے گمان کے مطابق تعارض کو دور کر رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے نصوص کے درمیان تطبیق دی ہے۔ حالانکہ اسی دوران وہ ایک زبردست غلطی میں بھی واقع ہو گئے۔ یعنی ایسی چیز کی تاویل کر بیٹھے جس میں تاویل کرنا سنت رسول سے ثابت نہیں۔

قرآن وحدیث کی صریح نصوص میں بار بار ایسی باتیں آئی ہیں جن سے صفت علو

ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ ثبوت ایسا ہے کہ تاویل یا تشکیک کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ اس حالت میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے لیے ایمان و تسلیم کے ساتھ وہ چیز ثابت کریں جو اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنے نفس کے لیے ثابت کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کا محتاج نہیں۔

اشاعرہ کے گمان کے مطابق صفت علو کے اثبات سے اللہ کی ہستی کی تحدید، تجسیم اور اس کا جگہ گھیرنا لازم آتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کو جہتوں اور جگہوں کے گھیرنے سے پاک قرار دینا چاہتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ علو کے وصف کا مطلب یہ ہے کہ کسی جہت نے اللہ کو گھیرا ہوا ہے، چنانچہ جو اللہ کی صفت علو کو ثابت کرے وہ اس کو فرقہ مجسمہ یا مشبہہ میں سے قرار دیتے ہیں۔

ان کے تاویل کی وجہ یہ کوشش تھی کہ اللہ کو عینوں سے پاک قرار دیا جائے، اور یہی سبب ہے جس کی وجہ سے انہوں نے بعض دیگر صفات کی بھی تاویل کی۔

وہ اپنی اس غلطی میں اس لیے واقع ہوئے کہ وہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کا فرمان (لیس کمثله شیء) تقاضا کرتا ہے کہ ہم اللہ سے ہر اس صفت کی تاویل کریں جو مخلوق کے لیے ثابت ہے اگرچہ قرآن وحدیث سے وہ تاویل صراحتہ ثابت نہ بھی ہو اور اس کے وہ معنی بیان کریں جن سے تشبیہ لازم نہ آتی ہو۔

”اشاعرہ“ نے استواء، ید، عین، رجل وغیرہ جیسی صفات میں تاویل کی ہے، ویسے ہی وہ صفت علو میں بھی تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً وہ اللہ کے قول ﴿لَمْ يَلَمْسْ أَشْيًا وَأَمْسُهُمْ فِى السَّمَاءِ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کی ذمہ داری عذاب دینا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اشاعرہ کا صفت علو کی تاویل کرنا جہمیہ کی نفی سے مختلف ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ حکم لگانے میں بھی فرق کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اشاعرہ کی ان تاویلات کے باوجود علمائے امت نے ان کی تکفیر نہیں کی البتہ اس مسئلہ میں انہیں اہل سنت سے خارج قرار دیا ہے۔

اگر صفت علویٰ میں تاویل کی وجہ سے اشاعرہ کی تکفیر جائز ہوتی تو تمام دیگر صفات کی تاویل پر بھی تکفیر جائز ہوتی، کیونکہ ان میں کوئی فرق نہیں۔ علماء کرام ہمیشہ اشاعرہ پر صفات کی تاویل کے مسئلے میں رد کرتے رہے ہیں اور صفات کے اثبات اور ان پر ایمان کے وجوب پر دلائل دیتے رہے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کی تکفیر ذکر نہیں کی، بلکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو اشاعرہ کے بارے میں یہاں تک فرماتے ہیں: ((لیسوا کفاراً باتفاق المسلمین)) (مجموع الفتاویٰ: ۳۵/۱۰۱) ”تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ کافر نہیں ہیں۔“

اسماء و صفات میں ہر گمراہی اور غلطی سے انسان کافر نہیں ہوتا اسی بات کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

”قد یغلط فی بعض الصفات قوم من المسلمین فلا یکفرون بذلک“
 ”مسلمانوں میں سے بعض گروہ بعض صفات باری تعالیٰ میں غلطی کا شکار ہوتے ہیں وہ اس غلطی کی وجہ سے کافر قرار نہیں پاتے۔“ (فتح الباری 6/604)
 ”اشاعرہ“ اور ”ماتریدیہ“ کی بابت علمائے امت کا موقف

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا اشاعرہ، اور ”ماتریدیہ“ اہل سنت میں سے ہیں؟

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ اپنے کثیر عقائد میں اہل سنت والجماعت میں سے ہیں لیکن دیگر عقائد میں انہوں نے اہل سنت والجماعت سے انحراف کرتے ہوئے جبریہ یا انحرالیہ وغیرہ کا موقف اپنایا ہے۔ کتاب و سنت کی فہم سلف کے مطابق اتباع کا وہ منہج جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں، وہ اس پر نہیں ہیں۔ بلا شک و شبہ وہ صراط مستقیم سے کم یا زیادہ نکلے ہوئے ہیں جس پر سلف صالح اور ان کی اتباع کرنے والے گامزن ہیں۔ پھر آپ کہتے ہیں:

أنا لا أرى أن نقول: أنهم ليسوا من أهل السنة والجماعة، إطلاقاً. ولا أن

نقول إنهم من أهل السنة والجماعة إطلاقاً لأنهم كما قال الله عز وجل ﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۖ﴾ (التوبة: ۱۰۲)

”میرا خیال نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ وہ مطلق طور پر اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہیں، نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مطلق طور پر اہل سنت والجماعت میں سے ہیں، کیونکہ وہ ایسے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۖ﴾ (التوبة: ۱۰۲)

”کچھ دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، وہ ملے جلے عمل کرتے رہے، کچھ اچھے اور کچھ برے، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لے“ (سلسلہ الہدیٰ والنور، رقم: ۶۷۳ بحوالہ ”اتحیض فی بیان أن مذهب الأشاعرة ليس على مذهب السلف الحزبي: ۲۵۳) علامہ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الفرق المخالفة لأهل السنة متفاوتون في أخطائهم، فليس الأشاعرة في خطئهم كالخوارج والمعتزلة والجهمية بلا شك، ولكن ذلك لا يمنع من بيان خطأ الأشاعرة فيما أخطئوا فيه... (مجموع الفتاوى والمقالات: ۳/۵۴)

”اہل سنت کے مخالف فرقوں کی خطاؤں میں تفاوت (فرق) پایا جاتا ہے، پس بلا شک و شبہ اشاعرہ اپنی غلطی میں خوارج، معتزلہ اور جہمیہ جیسے نہیں ہیں، مگر یہ بات ان کی غلطی اور اہل سنت کی مخالفت کو بیان کرنے سے مانع نہیں ہے.....“ مزید فرماتے ہیں:

فالتأول لبعض الصفات كالأشعرية لا يخرج بذلك عن جماعة المسلمين ولا عن جماعة أهل السنة في غير باب الصفات، ولكنه لا يدخل في جماعة أهل السنة عند ذكر اثباتهم للصفات وإنكارهم للتأويل - فالأشاعرة

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (الانعام: ۱۵۲)

”اور جب کچھ کہو تو انصاف سے کہو، خواہ بات تمہارے کسی قریبی سے متعلق ہو۔“
 انہیں مطلق طور پر اہل سنت سے خارج کرنا عدل کے خلاف ہے اسی طرح انہیں سنت میں مطلق طور پر داخل کرنا بھی عدل نہیں ہے۔ ہر ذی حق کو اس کا حق دینا واجب ہے۔
 شیخ عبدالرزاق عقیفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الأشاعرة والماتردية من أهل السنة فيما وافقوا فيه أهل السنة لا على العموم (فتاویٰ و رسائل الشیخ عبدالرزاق: ۳۶۹)
 ”اشاعرہ اور ماتریدیہ جن امور میں اہل سنت سے موافقت کرتے ہیں ان میں وہ اہل سنت میں سے ہیں نہ کہ علی العموم۔“

جو لوگ سلفیوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ اشاعرہ کی تکفیر کرتے ہیں ان کا رد کرتے ہوئے فضیلۃ الشیخ عبدالحسن العباد حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

أَنَّ قَوْلَهُ فِي الَّذِينَ زَعَمَ نَصَحَهُمْ أَنَّهُمْ يَتَّهِمُونَ الْمُسْلِمِينَ بِالشِّرْكِ - وَأَنَّهُمْ يَكْفُرُونَ الصَّوْفِيَّةَ كَافَّةً وَالْأَشَاعِرَةَ هُوَ اقْتِرَاءُ هَمٍّ عَلَيْهِمْ، وَهُمْ بُرَاءٌ مِنْ ذَلِكَ، وَعَقِيدَتُهُمْ هِيَ عَقِيدَةُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَأَنَّهُمْ لَا يَكْفُرُونَ إِلَّا مَنْ كَفَّرَهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (الرد على الرافعي والبوطي: ۳۸)

” (بوطی کا) یہ کہنا کہ سلفی عام مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں اور وہ تمام صوفیوں اور اشعریوں کی تکفیر کرتے ہیں تو یہ اس کا سلفیوں پر جھوٹا الزام ہے، وہ اس تہمت سے بری ہیں، ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، وہ اسی کی تکفیر کرتے ہیں جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تکفیر کی ہے۔“

شیخ صالح المنجد حفظہ اللہ ماتریدیہ کے بارے میں اہل سنت کا موقف یوں بیان فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امت تہتر گروہوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے

ایک گروہ کے سوا باقی سب جہنمی ہیں اور اس الفرقہ الناجیہ سے مراد وہ جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلے گی۔

یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ اہل سنت والجماعت ہی علمی اور عملی طور پر کتاب و سنت کو کھانسنے والے ہیں اور یہی جماعت الفرقہ الناجیہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے منہج پر صحیح کاربند ہونے کا وصف انہی لوگوں میں نمایاں اور سب سے بڑھ کر ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی فرد یا جماعت کے فرقہ ناجیہ ہونے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ محض اپنی نسبت سنت سے جوڑ لے اور اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے منہج اور طریقے کی مخالفت کرتا پھرے بلکہ فرقہ ناجیہ میں شمولیت کے لیے ضروری ہے کہ علم و عمل، فکر و تصور اور سلوک و تصوف ہر شعبے میں انہی کے منہج پر کاربند رہنے کی کوشش کی جائے۔

”مازید یہ“ ایسا گروہ ہے جس کے اقوال اور لٹریچر میں حق، باطل اور سنت مخالف باتیں موجود ہیں۔ اس قبیل کے دیگر گروہوں کی بھی یہی حالت ہے کہ حق سے قرب و بُعد میں وہ سب ایک دوسرے سے مختلف مراتب پر ہیں تو جو سنت کے زیادہ قریب ہے وہی حق کے زیادہ قریب ہے۔ ان میں سے کچھ نے دین کے بڑے اور بنیادی اصولوں میں سنت کی خلاف ورزی کی ہے اور کچھ نے دقیق امور میں۔ ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنے علاوہ دیگر ایسے گروہوں کے باطل نظریات کی تردید کی ہے جو ان کی نسبت حق سے دور تھے تو باطل کی تردید اور حق بات کہنے کا ان کا یہ عمل قابل ستائش ہے۔ بسا اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ تردید باطل میں عدل سے تجاوز کرتے ہوئے انہوں نے حق کی بعض باتوں کا انکار کر دیا اور کچھ غلط باتوں کا بھی اظہار کیا۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو گویا انہوں نے ایک بڑی بدعت کی تردید اس سے نسبتاً چھوٹی بدعت سے کی اور باطل کا رد ایسے باطل سے کیا ہے جو اس کی نسبت ہلکا اور معمولی ہے۔ یہ مؤثر الذکر حالت اکثر اہل کلام کی ہے جو خود کو اہل سنت والجماعت کہلاتے تھے۔

اہم مسئلہ باقی رہ گیا کہ ماتریدیہ اور دیوبندیوں کی طرح عقائد میں ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے حوالے سے ہماری ذمہ داری کیا ہے؟

تو اس کا جواب مختلف اشخاص (اور جماعتوں) کے حوالے سے مختلف ہے، جو ان میں سے متعصب اور اپنی بدعت و گمراہی کا داعی ہے اس سے بچنا اور اس کی گمراہی کو عوام کے سامنے بیان کرنا ضروری ہے، البتہ جو شخص اس عقیدے کا حامل ہے مگر داعی نہیں اور اس کے قول و عمل سے حق بات کو تلاش کرنے اور اپنانے کی جھلک نظر آتی ہے تو اس کو نصیحت کی جائے گی، اس عقیدے کا بطلان اور فساد واضح کیا جائے گا اور احسن طریقے سے اسے راہ حق کی رہنمائی مہیا کی جائے گی، شاید اللہ تعالیٰ اس کو حق کا راستہ دکھا دے، یہ خیر خواہی اور نصیحت و ارشادِ نمیکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فرمان میں شامل ہے: ”دین خیر خواہی کا نام ہے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کس کے لیے؟ فرمایا: ”اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول ﷺ کے لیے، مسلم حکمرانوں اور عام مسلمانوں کے لیے۔“

(مسلم: ۵۵) (الاسلام سوال و جواب: 4248)

معاصر تنظیموں سے تعامل کے حوالے سے چند ضوابط

کفر و شرک سے پاک معاصر جماعتیں اسلام سے خارج نہیں:

اللجنة الدائمة سعودی عرب سے عصر حاضر کی جماعتوں کے بارے میں

سوال کیا گیا:

سوال: اس وقت جو جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، مثلاً الإخوان المسلمون کی جماعت، تبلیغی جماعت، انصار السنۃ الحمدیہ کی جماعت، جمعیتہ شریعہ سلفی اور جواتکفیر والہجرة والے کہلاتے ہیں، یہ سب اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی جماعتیں مصر میں موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان سے متعلق ایک مسلمان کا کیا موقف ہونا چاہئے؟ کیا سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ان پر صادق آتی ہے کہ ان تمام فرقوں سے الگ رہو، اگر چہ درخت کی جڑ چبانی پڑے، حتیٰ کہ موت آجائے اور تو اسی حال میں ہو۔

جواب: الحمد للہ وحدۃ الصلوۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ وبعد:

ان تمام فرقوں میں حق اور باطل اور غلط اور صحیح پایا جاتا ہے، ان میں بعض دوسروں کی نسبت حق سے زیادہ قریب ہیں، ان میں خیر زیادہ اور فائدہ وسیع ہے۔ آپ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ صحیح کام میں تعاون کریں اور جو غلطی نظر آئے اس کے بارے میں نصیحت کریں اور مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کریں۔ وبالله التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ (اللمیۃ الدائمۃ، فتاویٰ دار الافتاء سعودی عرب، جلد 2، ص: 158)

سوال: موجودہ دور میں کئی جماعتیں اور پھر آگے ان کی کئی شاخیں موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہ ”فرقہ ناجیہ“ میں شامل ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ان میں سے کون حق پر ہے کہ اس کی اتباع کریں، جناب سے امید ہے کہ آپ ہمیں بتائیں گے ان میں سے بہتر، زیادہ اچھی جماعت کون سی ہے تاکہ ہم حق کی پیروی کر سکیں، اس کے ساتھ

دلائل بھی بیان فرمادیں۔

جواب: الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ وصحبہ وبعد:

یہ سب جماعتیں دائرہ اسلام میں شامل ہیں۔ سوائے ان کے جو کسی ایسے کفریہ عقیدہ یا عمل کے مرتکب ہوں جو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہو، لیکن ان کے درجات مختلف ہیں، جس طرح حق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے اور دلائل کے سمجھنے میں غلطی کرنے اور کوتاہیوں میں وہ مختلف درجات پر ہیں۔ ان میں سے زیادہ ہدایت یافتہ وہ ہے جس نے دلیل کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا اور بہتر طور پر اس کے مطابق عمل کیا لہذا ان کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھیں اور اس کا ساتھ دیں جو حق کا زیادہ متبع اور زیادہ اختیار کرنے والا ہے اور دوسرے مسلمان بھائیوں پر زیادتی نہ کریں کہ ان کا جو مسلک صحیح ہو اس کو بھی رد کریں، بلکہ حق کی پیروی کریں وہ جہاں بھی ہو، اگرچہ سچی بات اس شخص کی زبان سے ظاہر ہو جو بعض مسائل میں آپ سے اختلاف رکھتا ہو۔ حق مومن کا رہنما ہوتا ہے اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی چیز قرآن و سنت کی دلیل ہی ہے۔ وبالله التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ (الجمیعۃ الدائمہ، فتاویٰ دارالافتاء سعودی عرب، جلد 2، ص: 159)

کسی جماعت کی طرف منسوب شخص کے بدعت یا کفر میں واقع ہونے سے اس کی جماعت پر فتویٰ نہ لگایا جائے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾

(الانعام: ۱۶۴)

”اور جو کوئی برا کام کرے گا اس کا بار اسی پر ہوگا، کوئی شخص کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔“

ڈاکٹر زید بن عبد الکریم زید حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”کسی جماعت کو اس لیے تنقید کا نشانہ بنانا کہ اس جماعت کی طرف منسوب فلاں شخص غلطی میں واقع ہوا ہے، درست نہیں۔ یہ غلطی اس جماعت کے رئیس یا کسی بڑے سے ہی سرزد کیوں نہ ہوئی ہو اس غلطی کو جماعت کی غلطی قرار دینا عدل کے منافی ہے۔ کیونکہ وہ

اس کے ہر قول و فعل کی ذمہ دار نہیں ہے۔ اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ جو شخص کسی اسلامی جماعت میں اس کے بعض کارکنان کی غلطی کی وجہ سے عیب نکالتا ہے اس کی مثال اُن لوگوں جیسی ہے جو مسلمانوں کی غلطیوں کی وجہ سے اسلام میں عیب نکالتے ہیں۔ اس لیے لوگوں کو کیا ہم یہ جواب نہیں دیتے کہ اسلام کے دعویداروں کی بجائے اُس اسلام کو دیکھو کہ جسے قرآن و سنت پیش کرتا ہے۔“ (ضوابط رئیسیۃ فی تقویم الجماعات الاسلامیہ)

شیخ ابوالبراہیم الحدادی حفظہ اللہ اس پر تعلیق لگاتے ہوئے کہتے ہیں: ”اگر وہ جماعت اپنے قائد یا کارکن کی غلطی سے برأت کرتی ہے اور اسے ٹوکتی ہے تب جماعت پر اُس کے لیڈر یا کارکن کی غلطی کا وبال نہیں بصورت دیگر جماعت خاموش رہنے کے سبب مجرم ہے۔“

اجتہاد یا تاویل کرنے والے مسلمان عالم کے بارے میں اہلسنت کا مسلک

اہلسنت والجماعت جہاں اہل بدعات کو فرداً فرداً کافریا فاسق کہنے میں جلدی کرنے سے احتیاط برتتے ہیں تاآنکہ ان پر قیام حجت اور ازالہ شبہات نہ ہو جائے، وہاں وہ کسی مسلمان عالم کو کسی بنا پر غلط اجتہاد یا دور کی تاویل کی وجہ سے کافریا فاسق حتیٰ کہ مرتکب گناہ قرار دینے کو بھی روا نہیں سمجھتے خاص طور پر اگر تاویل ان مسائل میں کی گئی ہو جو ظنیات اور اختلافی ہوں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

[وہ مسلمان علماء جو علم کلام میں اجتہاد کر لیتے ہیں، ان میں سے اگر کسی کے کلام میں غلطی سرزد ہو گئی ہے تو بھی اس کی تکفیر جائز نہیں ہے..... چنانچہ جاہلوں کو مسلمان علماء کی تکفیر کا کام سو نہ دینا بہت ہی بڑا جرم ہے۔ اصل میں اس کی بنیاد خوارج اور روافض سے جا ملتی ہے جو اپنے تئیں امور دین میں کچھ غلطیوں کی بنا پر ائمہ مسلمین کی تکفیر کرتے ہیں۔ اہلسنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علماء امت کی محض کسی غلطی یا لغزش کی بنا پر تکفیر جائز نہیں بلکہ سوائے رسول اکرم ﷺ کے ہر کسی کی بات لی بھی جاسکتی ہے اور ترک بھی کی جاسکتی ہے اور وہ عالم جس کی کسی غلطی کی بنا پر اس کی کوئی بات ترک کرنے کے قابل ہو، ضروری نہیں کہ وہ کافریا فاسق یا گنہگار ہو.....] (مجموع الفتاویٰ، ج ۵ ص ۱۰۰)

قبوری شرک میں مبتلا لوگوں کی بابت صحیح موقف یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں رہنے والوں کو اشرک اکبر کے ارتکاب پر عذر نہیں دیا جائے گا۔ مگر جو لوگ انہیں جہالت کا عذر دیتے ہیں ان کی اٹلی اجتہادی نوعیت کی ہے جس کی بنا پر انہیں کافر کہنا غلط ہے۔

اللجنة الدائمة سعودی عرب قبر پرستوں کو ان کی جہالت کی وجہ سے مسلمان سمجھنے والے موحدین کو کافر کہنے والوں کا رد کرتے ہوئے کہتی ہے:

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد:

کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ دینی مسائل میں اسے لاعلمی کی بنیاد پر معذور قرار دیا جائے یا نہیں اس کا دار و مدار اس بات پر بھی ہے کہ اسے یہ مسئلہ کما حقہ پہنچا بھی ہے یا نہیں اور اس بات پر بھی کہ یہ مسئلہ کس حد تک واضح ہے اور کس حد تک اس میں غموض اور اخفاء پایا جاتا ہے اور اس بات پر بھی کہ کسی شخص میں اس بات کو سمجھنے کی استعداد کس حد تک ہے۔ اس لیے جو شخص کسی تکلیف یا مصیبت کو دور کرنے کے لیے قبروں میں مدفون افراد سے فریاد کرتا ہے اسے وضاحت سے بتانا چاہئے کہ یہ شرک ہے اور اس پر اس حد تک اتمام حجت ہونا چاہئے کہ تبلیغ کافر ادا ہو جائے اس کے بعد بھی اگر وہ شخص قبر پرستی پر اصرار کرے تو وہ مشرک ہے اس سے دنیا میں غیر مسلموں والا سلوک کیا جائے اور اگر اسی عقیدہ پر مرجائے تو آخرت میں سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (النساء: 4/165)

” (ہم نے) خوشخبری دینے اور تنبیہ کرنے کے لیے رسول (بھیجے) تاکہ رسولوں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے پاس (حق کو قبول نہ کرنے کی) کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب و حکمت والا ہے۔“

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۵)

”اور ہم عذاب نہیں بھیجتے حتیٰ کہ رسول بھیج دیں۔“

﴿وَأَوْحِيَ إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنِ لِأُنذِرَ كُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾ (الانعام: ۱۹)

”اے نبی ﷺ! آپ فرمادیں میری طرف یہ قرآن وحی کے ذریعے بھیجا گیا ہے تاکہ اس کے ساتھ میں تم کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤں اور (ان کو بھی) جن تک یہ (پیغام) پہنچے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اس امت میں سے جو یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سن لے (یعنی اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے) پھر وہ اس (دین) پر ایمان لائے بغیر مر جائے جو (دین) مجھے دے کر بھیجا گیا ہے، وہ شخص (ضرور) جہنمی ہوگا۔“ (مسلم: ۱۵۳)

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مواخذہ تبھی ہو سکتا ہے جب کسی کو وضاحت سے خبر دی جا چکی ہو اور اس پر حجت قائم ہو چکی ہو۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے ملک میں رہتا ہو جہاں وہ اسلام کی دعوت کے متعلق سنتا ہے، پھر وہ ایمان نہیں لاتا، نہ اہل حق سے مل کر حق معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اسے دعوت پہنچی ہو اور پھر وہ کفر پر اڑا ہوا ہو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مذکورہ بالا حدیث اس مسئلہ کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا وہ قصہ بھی دلیل بن سکتا ہے جب سامری نے انہیں گمراہ کر دیا تھا اور وہ بچھڑا پوجنے لگے تھے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہونے کے لیے جاتے وقت اپنے پیچھے ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر گئے تھے۔ جب ہارون علیہ السلام نے انہیں بچھڑے کی پوجا سے منع کیا تو انہوں نے کہا:

﴿قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ﴾ (طہ: ۹۱)

”ہم تو اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے حتیٰ کہ موسیٰ ہمارے پاس واپس آجائے۔“

انہوں نے شرک کی طرف بلانے والے کی دعوت مان لی اور توحید کی دعوت دینے والے کی بات ماننے سے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں شرک اور دھوکے کی بات مان لینے میں معذور قرار نہیں دیا کیونکہ توحید کی دعوت موجود تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید پر بھی

طویل زمانہ نہیں گزرا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے جہنمیوں سے جھگڑے اور شیطان کا ان سے اظہار براءت کا واقعہ بیان کیا ہے، اس سے بھی مذکورہ بالا موقف کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تُلْوَ مُؤْنِي وَلَوْ مُؤْمَا أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِي ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

(ابراہیم: 14/22)

”جب معاملے کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا اور پھر وعدہ خلافی کی۔ میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا مگر میں نے تمہیں (گمراہی کی طرف) بلایا، تم نے میری بات مان لی۔ تو (اب) مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو۔ میں تمہیں مصیبت سے چھڑا سکتا ہوں نہ تم مجھے چھڑا سکتے ہو۔ اس سے پہلے (دنیا میں) تم جو مجھے (اللہ کا) شریک بناتے رہے ہو (کہ اللہ کے احکام کو چھوڑ کر میری باتیں مانتے رہے ہو) میں اس کا انکار کرتا ہوں، بے شک ظالموں کے لیے ہی اذیت ناک سزا ہے۔“

انہوں نے شیطان کے وعدے کو سچ مان لیا تھا، شیطان نے ان کے سامنے جھوٹ کو سچ کے رنگ میں پیش کیا اور شرک جیسے گھناؤنے جرم کو خوبصورت بنا کر پیش کیا اور وہ اس کے پیچھے لگ گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس معاملے میں معذور قرار نہیں دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر اس شخص کے لیے عظیم ثواب کا سچا وعدہ موجود تھا جو اس وعدے کی تصدیق کر کے اس کی شریعت قبول کر لے اور اس کے مطابق سیدھے راستے پر گامزن ہو جائے۔ جن علاقوں میں مسلمانوں کی کثیر تعداد موجود ہے، ان کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے رہنے والوں کو دو گروہ اپنی اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں

ایک گروہ طرح طرح کی شرکیہ اور غیر شرکیہ بدعات کی طرف بلا رہا ہے۔ وہ لوگوں کو دھوکا دینے اور اپنی بدعت کو عام کرنے کیلئے ضعیف حدیثوں اور عجیب قصے کہانیوں کا سہارا لیتا ہے اور انہیں دلکش انداز میں بیان کر کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ دوسرا گروہ حق اور ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور اس کے بارے میں کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سے دلائل پیش کرتا ہے اور فریق مخالف کے دعووں کی غلطی اور فریب کو واضح کرتا ہے۔ اس فریق نے حق کو واضح کرنے اور خاص و عام تک پہنچانے میں جو کوششیں کی ہیں، وہ قیام حجت کے لیے کافی ہیں، اگرچہ اس فریق کی افرادی تعداد کم ہی ہو۔ کیونکہ حق بیان کرنے میں دلیل کا اعتبار ہوتا ہے کثرت تعداد کا نہیں۔ جو شخص سمجھ بوجھ رکھتا ہے اور اس قسم کے علاقے میں رہائش پذیر ہے، وہ اہل حق کی باتیں سن کر حق کو پہچان سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ تلاش حق کی کوشش کرے، خواہشات نفسانی اور عصبیت سے بچ کر رہے، دولت مندوں کی دولت اور سرداروں کی سرداری دیکھ کر دھوکہ میں نہ آئے۔ اس کے غور و فکر کا معیار درست ہو، عقل و فہم سے دست بردار نہ ہو چکا ہو۔ وہ ان لوگوں میں شامل نہ ہو جن کی کیفیت ان آیات مبارکہ میں بیان ہوئی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ وَآعَدَ لَهُمْ سَعِيرًا ۖ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۖ يَوْمَ تَقْلُبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ لِيَلَيْتَنَّا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ۖ﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكَذَّبْنَا فَأَصْلَحْنَا السَّبِيلَ ۖ رَبَّنَا إِنَّهُمْ ضَعُفَاءٌ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنُومُ لَعَنَّا كَبِيرًا ۖ﴾

(الاحزاب: ۶۸-۶۹)

”اللہ نے کافروں کو یقیناً دھتکار دیا ہے اور ان کے لیے بھڑکتی آگ (جہنم) تیار کی ہے، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے انہیں کوئی دوست ملے گا نہ مددگار۔ جس دن آگ میں ان کے چہرے ادھر ادھر (الٹ پلٹ) کیے جائیں گے۔ (اس دن) وہ کہیں گے ”کاش! ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے، اے ہمارے مالک! ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں راہ راست سے بے راہ کر

و یا، اے ہمارے رب! انہیں دگنا عذاب دے اور انہیں بڑی لعنت کر۔

البتہ جو شخص غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے اور اس نے اسلام، قرآن اور نبی اکرم ﷺ کے متعلق کچھ نہیں سنا تو اگر فرض کریں کہ ایسا کوئی شخص موجود ہے تو اس کا حکم اہل فترت کی طرح ہے (جو ایسے زمانے میں تھے کہ سابقہ نبی کی تعلیمات فراموش کی جا چکی تھیں اور نیا نبی ابھی مبعوث نہیں ہوا تھا۔) مسلمان علماء کا فرض ہے کہ اسے دین اسلام کے عقائد اور اعمال کی تعلیم دیں تاکہ اس پر حجت قائم ہو اور اس کا عذر ختم ہو جائے۔ قیامت کے دن ایسے شخص سے وہی معاملہ کیا جائے گا جو ان افراد سے کیا جائے گا جو دنیا میں جنون اور کم سنی کی وجہ سے مکلف ہی نہیں تھے۔ باقی رہے وہ شرعی احکام جو عام لوگوں کے لیے واضح نہیں ہوتے، مثلاً ان میں وجہ دلالت بہت خفی ہے یا دلائل باہم متعارض ہیں اور ترجیح میں علماء مختلف آراء رکھتے ہیں، تو اس قسم کے مسائل میں اختلاف کرنے والے پر ایمان یا کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے صحیح کہا یا اس سے غلطی ہوئی وہ عند اللہ معذور ہے اور اسے اجتہاد کا ثواب بہر حال ملے گا اور جس کا اجتہاد صحیح ہو اسے دگنا ثواب ملے گا۔ اس قسم کے مسائل سمجھنے کی صلاحیت میں تفاوت پایا جاتا ہے، قرآن و حدیث کی انصوص سے واقف ہونے، صحیح اور ضعیف احادیث میں امتیاز اور ناسخ و منسوخ کی پہچان وغیرہ میں بھی سب علماء برابر نہیں ہوتے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو اہل توحید قبر پرستوں کو کافر سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ درست نہیں کہ اپنے ان اہل توحید بھائیوں کو کافر کہیں جو قبر پرستوں کو کافر قرار دینے میں تامل کا شکار ہیں۔ اصل میں ان کے سامنے فتویٰ لگانے میں یہ شبہ ہے کہ ان قبر پرستوں کو کافر قرار دینے سے پہلے ان پر اتمام حجت ضروری ہے، بخلاف غیر مسلموں کے مثلاً: یہودی، عیسائی یا کیونٹ کہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں اور جو انہیں کافر نہیں سمجھتا اس کا کفر بھی واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حالات درست فرمائے اور دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ ہمیں اور انہیں نفس کے شر اور گناہوں کی شامت سے محفوظ رکھے اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم بغیر علم کے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کے متعلق کچھ نہ کہیں۔ یہ سب

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی قادر ہے۔ وبالله التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ (المجتبى الدائم، فتاویٰ دارالافتاء سعودی عرب، جلد 2، ص 101)

علمائے کرام کا یہ فتویٰ بالکل درست ہے کہ کوئی غلط فہمی کی بنا پر منافق یا کافر کو مسلم سمجھ کر اس کی حمایت کرے تو وہ خود کافر نہیں ہوگا اس کی دلیل واقعاً قاک ہے۔ جس میں عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور مدینہ میں اس بات کو بنیاد بنا کر خوب پروپیگنڈا کیا۔ آپ ﷺ کو اتنی اذیت پہنچائی کہ ایک دفعہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”کون اس شخص سے میرا بدلہ لے گا جس نے میرے گھر والی کے مسئلہ میں مجھے ایذا پہنچائی؟“

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا حکم دیجئے اگر وہ میرے قبیلہ کا فرد ہے، میں اس کی گردن مار دیتا ہوں۔ اگر وہ خزرج قبیلہ کا فرد ہے تو جو آپ کا حکم ہوگا وہی ہم کریں گے۔ یہ سن کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے وہ خزرج کے سردار تھے، وہ نیک آدمی تھے لیکن ان پر قومی حیثیت غالب آگئی اور کہنے لگے اللہ کی قسم تم اسے قتل نہیں کرو گے اور نہ تم اسے قتل کر سکتے ہو۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے تم جھوٹ بولتے ہو اللہ کی قسم ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ پس تم منافق ہو اسی لیے منافقوں کی طرف سے جھگڑا کرتے ہو۔ اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے آپس میں جھگڑنے لگے قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ان کو خاموش کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ (بخاری: ۷۵۰)

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ عبد اللہ بن ابی کی حمایت کی لیکن اس کے باوجود وہ خود منافق نہیں ہوئے۔

اگر کوئی عالم دین بدعت کا مرتکب ہو یا کسی بدعتی کی موافقت کرتا ہو تو کیا وہ بھی ان میں شامل ہوگا؟

شیخ صالح المنجد حفظہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

الحمد للہ! ہم نے یہ سوال شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا تو ان کا جواب تھا: ”نہیں وہ ان میں شامل نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کی جانب منسوب کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ تو صرف کسی ایک مسئلہ میں موافق ہوا ہے لہذا اسے مطلقاً ان کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے:

جو شخص امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ہو لیکن اس نے کسی ایک مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار کیا تو کیا ہم اسے مالکی کہیں گے؟ نہیں اسے مالکی نہیں کہا جائے گا۔ تو اسی طرح اگر کوئی فقیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ہو اور وہ کسی معین مسئلہ میں شافعی مسلک پر عمل کرے تو کیا ہم اسے شافعی کہیں گے؟ نہیں اسے شافعی نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ اگر ہم کسی معتبر اور نصیحت میں معروف عالم دین کو اہل بدعت کا کوئی مسئلہ لیتے ہوئے دیکھیں تو یہ صحیح نہیں کہ ہم کہیں وہ بھی ان بدعتیوں میں شامل ہو گیا ہے اور ان کے طریقہ پر ہے بلکہ ہم یہ کہیں گے: ہم ان سے کتاب اللہ، سنت رسول اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی دیکھتے ہیں اور جب وہ اس مسئلہ میں غلطی کر بیٹھے تو ان کی یہ غلطی اجتہاد کی بنا پر ہے کیونکہ اس امت کا اجتہاد کرنے والا اگر صحیح اجتہاد کرے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر غلطی کر بیٹھے تو اسے ایک اجر حاصل ہوتا ہے۔ اور جو کوئی شخص کسی ایک غلط کلمہ کی بنا پر سارا حق ہی رد کر دے تو وہ گمراہ ہے، خاص کر جب یہ غلطی جسے وہ غلط خیال کرتا ہے غلط نہ ہو، اسے غلط بلکہ گمراہ یا بعض اوقات تو اسے کافر قرار دیتے ہیں۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے ایسا کرنا بہت ہی برا اور غلط ہے۔ اور جو کسی دوسرے کو کسی سبب یا عیبت کی بنا پر کافر قرار دے تو اس کا یہ مسلک تو خوارج سے بھی زیادہ شدید ہوگا کیونکہ خوارج تو مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیتے ہیں نہ کہ کسی بھی معصیت کی بنا پر..... (لقاء الشهري للشيخ محمد بن صالح

پاک و ہند کے ”اشاعرہ“ و ”ماتریدیہ“

”المہند علی المہند“ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس پر ماضی اور حال کے بہت سے جید علماء دیوبند کے دستخط ہیں۔ یہ علماء اس کتاب کو اپنے عقائد کی کتاب قرار دیتے ہیں۔ اس میں اپنی جماعت کا تعارف یوں کرواتے ہیں:

”ہماری جماعت فروع میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، عقائد اور اصول میں امام ابو الحسن اشعری اور امام ابو جعفر منصور ماتریدی کی پیروی کرتی ہے اور صوفیہ کے طریقوں میں نقشبندیہ، چشتیہ قادریہ اور سہروردیہ کی طرف نسبت کرتی ہے۔“ (المہند علی المہند)

علامہ شمس الدین افغانی رحمہ اللہ کی نظر میں ”ماتریدیہ“ کی درجہ بندی

علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ ان کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ باب اس بات کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ اس کتاب میں کس کا رد مقصود ہے؟ اور میری تنقید کا نشانہ کون ہے؟

علم کلام کی بدعت میں شدت اور اس میں لت پت ہونے کے اعتبار سے ماتریدیہ کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم:۔ انتہائی غالی اور معطلہ محض، اپنی بدعت میں انتہائی ڈوبے ہوئے جہمیہ کی فکری پودا ور شبیہ، خلق قرآن کے قائل، رحمٰن کے علو کے منکر، اللہ کی کثیر صفات کا انکار کرنے والے اور اس باب میں وارد نصوص اور کلمات کی تحریف کرنے والے، عقیدہ سلفیہ اور ائمہ اہل سنت پر طعن کرنے والے، یہ لوگ ہیں تو ایک چھوٹا گروہ لیکن وہی ہمارا مقصود مذمت ہیں۔ انہیں پر میرے تیروں کی بوچھاڑ ہے اور میری کاٹ کر دینے والی تلوار سے یہی مضروب ہیں۔ تو مجھے ان پر رد کرتے ہوئے ایک مجاہد، بہادر اور لڑاکا شیر پائے گا۔۔۔۔۔

دوسری قسم: انصاف والے لوگ جیسا کہ ان (ماتریدیہ) کے اکثر اہل علم اور طالب

علم ہیں۔ یہ وہ مخلص لوگ ہیں جو علم کلام سے متاثر اور ان کے مقلد ہیں اور وہ ماتریدیہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں۔ یہ امت کے سلف سے محبت رکھنے والے ہیں اگرچہ خود ماتریدیہ کی بعض بدعات میں ملوث ہیں جس کا سبب ان کا ماتریدی علماء سے علم حاصل کرنا اور ان کی شاگردی اختیار کرنا اور ان کی کتابیں پڑھنا ہے۔ ان لوگوں کو اگر نصیحت کی جائے تو غور کرتے ہیں اور تابہ ہوتے ہیں۔ ان کے معاملے میں آپ مجھے مصالحانہ، مسالمانہ انداز اختیار کرنے والا اور نرمی کرنے والا پائیں گے۔ آپ دیکھیں گے میں انتہائی ٹھنڈے انداز میں ان کو نصیحت کرتا ہوں اور بہت ہی نرمی سے درگزر کرنے والا طریقہ اختیار کرتا ہوں۔

تیسری قسم: یہ احناف کے عوام ہیں۔ جو صرف نام کے اعتبار سے ماتریدیہ کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے بہت سارے طلباء، علماء اور احناف کی ساری عوام مرد ہو یا عورت۔ یہ ایسے ہیں کہ ان کے دل میں کبھی جہمیہ یا ان کی پوپہ ماتریدیہ کی کفریات کا تصور بھی نہیں آتا۔ یہ لوگ ماتریدیہ کی گمراہی کے حامل نہیں ہیں خواہ وہ اپنے آپ کو حنفیہ کی طرف منسوب کریں، ہاں ان کو جہمیہ اور ماتریدیہ کی گمراہی سے ڈرانا اور نرمی سے نصیحت کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح انہیں ماتریدیہ کی طرف نسبت کرنے سے بھی ڈرانا چاہیے کیونکہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ (عداء الماتریدیہ للعقیدہ السلفیہ، ج 1، ص: 20، 21، 22، لشمس الحق افغانی رحمہ اللہ)

فضیلۃ الشیخ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ تبلیغی جماعت میں مختلف عقیدہ و عمل کے افراد کے وجود کا اثبات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تبلیغی جماعت“ مصر کی جماعت ”اخوان المسلمین“ کی طرح ہے۔ وہ دعویٰ تو یہی کرتے ہیں کہ ان کی دعوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہے مگر یہ صرف دعویٰ ہے ان کے عقائد قرآن و سنت کے خلاف ہیں۔ کوئی ”ماتریدی“ ہے تو کوئی ”اشعری“، ایک صوفی ہے تو دوسرا کسی اور فرقہ کا پیروکار۔ یہ ایک جم غفیر ہے جس میں تہذیب و ثقافت اور علم نام کی کوئی چیز نہیں۔ پس تبلیغی جماعت کسی علمی منہج پر نہیں، ان کا منہج

مقام و مکان کی مناسبت سے بدل جاتا ہے۔“ (الفتاویٰ الہیاء للآلبانی: ۴۳/۳۸)
پہلی قسم بدعت مکفرہ کے حاملین:

غالی گروہ جو کہ ایک چھوٹا گروہ ہونے کے باوجود انتہائی خطرناک عقائد کا حامل ہے۔
 بدعت مکفرہ کے حامل اس گروہ کے عقائد کی تفصیل درج ذیل کتب میں ملاحظہ
 فرمائیں:

الشیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے“
 استاد محترم الشیخ پروفیسر حافظ عبداللہ بہاؤ پوری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ”اہل حدیث کی نماز غیر
 اہل حدیث کے پیچھے“

سید طالب الرحمن حفظہ اللہ کی کتاب ”الدیوبندیہ“
 ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ کی نظر ثانی سے شائع شدہ ڈاکٹر ابو عدنان سہیل حفظہ اللہ کی
 کتاب ”اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات۔“
 تصوف کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے ان میں سے بعض وحدۃ الوجود تک کے
 قائل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ عقیدہ وحدۃ الوجود

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو
 اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس مقام کو برزخ
 البرازخ کہتے ہیں۔“ (کلیات امدادیہ ص: ۳۶ / ضیاء القلوب ص: ۳۵، ۳۶)
 ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ”بندہ قبل از وجود باطن خود خدا تھا اور خدا ظاہر بندہ۔ اس پر
 حدیث قدسی دلالت کرتی ہے ”کننت کنزاً مخفیاً“ خالق کی اس کی مخلوق کے ساتھ مثل
 گٹھلی کی درخت کے ساتھ کی ہے کیونکہ درخت اپنے پتوں ٹہنیوں اور پھولوں سمیت گٹھلی
 میں پوشیدہ تھا جب گٹھلی نے اپنا باطن ظاہر کیا تو خود چھپ گئی۔ چنانچہ دیکھنے والا درخت کو
 دیکھتا ہے، گٹھلی کو نہیں۔“ (شائم امدادیہ ص: ۲۸)

مولانا انور شاہ کشمیری نے اپنی کتاب ”فیض الباری“ شرح بخاری میں جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ فرمائیں:

”حدیث مبارک میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ فرائض کی پابندی سے جو قرب حاصل کرتا ہے اُس جیسا اور کوئی قرب نہیں، پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جب میں اسے پسند کر لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔

علمائے ظواہر نے اس حدیث کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ بندہ کے اعضاء جوارح اللہ کی رضا کے تابع ہو جاتے ہیں ان سے وہی حرکت ہوتی ہے جو اللہ کو پسند ہو اور اس کے تمام اعضاء کی انتہاء اور غایت ذات باری تعالیٰ ہو تو یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ بندہ سنتا ہے تو خدا کیلئے، گویا اللہ تعالیٰ اُس بندے کے کان اور آنکھیں بن گیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ معنی لینا حدیث کے الفاظ سے پھر جانا ہے حدیث میں صیغہ متکلم استعمال ہوا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو بندہ نوافل سے قرب الہی حاصل کر چکا ہو، جسم اور صورت کے بغیر اس کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس میں تصرف کر نیوالا رب العالمین ہی ہے یہ وہ مقام ہے جس کو صوفیاء فنا فی اللہ کہتے ہیں یعنی خواہشات کے دوائی سے وہ شخص نکل جاتا ہے، اور اس میں صرف اللہ کا تصرف رہ جاتا ہے۔“ (فیض الباری شرح بخاری بحوالہ دلائل السلوک ص ۳۳)

”صوفیاء نے فرمایا کہ قرب فرائض میں بندہ اعضاء خدا تعالیٰ بنتا ہے اور قرب نوافل میں خدا تعالیٰ اعضاء بندہ بن جاتا ہے۔“ (فیض الباری ۴: ۲۷۷ بحوالہ دلائل السلوک ص ۳۶)

2- غیر اللہ سے استمداد ملاحظہ فرمائیں:

حاجی امداد اللہ کی صاحب اشعار میں رسول اللہ ﷺ کو مشکل کشا کہہ کر آپ ﷺ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں:

یا رسول کبریاء فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے

آپ کی امداد ہو، میرا یا نبی حال ابتر ہوا، فریاد ہے

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آجکل

اے میرے مشکل کشا فریاد ہے

(کلیات امدادیہ ص ۹۰، ۹۱)

حاجی امداد اللہ اپنے مرشد شاہ نور محمد کو یوں مخاطب کرتے ہیں کہ:

آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا

تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا

بلکہ دن محشر کا ہوگا جس وقت قاضی خدا

آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا برملا

اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا

(شائے امدادیہ: ۸۳، امداد المشاق ص ۱۲۲)

محمد قاسم نانوتوی رسول اللہ ﷺ کو مافوق الاسباب پکارتے ہیں کہ میری مدد کریں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا

بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار

(قصائد قاسمی ص ۸)

علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ ان اشعار کا حوالہ دینے کے بعد کہتے ہیں کہ اس

قسم کا عقیدہ صریحاً شرک ہے۔ العیاذ باللہ (امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے: ۲۲)

3۔ مولوی زکریا صاحب فضائل حج میں لکھتے ہیں:

”اہل میں سے ایک شخص نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے سے زیادہ مرتبہ والا بھی کوئی ولی دیکھا؟ فرمانے لگے ہاں دیکھا ہے میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حاضر تھا۔ میں نے امام عبدالرزاق محدث کو دیکھا کہ وہ احادیث بنا رہے ہیں اور مجمع ان کے پاس احادیث سن رہا ہے اور مسجد کے ایک کونے میں ایک جوان گھٹنوں پر سر رکھے علیحدہ بیٹھا ہے، میں نے اس جوان سے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ جمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سن رہا ہے تم ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے؟ اس جوان نے نہ تو سر اٹھایا اور نہ ہی التفات کیا اور کہنے لگے اس جگہ وہ لوگ ہیں جو رزاق کے عبد (عبدالرزاق) سے حدیثیں سنتے ہیں اور یہاں وہ بھی ہیں جو رزاق (اللہ تعالیٰ) سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے عبد سے۔ خضر نے فرمایا اگر تمہارا کہنا حق ہے تو بتاؤ کہ میں کون ہوں؟ اس نے سر اٹھایا اور کہنے لگا کہ اگر فراست صحیح ہے تو آپ خضر ہیں۔ خضر فرماتے ہیں اس سے میں نے جانا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ولی ایسے بھی ہیں جن کے علوم مرتبہ کی وجہ سے میں ان کو نہیں پہچانتا۔ حق تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہم کو بھی ان سے نفع پہنچائے۔ آمین (فضائل حج صفحہ 840)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کے احکام سے آزاد ہو کر بھی ولی بنا جاسکتا ہے حالانکہ علماء اسلام کے نزدیک ایسا سمجھنا اسلام کے منافی امور میں سے ہے۔

4۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے شیخ ابورضا محمد کے تصرفات اور قلبی

خیالات پر مطلع ہونے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

”آپ کے خدام میں سے ایک شخص برے فعل کا مرتکب تھا۔ حضرت والا نے کئی مجلسوں میں رمز و اشارہ سے اسے برے فعل سے منع فرمایا مگر وہ نہ چونکا اور نہ ہی اس فعل سے باز آیا۔ حضرت والا نے اسے خلوت میں طلب فرمایا اور کہا میں نے تجھے کئی مرتبہ اشاروں کنایوں سے سمجھایا لیکن تو نے پرواہ نہ کی۔ تیرا خیال ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ اگر چیونٹی زمین کے سب سے نچلے طبقے میں ہو اور اس کے دل میں سو خیالات آئیں تو

میں ان میں سے ننانوے خطرات کو جانتا ہوں اور حق سبحانہ و تعالیٰ پورے خطرات کا عالم ہے۔ پس اس شخص نے توبہ کی۔“ (انفاس العارفین، ص: ۱۵۰)

شاہ اسماعیل دہلوی نے فوت شدہ بزرگوں کی روحوں سے ملاقات اور لوح محفوظ سے کسی بات کی دریافت کا طریقہ لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ”آسمانوں کے حالات کے انکشاف، ملاقات ارواح و ملائکہ، بہشت و دوزخ کی سیر، اس مقام کے حقائق کی اطلاع، اس جگہ کے مکانوں کی دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لیے یاجی یا قیوم کا ذکر کیا جاتا ہے۔“ (صراط مستقیم، صفحہ: ۲۲۵۔)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ بعض حضرات ایسے شرکیہ نظریات پر مبنی کتابوں کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ جیسا کہ تبلیغی جماعت ان کتابوں میں سے بعض کو اپنے نصاب میں شامل کیے ہوئے ہے اور ان کے مکتبوں سے ان کی اشاعت ہوتی ہے۔ اسی طرح عبدالمجید سوہدروی ایڈیٹر اخبار اہل حدیث سوہدرہ ”منصب امامت“ اور ”صراط مستقیم“ کو موعاظ حسنہ میں شمار کرتے ہیں [حقانیت مسلک الحمدیث، ج: ۱، ص: ۶۷] مکتبہ سلفیہ اہل حدیث شیش محل روڈ لاہور نے بھی ”صراط مستقیم“ فارسی زبان میں شائع کی ہے، لیکن علمائے حق اس شرک سے برأت کا اظہار کرتے ہیں، الحمد للہ علماء اہل حدیث نے ان کے عقائد کا احسن انداز میں رد کیا جیسا کہ ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ کی نظر ثانی سے شائع شدہ ڈاکٹر ابو عدنان سہیل حفظہ اللہ کی کتاب ”اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات“ اور مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ کی کتاب ”روح، عذاب قبر اور سماع موتی“ میں شاہ ولی اللہ اور شاہ اسماعیل کی طرف منسوب کتابوں میں بیان شدہ عقائد کا خوبصورت رد ہے۔

یاد رہے ہمارا مقصود ان شخصیات کی تکفیر کرنا نہیں، ممکن ہے وہ حضرات ان تحریروں سے توبہ کر کے دنیا سے گئے ہوں، یا کسی اور نے یہ باتیں ان کی کتابوں میں لکھ دی ہوں یا ان میں تحریف کی ہو، یا وہ ان باتوں کی ایسی عجیب و غریب تاویل کریں کہ بات صریح کفر نہ رہے البتہ ان باتوں کو کفر کہنا ہم پر واجب ہے۔

دوسری قسم: بدعت غیر مکفرہ کے حاملین

یہ ”ماتریدیہ“ کے اکثر اہل علم اور طالب علم ہیں۔ یہ امت کے سلف سے محبت رکھنے والے ہیں یہ خود ”ماتریدیہ“ کی بعض بدعات میں ملوث ہو سکتے ہیں البتہ کفر و شرک کا ارتکاب نہیں کرتے ہیں جیسے:

☆ اسماء و صفات میں تاویل کرنا۔ اس مسئلہ میں بہت سے اشاعرہ کے مسلک پر ہیں کئی ایک ایسے بھی ہیں جو بعض صفات میں اشاعرہ کی سی تاویل کرتے ہیں اور بعض میں سلف کے منہج کو اپناتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (ط: ۵) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”استواء علی العرش“ کے متعلق صحیح بے غبار وہی بات ہے جو جمہور سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت و کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ تشابہات میں سے ہے۔ عقیدہ اتنا رکھنا ہے کہ استواء علی العرش حق ہے اُس کی کیفیت اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق و مناسب ہوگی جس کا ادراک دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا۔“ (معارف القرآن، جلد ششم: ۶۵)

اسی طرح آپ اللہ تعالیٰ کی صفت ”المجی والأتیان“ کو ثابت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (البقرة: ۲۱۰)

”وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔“

یہ واقعہ کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں اُن کے پاس آجائیں، قیامت میں پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا اس طرح آنا تشابہات میں سے ہے، جس کے متعلق

جہوہر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینہم اور اسلاف امت کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے مضمون کے حق و صحیح ہونے کا اعتقاد و یقین رکھے اور کیفیت کہ کس طرح یہ کام ہوگا اس کی دریافت کی فکر میں نہ پڑے۔“ (معارف القرآن، جلد اول: ۵۰۰)

البتہ بعض صفات جیسے ”یہ“، ”عین“ میں مولانا نے ”اشاعرہ“ کے موقف کو اپنایا ہے۔ ایسے علماء مجموعی طور پر اشاعرہ کی نسبت سلفیت کے زیادہ قریب ہیں۔ پاک و ہند کے احناف میں بہت سے اہل علم ایسے بھی ہیں کہ جو معتزلہ و اشاعرہ کی تاویلات کی نفی کرتے ہیں، البتہ اہل سنت کی مانند صفات ثابت کرنے میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔

جیسے مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں ”فرقہ معتزلہ نے فرقہ مشبہ کے برعکس نصوص کے ظاہری معانی کی نفی کرنے اور حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے میں اتنا غلو کیا کہ حد تعطیل تک پہنچ گیا اور ظاہری معانی کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا منکر ہو گیا اور بلا کسی حجت اور دلیل کے ان نصوص کی تاویل پر تل گیا۔ مثلاً قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں حق تعالیٰ کے لیے لفظ یاد آیا کبھی قوت و قدرت کے ساتھ اس کی تاویل کی اور کبھی نعمت کے ساتھ اس کی تاویل کی کہ یہ قدرت یا نعمت مراد ہے حالانکہ قرآن کریم خود اس تاویل مہمل کے فاسد ہونے کا حکم کرتا ہے۔“ (عقائد اسلام: ۷۶)

پھر اہل سنت و الجماعت کا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

”اہل حق کا گروہ یہ کہتا ہے حق یہ کہ ان صفات کو حق تعالیٰ کے لیے ثابت تسلیم کریں اور اپنی رائے اور قیاس سے اور اپنے کشف اور الہام سے ان کی حقیقت معلوم کرنے کی سعی نہ کریں اور جس طرح یہ صفات تشابہات کتاب و سنت صحیحہ سے ثابت ہوئی ہیں ان کو بے چون و چرا تسلیم کرے اور معتزلہ کی طرح درپے تاویل نہ ہوں۔ اہل حق کے گروہ نے نہ تو معتزلہ کی طرح ظاہر کی نفی میں اتنا غلو کیا کہ حد تعطیل تک پہنچ جائے اور نہ مشبہ کی طرح ظاہر پر اس درجہ جمود کیا کہ تشبیہ اور تمثیل میں جا پڑتے۔ چنانچہ فقہ اکبر میں امام اعظم

ابو حنیفہؒ یہ اللہ علیہ فرماتے ہیں (۲۵۶)

لیکن افسوس کہ ادریس کاندھلوی صاحب اسی کتاب عقائد اسلام میں اہل سنت کے موقف کو فرقہ مشبہ کا موقف بھی قرار دیتے ہیں:

”(فرقہ مشبہ میں) جو ذرا معتدل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے وجہ، بد، قدم اور ساق ثابت تو کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا وجہ ہمارے وجہ کی طرح نہیں اور اس کا قدم اور اس کی ساق ہمارے قدم اور ساق کے مشابہ نہیں۔“ (عقائد اسلام ۲۹۰:)

لیکن افسوس ادریس کاندھلوی صاحب ان تاویلات باطلہ کا رد کرنے کے باوجود اہل سنت کی طرح اللہ سے تشبیہ و تمثیل کی نئی اور ان صفات کی کیفیت کو اللہ کے سپرد کرتے ہوئے ان کے معنی کو ثابت نہیں کرتے بلکہ وہ اسے گمراہی قرار دیتے ہیں

☆ ایمان کی کمی بیشی کا مسئلہ۔ برصغیر کے احناف نے اس مسئلہ میں اہل سنت اور مرجعہ الفقہاء کے قول کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ محمد ادریس کاندھلوی صاحب امام ابو حنیفہ کے اس فرمان ”ایمان بڑھتا اور کم نہیں ہوتا“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”امام اعظمؒ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان کہ جو تمام اہل ایمان میں قدر مشترک ہے اور جس پر ایمانی اخوت کا دار و مدار ہے اور جس ایمان کی بنا پر تمام مسلمان رشتہ اخوت سے منسلک ہوتے ہیں۔ یہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا، البتہ طاعات اور حسنات کے اعتبار سے ایمان میں کمی اور بیشی ہوتی ہے جس قدر طاعات زیادہ ہوں گی اسی قدر ایمان زیادہ کامل ہوگا۔ پس عام مومنوں کا ایمان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ایمان جیسا نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔ ایمان کو سمجھئے کہ ایمان کی حقیقت میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اس کی صفات میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے کسی کا ایمان نورانی اور روشن ہے اور کسی کا ظلمانی اور مکدر اور زنگ آلود ہے اب اس تقریر سے مخالفین کا یہ شبہ زائل ہو گیا کہ ایمان کے کم و بیش نہ ہونے سے

عام مؤمنوں کے ایمان کا معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ایمان کے برابر ہونا لازم آتا ہے۔“

(عقائد اسلام: ۲۰۹، ۲۱۰)

☆ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ علماء دیوبند کے عقائد میں داخل ہے ”المہند علی المہند“ علمائے دیوبند کے عقائد کی ایسی مستند کتاب ہے جس پر بہت سے علماء دیوبند کی تصدیقات موجود ہیں، اس میں یہ عقیدہ لکھا ہوا ہے آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا جیسی ہے برزخی نہیں ہے۔“ (المہند فی عقائد علماء دیوبند صفحہ ۷۰۔)

معروف دیوبندی عالم اخلاق حسین قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جو ہمارے اکابر میں ہیں، حضرت محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے بہترین شارح ہیں اس مسئلہ پر تحریر فرماتے ہیں: ”حضور ﷺ کی حیات برزخی ہے مگر اس قدر قوی ہے کہ بلحاظ آثار وہ دنیوی بھی ہے..... یہی وجہ ہے کہ بعد وفات حضور ﷺ کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی، جنازہ میں کلام فرمایا اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنا، یہ تو وفات کے فوری بعد ہے کہ روح نے جسم کو کلیتہً نہیں چھوڑا، لیکن بعد میں تاحشر بھی روح کا وہی تعلق بدن سے قائم رہے گا جیسا کہ بعض حدیث اجداد انبیاء علیہم السلام کا مٹی پر حرام ہونا ثابت ہے۔ اگر ان ابدان میں کوئی روح نہیں ہے تو انہیں گل جانا چاہیے، پھر حیات کا یہ اثر عالم برزخ میں ہے، عالم دنیا میں یہ ہے کہ ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتی، ان کی ازواج پر بیوگی نہیں آتی، ان کے نکاح حرام ہوتے ہیں نہ صرف عظمت انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے بلکہ حقیقتاً حیات کی وجہ سے کہ وہ بیوہ ہی نہیں ہیں، پس انبیاء علیہم السلام کی یہ برزخی حیات جسمانی و از قبیل دنیوی بھی ہے کہ اجداد میں حس و حرکت بھی ہے، قبروں میں عبادت بھی ہے، کلام بھی ہے، امت کی طرف توجہ بھی ہے، پھر یہی حیات از قبیل حیات برزخی بھی ہے کہ نگاہوں سے اوجھل ہے، ان کی آواز ان کانوں میں نہیں آتی اور کلام ان حسی کانوں میں نہیں پڑتا، نیز امت کے حال کی طرف توجہ اور رخ کا پھیر نا ان آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، سو اس میں ہماری کمزوری کو

یعنی ضعف قوی کو دخل ہے نہ کہ ان آثار کے موجود نہ ہونے یا قابل وجود نہ ہونے کا، بالفاظ مختصر دونوں حیاتیں اس طرح جمع ہیں کہ حیات برزخی اصل ہے اور حیات دنیوی اس کے تابع، یعنی وہ عیناً موجود ہے اور یہ آثاراً موجود ہے۔ اسی طرح دونوں حیات جمع ہو جاتی ہیں نہ استعارۃً بلکہ حقیقتاً۔“ (حیات النبی ﷺ از اخلاق حسین قاسمی ص ۱۳)

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کی زندگی کو دنیاوی قرار دینے کا عقیدہ بلا شک و شبہ باطل ہے۔ شیخ سلیمان بن سحمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی دنیاوی نہیں ہے کہ جس میں انسان کو کھانے، پینے، لباس اور نکاح وغیرہ کی حاجت ہوتی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی زندگی برزخی ہے۔ آپ ﷺ کی روح شریف رفیق اعلیٰ کے پاس ہے۔“ (الصواعق المرسلۃ الشہابیۃ ۸۲)

عقیدہ حیات النبی ﷺ کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ **شرک:** آپ ﷺ کو قبر مبارک میں زندہ ماننے کے بعد آپ سے مدد طلب کرنا، آپ کو عالم الغیب، مختار کل سمجھ کر پکارنا، یہ صورت شرک اکبر ہے۔

احمد سعید کاظمی لکھتے ہیں:

”انبیائے کرام اپنی قبر میں زندہ ہیں، وہ چلتے پھرتے ہیں، نماز پڑھتے اور کلام کرتے ہیں اور مخلوق کے معاملات میں تصرف فرماتے ہیں۔“ (حیات النبی، ص ۳۲ ملتان)

بریلوی عالم احمد یار لکھتے ہیں:

”ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات و نیات اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کو بالکل ظاہر ہیں، ان سے پوشیدہ نہیں۔“ (جاء الحق ص ۱۵۱، ۱۵۰)

۲۔ **بدعت:** قبر میں نبی ﷺ کی حیات کو دنیاوی قرار دینا اور اُس کے برزخی ہونے کا انکار کرنا بشرطیکہ آپ سے استعانت طلب نہ کی جائے اور نہ آپ کو اللہ کی صفات جیسے عالم الغیب اور مختار کل، متصرف الامور وغیرہ سے متصف کیا جائے۔ یہ صورت شرک

نہیں بلکہ بدعت ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ((الانبياء أحياء في قبورهم يصلون)) کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے لیے جو زندگی ثابت کی گئی ہے وہ برزخی زندگی ہے۔ اس لیے اس پر دنیاوی زندگی سے تشبیہ و تمثیل دے بغیر ایمان لانا چاہیے۔ اپنے قیاس اور رائے سے اہل بدعت کی طرح کسی بات کا اضافہ نہیں کرنا چاہیے، جن کا حال یہاں تک جا پہنچا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں زندگی حقیقی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں کھاتے، پیتے بلکہ اپنی بیویوں سے جماع تک کرتے ہیں (نعوذ باللہ)۔“ (السلسلة الصحيحة 120/2)

ان بدعات کی بنا پر یہ کہنا درست ہے کہ یہ لوگ سلف کے منہج پر نہیں ہیں اور عام لوگوں کو کتاب و سنت کی تعلیم کے لیے ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیے بلکہ کتاب و سنت کو علی منہج سلف جاننے والے اہل علم کے ساتھ تمسک کرنا چاہیے۔

سلفی العقیدہ علماء احناف

امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدہ پر لکھی جانے والی کتاب ”عقیدہ طحاویہ“ اور اس کی شرح (جو امام صدر الدین ابن العز حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے کی) آج اہل سنت کے عقیدہ کی بنیادی کتاب شمار ہوتی ہے، اس شرح پر محدث العصر ناصر الدین البانی، مفتی اعظم ابن باز، ابن عثیمین اور صالح الفوزان رحمۃ اللہ علیہم نے تعلیقات لکھیں۔

آج اہل حدیث مدارس میں امام ابن العز الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کی ”شرح عقیدہ طحاویہ“ پڑھائی جاتی ہے۔ آج بھی برصغیر کے علماء احناف میں وہ علمائے کرام موجود ہیں جو عقیدہ طحاویہ سے عقیدہ کے مسائل کو اخذ کرتے ہیں اور علم الکلام کی کتب پر رد کرتے ہیں۔

فضیلۃ الشیخ محمد انور بدخشانی حفظہ اللہ جو الجامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں استاد ہیں۔ انہوں نے امام ابن العز حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح العقیدۃ الطحاویہ کی تلخیص فرمائی

ہے۔ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ایمان اور عقیدہ کی اصلاح میں کوئی کمی نہ چھوڑے لیکن افسوس ہمارے مدارس اور جامعات میں کوئی ایسی کتاب نہیں جو کتاب وسنت سے ماخوذ خالص اسلامی عقیدہ پر مشتمل ہو بلکہ ہمارے علاقوں میں مدت سے جو کتاب معروف ہے اور جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ وہ علامہ تفتازانی کی کتاب شرح عقائد النسفیہ ہے..... علامہ صاحب علم الکلام، بلاغہ و معقول کے امام تھے.....

اس کتاب میں کتاب وسنت پر دلالت کرنے والے خالص اسلامی عقائد نہیں ہیں بلکہ اس میں فلسفی عقائد ہیں..... فلسفی عقائد وہ ہیں جو علم الکلام کے علماء نے معتزلہ اور فلاسفہ کے ساتھ مناظروں میں اختیار کیے تھے..... پس میں نے اللہ کی توفیق سے کتاب وسنت سے ثابت شدہ ضروری عقائد جمع کیے ہیں جن پر اس امت کے سلف کا اجماع ہے۔“ (تلخیص شرح العقیدہ الطحاویہ)

شیخ یوسف العیری رحمہ اللہ کے ایک سوال کے جواب میں مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”معمودا دیوبندی اشعری اور ماتریدی ہیں لیکن ان میں اہل سنت بھی پائے جاتے ہیں۔ میں لوگوں کے سامنے حق منہج کو واضح کرتا ہوں جو کہ سلف کا منہج ہے اور میں خلف کے منہج سے انہیں ڈراتا ہوں..... طالبان کے مفتی اعظم میرے شاگردوں میں سے ہیں اور اسی طرح عبداللہ ذاکری جو کہ بڑے علماء میں سے ہیں، وہ بھی اسی منہج پر ہیں، ہم حق بات بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“ (المیزان للحرکتہ الطالبان)

سماعۃ الشیخ غلام اللہ رحمہ اللہ حتی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”رہے ملا عمر نہ تو وہ دیوبندی ہیں نہ حنفی، بلکہ وہ ایک عام مسلمان ہیں۔ ممکن ہے وہ جانتے بھی نہ ہوں کہ اشعریت اور ماتریدیت کیا ہے؟ وہ کہا کرتے تھے ”میں وہ حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں جو نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں قائم کی تھی، اس حکومت کی بنیاد

کتاب و سنت پر ہوگی۔ ملا عمر خود عالم نہیں ہیں بلکہ وہ علماء کے فتاویٰ پر عمل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ”علماء کا کام فتویٰ دینا ہے اور میرا کام تطبیق کرنا ہے۔ وہ نہ صوفی ہے نہ دیوبندی، بلکہ وہ سلفیت سے محبت کرنے والے انسان ہیں۔“ (مجلۃ البیان سعودی عرب)

مسئلہ ”وحدۃ الوجود“ کے بارے میں علمائے احناف کا موقف

یہ علماء وحدۃ الوجود اور دیگر کفریات کا صریحاً رد کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے وحدۃ الوجود کے رد میں ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام ”الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود“ رکھا، اپنی کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:

”پھر اگر تم سچے مسلمان اور پکے مومن ہو تو ابن عربی کی جماعت کے کفر میں شک نہ کرو اور اس گمراہ قوم اور بے وقوف گروہ کی گمراہی میں توقف نہ کرو، پھر اگر تم پوچھو: کیا انہیں سلام کہنے میں ابتدا کی جاسکتی ہے؟ میں کہتا ہوں: نہیں اور نہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے بلکہ انہیں وعلیکم کا لفظ بھی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ یہ یہودیوں اور نصرانیوں سے زیادہ برے ہیں اور ان کا حکم مرتدین کا حکم ہے..... ان لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو جلانا واجب ہے اور ہر آدمی کو چاہیے کہ ان کی فرقہ پرستی اور نفاق کو لوگوں کے سامنے بیان کرے کیونکہ علماء کا سکوت اور بعض راویوں کا اختلاف اس فتنے اور تمام مصیبتوں کا سبب بنا ہے.....“

(الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود ص ۱۵۵، ۱۵۶)

مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ناؤن) فرماتے ہیں:

”صوفیہ میں سے بعض تو وہ ہیں جو صحیح راستے پر گامزن ہیں۔ یہ اس راستے پر ہیں کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے۔ یہ دنیا سے بے رغبتی اور احسان کے مرتبہ کا راستہ ہے۔ البتہ جو لوگ ابن عربی وغیرہ کے راستے پر ہیں جو کہ وحدت الوجود کا عقیدہ رکھتا تھا تو یہ تصوف باطل ہے، یہ عقیدہ طالبان کے ہاں نہیں پایا جاتا بلکہ وہ تو ایسے نظریات کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔“ (المیزان لمحورۃ الطالبان)

(۱) حکیم میاں عبدالقادر فاضل دیوبند لکھتے ہیں:

”وحدۃ الوجود خود کو خدائی مسند پر جلوہ افروز ہونے والوں کا باطل عقیدہ و عمل ہے۔“

(تذریۃ الہ ص ۱۸۵، مطبوعہ بیت الحکمت لوہاری منڈی لاہور)

(۲) خان محمد شیرانی پنج پیری دیوبندی (ثروب بلوچستان) نے وحدۃ الوجود کے رد میں ”کشف المحجود عن عقیدۃ وحدۃ الوجود“ نامی کتاب لکھی ہے جس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے کہ ”اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کا وحدۃ الوجود اور حلولی کا عقیدہ ہوتا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔“ (بحوالہ الحدیث: شمارہ نمبر ۳۹ ص ۲۰)

جامع الفتاویٰ میں یہ فتویٰ مذکور ہے:

سوال: جو مسلمان عاقل و بالغ وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھے، اور یہ کہے کہ ”سب وہی اللہ تعالیٰ ہے“ تو اس کلام سے وہ مسلمان کافر ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب: وحدۃ الوجود کا ظاہر معنی خلاف شرع ہے، جو شخص اس کا قائل ہو، اگر اس کا اعتقاد ہو کہ حق تعالیٰ نے تمام چیزوں میں حلول فرمایا ہے یا اس شخص کا عقیدہ ہو کہ تمام اشیاء اس ذات مقدس کے ساتھ متحد ہیں، تو اس کلام سے کفر لازم آتا ہے اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کا ظہور ہے، تو ایسی حالت میں اس کے کلام سے کفر لازم نہیں آتا، لیکن اس کلام سے ایسے امر کا گمان ہوتا ہے، جو خلاف شرع ہے، اس واسطے یہ کلام عام مجلسوں میں شائع کرنا مناسب نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی، ص ۶۷ بحوالہ جامع الفتاویٰ، جلد اول، ص ۲۷۴)

مسئلہ تقلید

تقلید مفہمی الی الشریک:

تقلید بعض اوقات مفہمی الی الشریک ہوتی ہے۔ جب مقلد قرآن وحدیث کی مخالفت میں کسی عالم کی بات کو مانے اور قرآن وحدیث سے یکسر انغماض برتے، قرآن مجید کو صرف تبرک کے لیے پڑھے لیکن عملاً اس کو دستور حیات ماننے سے انکار کرے اور یہ گمان کرے کہ ہمارے امام سے غلطی اور حطاً ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور ثواب ہے اور اپنے دل میں یہ بات جمار کھے کہ ہم اپنے امام کی تقلید ہرگز نہ چھوڑیں گے اگرچہ ہمارے مذہب کے خلاف قرآن وحدیث سے دلیل قائم بھی ہو جائے۔ ایسی تقلید شرک تک پہنچانے والی ہے۔ مولانا سرفراز خاں صفدر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے مخالف اگر قرآن وحدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے، ہم بھی کہتے ہیں، لا شک فیہ (اس میں کوئی شک نہیں)۔“

(الکلام المفید ص: ۳۱۰)

مگر افسوس ایسی تقلید کے اثرات علماء کرام تک میں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

شیخ الہند محمود الحسن صاحب خیاب مجلس (البیعان بالخیار ما لم یتفرقا) کے مسئلہ میں لکھتے ہیں:

”الحق والانصاف ان الترجیح للشافعی فی هذه المسئلة ونحن مقلدون
يجب علينا تقليدا ما منا ابی حنیفہ۔“

”حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح حاصل ہے مگر ہم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں ہم پر ان کی تقلید واجب ہے۔“ (تقریر ترمذی ص: ۳۹)

تقلید غیر مفہمی الی الشک:

شیخ الحدیث حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ:
 ”حنفیہ تقلید کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اسے واجب کہتے ہیں اور اہل حدیث تقلید کی مذمت کرتے ہیں اور اسے حرام کہتے ہیں تو پھر اتحاد کیسے؟
 جواب: حرمت اور وجوب کے قائل دو قسم کے لوگ ہیں:

(۱) غالی: جن کے درمیان نزاع حقیقی ہے۔

(۲) محققین: دراصل ان میں نزاع لفظی ہے۔

جس تقلید کی اہلحدیث مذمت کرتے ہیں اور اس کو حرام کہتے ہیں ان کے ادلہ کو اگر دیکھا جائے تو ایسی تقلید کی حرمت و مذمت کا محققین حنفیہ بھی اقرار کرتے ہیں اور جس تقلید کو حنفیہ واجب کہتے ہیں اس کے ادلہ کو اگر دیکھا جائے تو ایسی تقلید سے اہلحدیث کو بھی مفر نہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دین میں تین قسم کی تقلید حرام ہے۔

۱۔ استحسان تربیت کی وجہ سے ”تقلید آباء“ پر اکتفاء کرنا اور قوت فکر اور دلیل کی طرف رجوع نہ کرنا یعنی قرآن و سنت سے اعراض اور جدی طریق پر جمود

۲۔ ایسے شخص کی تقلید کرنا جو قابل اتباع نہیں

۳۔ قیام حجت کے بعد بھی سابق طریق پر اڑے رہنا

تقلید کے جواز یا وجوب کی صورت

جب مکلف خود مسئلہ کی تحقیق نہ کر سکے اور اس کو تفصیل معلوم نہ ہو تو اس صورت میں بعض دفعہ تقلید جائز اور بعض دفعہ واجب ہو جاتی ہے مگر جو تقلید کی مطلق مذمت کرتے ہیں وہ اس صورت کو تقلید نہیں کہتے اور جو جائز یا واجب کہتے ہیں وہ اسے تقلید کی قسم قرار دیتے

ہیں۔ (الاصلاح ص ۱۵۹)

مولانا محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ نے تقلید کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

”اس بات سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا کہ دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت بھی اس لیے واجب ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے قول و فعل سے احکام الہی کی ترجمانی فرمائی ہے۔ کوئی چیز حلال ہے؟ کوئی چیز حرام؟ کیا جائز ہے؟ ان تمام معاملات میں خالصۃً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بجائے کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو، اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو، وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے، لہذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن سنت کے احکام کی اطاعت کرے۔.....“ (تقلید کی شرعی حیثیت ص: ۷)

دین کے بنیادی عقائد میں تقلید ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے، تمام اصول فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ تقلید عقائد اور ضروریات دین میں نہیں ہوتی، کیونکہ یہ مسائل نہ اجتہاد کا محل ہیں نہ تقلید کا.....“ (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۱۶)

مولانا تقی عثمانی صاحب علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

”شرعی احکام کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ احکام ہیں جن کا جزو دین ہونا بدیہیہ ثابت ہے، مثلاً پانچ نمازیں، زکوٰۃ، رمضان کے روزے، حج، زنا اور شراب نوشی کی حرمت اور اسی جیسے دوسرے احکام، تو اس قسم میں تقلید جائز نہیں، کیونکہ ان چیزوں کا علم تمام لوگوں کو ہوتا ہی ہے لہذا اس میں تقلید کے کوئی معنی نہیں اور دوسری قسم وہ ہے جس کا علم فکر و نظر اور استدلال کے بغیر نہیں ہو سکتا، جیسے عبادات و معاملات اور شادی بیاہ کے فروعی مسائل، اس قسم میں تقلید درست ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾، نیز اس لئے کہ اگر ہم دین کے ان فروعی مسائل میں تقلید کو ممنوع کر دیں تو اس

کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص باقاعدہ علوم دین کی تحصیل میں لگ جائے، اور لوگوں پر اس کو واجب کرنے سے زندگی کی تمام ضروریات برباد ہو جائیں گی اور کھیتوں اور مویشیوں کی تباہی لازم آئے گی، لہذا ایسا حکم نہیں دیا جاسکتا۔“.....

”پھر اس تقلید کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام و مجتہد کو معین نہ کیا جائے، بلکہ اگر ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا گیا ہے تو دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے اس کو ”تقلید مطلق“ یا ”تقلید عام“ یا ”تقلید غیر شخصی“ کہتے ہیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے، اور ہر مسئلہ میں اسی کا قول اختیار کیا جائے، اُسے ”تقلید شخصی“ کہا جاتا ہے۔ تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہ راست قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ جس مجتہد کو قرآن و سنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کی فہم و بصیرت اور اس کے تفقہ پر اعتماد کر کے اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے۔“.....“ (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵)

”تقلید کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جو شخص براہ راست، قرآن و حدیث کا مطلب سمجھنے، ان کے ظاہری تعارض کو رفع کرنے، یا نسخ و منسوخ وغیرہ کا فیصلہ کرنے کی اہلیت اپنے اندر نہیں پاتا، وہ کسی مجتہد سے تفصیلی دلائل کا مطالبہ کئے بغیر اس کے علم پر اعتماد اور اس کے فتوے پر عمل کر لیتا ہے، لہذا تقلید کے مفہوم میں یہ بات ہرگز داخل نہیں ہے کہ مجتہد کے فتوے پر عمل کرنے کے بعد قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کی جائے، بلکہ یہ دروازہ تقلید کے بعد بھی کھلا رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں مقلدین نے کسی امام کی تقلید شخصی کرنے کے باوجود قرآن کریم کی تفسیریں اور احادیث کی شروح لکھی ہیں اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے علم کو بڑھانے اور تحقیق و نظر کا سلسلہ جاری رکھا ہے، اور اگر اس تحقیق کے دوران کسی مسئلے میں قطعی طور سے واضح ہو گیا ہے کہ کوئی حدیث صریح مجتہد کے قول کے خلاف ہے اور اس کے معارض کوئی قوی دلیل موجود نہیں، تو اس مسئلہ میں

اپنے امام کی بجائے حدیثِ صریح پر عمل کیا ہے۔ لہذا اگر کسی مقلد کو اپنے امام کا کوئی قول کسی حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو اس حدیث کی تحقیق کرنا تقلید کے خلاف نہیں ہے۔“

(ص: ۴۶۰)

مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ مقلد حضرات کا عقیدہ و عمل خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

”(۱) دین کے بنیادی عقائد میں تقلید نہیں ہوتی

(۲) جو احکام شریعت تو اترو بداہت سے ثابت ہیں ان میں کسی کی تقلید نہیں کی جاتی

(۳) قرآن و سنت کی جو نصوص قطعی الدلالہ ہیں اور جن کا کوئی معارض موجود نہیں ان میں کسی امام کی تقلید کی ضرورت نہیں

(۴) تقلید صرف اس غرض کے لئے کی جاتی ہے کہ قرآن و سنت سے اگر مختلف باتوں کا اثبات ممکن ہو تو کسی ایک معنی کو معین کرنے کے لئے اپنے ذہن کی بجائے کسی مجتہد کے فہم پر اعتماد کیا جائے

(۵) مجتہدین امت کسی کے نزدیک معصوم اور خطاؤں سے پاک نہیں ہیں، بلکہ ان کے ہر اجتہاد میں غلطی کا امکان موجود ہے

(۶) ایک متبحر عالم اگر مجتہد کے کسی قول کو کسی صحیح اور صریح حدیث کے خلاف پائے، اور اس کا کوئی معارض موجود نہ ہو تو اس کے لئے (ان شرائط کے ساتھ جن کا ذکر ”متبحر عالم کی تقلید“ کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے) مجتہد کے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔“

(تقلید کی شرعی حیثیت از محمد تقی عثمانی ص: ۱۲۱)

شیخ الحدیث حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الاصلاح“ میں ”الاحمدیہ اور حنفیہ

میں نہ اصولی اختلاف ہے نہ فروعی“ کے نام سے ایک عنوان قائم کرتے ہیں اور اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”الاحمدیہ کے اصول کتاب و سنت، اجماع اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، یعنی جب

کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہو اور اس کا کوئی مخالف نہ ہو، اگر اختلاف ہو تو ان میں سے جو

قول کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہو، اس پر عمل کیا جائے اور اس پر کسی عمل، رائے یا قیاس کو مقدم نہ سمجھا جائے اور بوقت ضرورت قیاس پر عمل کیا جائے، قیاس میں اپنے سے علم (زیادہ علم رکھنے والا) پر اعتماد کرنا جائز ہے، یہی مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، دیگر ائمہ اہلحدیث کا ہے۔

شیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کتاب ہذا کے مقدمے میں حافظ محمد رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول کے بارے میں لکھتے ہیں: ”حافظ صاحب کا یہ بیان ان کے نہایت گہرے مطالعہ اور وسعت کا مظہر ہے اور وہ اس طرح کہ جہاں تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے جلیل القدر تلامذہ (امام محمد اور قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ وغیرہ) کا اور ان کا سطرز فکر و عمل اختیار کرنے والوں کا تعلق ہے، اس کو اگر سامنے رکھا جائے تو واقعی اہلحدیث اور احناف کے اصولوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔“ (الاصلاح ص ۱۴)

شیخ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ احناف کو تین گروہ میں تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پہلا گروہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردان رشید امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ اور ان کا سطرز عمل اختیار کرنے والوں پر مشتمل ہے۔ ان سے اہلحدیث کا اصولی طور پر اختلاف نہیں۔ حضرت حافظ صاحب گوندلوی رحمہ اللہ نے احناف سے اصول و فروع میں اختلاف کی جو فہمی کی ہے اس کا تعلق اسی گروہ سے ہے۔“ (الاصلاح ص ۱۵)

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی تلامذہ کی تربیت ایسے انداز میں فرمائی کہ قرآن و حدیث کی نصوص کا احترام اور ان کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور یوں ان کو فقہی جمود سے بچنے کا درس دیا، یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے خصوصی تلامذہ امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ نے اپنے استاد سے بے شمار مسائل میں اختلاف کیا، یہاں تک کہ ان کی تعداد دو تہائی بیان کی گئی ہے۔“ (الاصلاح ص ۱۷)

”انہی کے نقش قدم پر چلنے والے وہ بعض علماء ہیں جنہوں نے احادیث صحیحہ کی بنیاد پر فقہ حنفی کے بہت سے مسائل یا بعض کو چھوڑ دیا اور احادیث کو ترجیح دی جیسے مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہ۔“ (الاصلاح ص ۱۸)

مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب سابق جج وفاقی شرعی عدالت پاکستان جو ایک بہت بڑے خفی عالم، مولانا مفتی شفیع مرحوم کے جلیل القدر صاحبزادے ہیں اور خود بھی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے موجودہ علمائے احناف میں ایک نہایت ممتاز مقام کے حامل ہیں اور اپنے والد گرامی کی قائم کردہ دارالعلوم کراچی میں تدریس حدیث اور افتاء و تحقیق کے منصب عالیہ پر فائز ہیں، وہ مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ”الحلیۃ الناجزہ فی الحلیۃ العاجزہ“ کے دیباچے میں فقہ حنفی سے خروج کا جواز تسلیم کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ فقہ حنفی میں عورتوں کو پیش آنے والی مشکلات کا کوئی حل نہیں ہے۔

وہ لکھتے ہیں: ”.....حکیم الامت نے بیشتر مسائل میں مالکی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔“

فقہاء احناف نے صراحت کی ہے کہ اس طرح کرنے سے کوئی شخص تقلید امام کے دائرہ سے نہیں نکلتا جیسا کہ پاک و ہند کے احناف، مالکی مسلک اپنانے کی وجہ سے حنفیہ سے خارج نہیں ہوئے، مولانا عبدالحی لکھنوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور دیگر بہت سے افراد نے احادیث کی بنا پر فقہ حنفی کے بعض مسائل کو چھوڑ دیا..... حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی طرز فکر و عمل ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ نے اختیار کیا اور اس میں کوئی خرابی نہیں بلکہ یہ نہایت پسندیدہ، مستحسن اور ایک مسلمان سے مطلوب ہے اور احناف کا یہی وہ گروہ ہے جس کی بابت زیر نظر کتاب میں کہا گیا کہ ان کے اور اہل حدیث کے مابین نہ کوئی اصولی اختلاف ہے اور نہ فروعی۔“ (الاصلاح ص ۲۹)

فقہی مسائل میں اختلاف کی شرعی حیثیت

ان مسائل میں اختلاف کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اختلاف تنوع ۲۔ اختلاف تضاد

اختلاف تنوع: بعض مسائل ایسے ہیں جن میں دو مختلف اقوال ہوتے ہیں اور

دونوں ہی شریعت سے ثابت ہوتے ہیں، آدمی کو اختیار ہے کہ جو مرضی عمل اختیار کرے مثلاً نماز میں دعائے استفتاح، رکوع اور سجدے کی تسبیحات اور تشہد کی دعائیں، سفر میں روزے کا رکھنا یا نہ رکھنا۔

بنو نضیر سے جنگ کے موقع پر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کافروں کے کچھ درخت کاٹے اور کچھ چھوڑ دیے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دونوں اعمال کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿مِمَّا قَطَعْتُمْ مِّنَ اللَّيْنَةِ أَوْ تَرَكَتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾ (الحشر: ۵)

”تم نے کھجور کے جو بھی درخت کاٹے یا انہیں اپنی جڑوں پر قائم رہنے دیا تو یہ اللہ ہی کے حکم سے تھا اور تاکہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے۔“

اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں جہاد کا سفر کیا، ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا۔ روزہ دار روزہ نہ رکھنے والے پر اعتراض نہ کرتا تھا اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے والا روزہ دار پر اعتراض کرتا تھا۔“

(بخاری ۱۹۳۷، مسلم ۱۱۱۸)

اسی اختلاف میں افضل اور مفضول کا اختلاف بھی ہے جیسے کہ عورت کی نماز اگرچہ گھر میں افضل ہے لیکن مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اس کے لیے جائز ہے۔ حج و عمرہ کے بعد اگرچہ سر کے بال منڈوانا افضل ہے مگر بال کٹوانا بھی جائز ہے۔

بعض اوقات آیت یا حدیث کے دو مفہوم نکلتے ہیں اور دونوں ہی معانی پر عمل کرنا

جانزے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے بعد فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھے۔ اب نماز کا وقت راستے میں ہو گیا تو بعض نے کہا کہ جب تک ہم بنو قریظہ پہنچ نہ لیں عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے اور بعضوں نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ آپ کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے کسی پر خفگی نہیں کی۔ (بخاری: ۴۱۱۹ مسلم: ۱۷۷۰)

گویا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ عام ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ نماز بنو قریظہ کے ہاں جا کر ہی ادا کرنی چاہیے، اگرچہ ایسا کرنے میں نماز کا وقت ہی کیوں نہ چلا جائے اور بعض نے ان کے الفاظ کا یہ مطلب سمجھا کہ وہاں جلد پہنچ کر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لینا چاہیے۔

یہ اس قسم کا اختلاف ہے جس میں دونوں طریقے صحیح ہوتے ہیں، البتہ قابل مذمت بات یہ ہے کہ ان مسائل میں اختلاف کی بنا پر جھگڑا کیا جائے۔

اختلاف تضاد

اس امت کے اہل علم میں فقہی عملی مسائل میں اختلاف ہمیشہ رہا ہے، ان مسائل میں حق اگرچہ ایک ہی بات ہوتی ہے اور باقی سب اقوال غلط ہوتے ہیں اس لیے یہ کہنا تو غلط ہے کہ جس اہل علم کا قول چاہو اختیار کر لو بلکہ ان مسائل میں کتاب و سنت کو ہی دیکھنا ہوگا، اگر یقین ہو جائے کہ فلاں قول قرآن و سنت کے مطابق ہے تو اسے اختیار کرنا واجب ہے اور باقی اقوال کو چھوڑ دیا جائے گا۔

فقہی اختلافات کی بنیاد پر افتراق کرنا درست نہیں

مسائل کے ان اختلافات کی بنیاد پر آپس میں دشمنی اور افتراق کرنا درست نہیں، کیونکہ فقہی اور اجتہادی امور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اختلاف ہوا کسی مسئلہ میں قرآن و

حدیث کی صحت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اجتہادات مختلف ہوئے اور بعض اوقات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کا مفہوم سمجھنے میں اختلاف ہوا مگر ان میں وحدت اور اخوت برقرار رہی، سلف کے مابین باہمی محبت و ہمدردی اور آپس کے تعلقات کی گرمجوشی میں کوئی کمی نہیں آئی، البتہ اگر مجتہد کوشش کے باوجود صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچا تو اس کے لیے غلطی کے باوجود اجر ہے:-

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی حاکم اجتہاد کرتے ہوئے فیصلہ کرتا ہے اور صحیح نتیجے پر پہنچتا ہے تو اسے دو گنا ثواب ملتا ہے اور جب وہ اجتہاد کرتے ہوئے غلط فیصلہ کرتا ہے تو بھی اسے اکہرا ثواب مل جاتا ہے“۔ (بخاری: ۳۵۲، مسلمہ ۱۴۱۶)

اس اختلاف میں مجتہد غلطی کے لیے بھی ایک اجر ہے مگر غلطی میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ اس مسئلہ میں اس عالم نے خطا محض کی اور اس کے باوجود وہ اس کی اس مسئلہ میں پیروی کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جمہور علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کرتے ہوئے خطا کرنے والا گنہگار نہیں کیونکہ نبی رحمت ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی گنہگار قرار نہیں دیا اور اگر مجتہد غلطی گنہگار ہوتا تو آپ ﷺ ضرور اس کی پکڑ کرتے۔“ (فتح الباری ۷/۴۱۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ حدیث اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف اسی قسم کا ہے۔ آج جہالت کے پھیل جانے کی وجہ سے امت مسلمہ میں اختلاف کی نوعیت اور اس کی نسبت سے سمجھ اور اس پر عمل یعنی شرعی رویہ مفقود ہے، اس کی جگہ افراط و تفریط کے انفرادی اور اجتماعی اسلوب اپنائے جا رہے ہیں۔

بعض لوگ حق کو کسی ایک فقہی مذہب یا اپنے امام کی فقہ تک محدود کر لیتے ہیں، حدیث رسول ﷺ کو قبول کرنے کی بجائے اس کی تاویلات ہی کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیتے ہیں بلکہ پچھلی چند صدیوں کے بزرگوں سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ان کی ہر

بات حتمی سمجھی جا رہی ہے۔ پچھلی تین، چار سو سالوں کے بزرگوں کے نظریات کی پابندی کی اور کروائی جا رہی ہے۔

دوسری طرف امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، احمد بن حنبل اور ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم کے بعض فقہی اختلافات کا ذکر کر کے انہیں کتاب وسنت کے مخالف قرار دیتے ہوئے اسلام ہی سے خارج قرار دیا جا رہا ہے، انہیں فرقہ پرست اور شرک فی الرسالت کا مرتکب گردانا جا رہا ہے حالانکہ ان ائمہ کرام رحمہم اللہ کے وہی عقائد ہیں جو کتاب وسنت نے بیان کیے اور جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ تھے۔ الحمد للہ ان ائمہ اربعہ اور ان جیسے اہل علم کے درمیان اصول دین میں کوئی نزاع نہیں ہے، بلکہ یہ اختلافات ان امور میں ہوتے ہیں جو کہ اجتہادی ہیں، فروعات کے فہم کا اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم تک میں ہوا۔ امت کے بڑے بڑے محدثین، مفسرین اور فقہاء، خود حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہل حدیث کا مذہب رکھتے تھے، ان امور میں ان کے درمیان کوئی تعصب نہیں تھا۔

افسوس کہ آج فقہی امور پر بحث و مناظرہ کرتے ہوئے علماء کرام کی عزت و آبرو کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ایک مسلمان عالم کی ذمہ داری ہے کہ فقہی امور میں تنقید کرتے وقت احسن انداز اختیار کرے۔ ان فقہی امور میں اختلاف کرنے والوں سے وہ رویہ نہ رکھے جو ایک ملحد، کافر و شرک یا کلمہ پڑھنے کے بعد اسلام کے منافی امور کے مرتکب شخص سے رکھنا واجب ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اجتہادی مسائل میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک واقع ہوتا آیا ہے۔ سب سے پہلے جو اختلاف ہوا وہ خلفائے راشدین مہدیین کے زمانے میں ہوا، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سب ادوار میں رہا، پھر تابعین رحمہم اللہ میں ہوا، ان میں سے کسی نے بھی اس پر کسی کو معیوب نہ جانا۔ صحابہ کے بعد والوں میں بھی اسی طرز پر اختلاف ہوا اور اس میں توسیع بھی ہوئی۔“

(الاعتصام از امام ابوالاسحاق الشاطبیؒ ۸۰۹)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَأَمَّا لاختلاف في (الأحكام) فأكثر من أن ينضبط ولو كان كل ما اختلفت مسلمان في شيء تهاجرا- لم يبق بين المسلمين عصمة ولا أخوة)) (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۴/۱۷۳)

”مسائل احکام میں تو اس قدر اختلاف ہوا ہے کہ اس کا ضبط میں آنا ممکن نہیں، اگر کہیں ایسا ہوتا کہ جب بھی کبھی دو مسلمانوں میں کسی مسئلے کی بابت اختلاف ہو تو ایک دوسرے سے قطع تعلقی اختیار کر لیتے تو مسلمانوں میں کسی عصمت یا اخوت کا نام ٹک باقی نہ رہتا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ مدینہ میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم لوگوں کو دین سکھانے لگے، تابعین کے دور میں سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر پھر امام زہری اور یحییٰ بن سعید آئے۔ پھر امام مالک رحمہ اللہ نے ان سب کا علم مدون کر دیا۔ مکہ مکرمہ میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دینی حلقہ قائم کیا، ان سے عکرمہ، مجاہد اور عطاء رحمہ اللہ نے دین سیکھ کر پھیلا یا، پھر سفیان بن عیینہ اور مسلم بن خالد آئے اور آخر کار محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے ان سے منقول شدہ احادیث اور فتاویٰ جمع کر دیئے۔ عراق اور کوفہ میں سیدنا علی بن ابی طالب اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے اللہ کے دین کو روشن کیا۔ ان سے ان کے شاگرد علقمہ بن قیس اور قاضی شریح رحمہ اللہ نے دین سیکھا اور انہوں نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور حماد بن سلیمان رحمہ اللہ کو سکھایا اور آخر کار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے وہ تمام فتاویٰ اپنی کتب میں جمع کر دیئے۔

جب خلیفہ منصور نے امام مالک رحمہ اللہ سے مشورہ کیا کہ موطا مالک کو سب مسلم خطوں میں نافذ کر دیا جائے تو امام مالک رحمہ اللہ نے جو جواب دیا، وہ ہمارے لیے قابل غور ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام مالک کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں:

”اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملکوں کے اندر بکھر گئے تھے، اب ہر قوم ان کے علم سے

وہ چیز لے چکی ہے، جو ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پہنچی تھی۔“

(مجموع الفتاویٰ: ج ۳۰، ص: ۷۹)

امام ذہبی رحمہ اللہ یوں نقل کرتے ہیں:

”اے امیر المؤمنین ایسا مت کیجئے کیونکہ اس سے قبل لوگوں کے ہاں اقوال پہنچے ہوئے ہیں، ان کو احادیث اور روایات ملی ہوئی ہیں، اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل علم کے اختلاف سے ہر قوم کو جو چیز پہنچی وہ اس کو لے چکی اور اس کو معمول بنا کر بطور دین اختیار کر چکی۔ اب لوگ جس بات کے قائل ہو چکے، اس سے ان کو ہٹانا شدید بات ہے، لہذا لوگوں کو اب ان کے حال پر چھوڑ دیجئے، ہر ملک کے لوگوں نے جو کچھ اختیار کیا ہے ان کو اسی پر رہنے دیجئے۔“ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۸، ص: ۷۸)

اجتہادی اختلاف کی بنا پر تکفیر نہیں کرنی چاہیے

اجتہادی مسائل کا اختلاف کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔ دیکھیے عائشہ، معاویہ اور علی رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف نے کتنی شدت اختیار کی مگر اس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کو مسلمان ہی سمجھا۔ ملاحظہ فرمائیں:

((عن رباح بن الحارث قال: انا البواد، وان ركبتي لتكاد تمس ركة عمار بن ياسر اذ اقبل رجل فقال: كفر والله اهل الشام - فقال عمار: لا تقل ذلك، فقبلتنا واحدة، ونبينا واحد، ولكنهم قوم مفتونون، فحق علينا قتالهم حتى يرجعوا الى الحق))

”رباح بن حارث کہتے ہیں ہم عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک وادی میں تھے (عمار بن یاسر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے اور آپ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ آپ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا (ترمذی: ۳۸۰۰) ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اللہ کی قسم! اہل شام (معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی) کافر ہو گئے۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا مت کہو، ہمارا قبلہ ایک ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ فتنہ زدہ لوگ ہیں جن

سے قتال کرنا ہم پر واجب ہے یہاں تک کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((لا تقولوا: کفر اهل الشام

قولوا: فسقوا، قولوا: ظلّموا))

”یہ نہ کہو کہ اہل شام نے کفر کیا، کہو انہوں نے فسق کیا، ظلم کیا“ (منہاج السنۃ ۵/۲۴۶)

یاد رہے کہ جنگ جمل و صفین میں گنتی کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت کی تھی، اُن کا مقصد بھی جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ ان دو گروہوں میں اصلاح کروانا تھا، ان جنگوں کو بھڑکانے میں اصل کردار منافقین اور سبائی پارٹی کا تھا۔

قال عبد الله بن الامام أحمد: ((حدثنا أبي، حدثنا اسماعيل يعني ابن عليّة، حدثنا أيوب السخيتاني، عن محمد بن سيرين، قال: هاجت الفتنة وأصحاب رسول الله ﷺ عشرة آلاف، فما حضرها منهم مائة، بل يبلغوا

ثلاثين)) (السنة للخلال ۱/۲۴۶)

”محمد بن سيرين رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جب مسلمانوں کے مابین قتال ہوا تب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد دس ہزار تھی، لیکن ان جنگوں میں ان میں سے ۱۰۰ افراد بھی شامل نہ ہوئے بلکہ ان کی تعداد ۳۰ کو بھی نہ پہنچتی تھی۔“

امام ابن تیمیہ اس روایت کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں:

((وهذا الاسناد من أصح اسناد على وجه الأرض)) (منہاج السنۃ ۶/۲۳۶)

ائمہ کے مابین اختلافات کے اسباب

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”رفع البلاء عن الائمة الاعلام“ میں ان وجوہات کا ذکر کیا ہے جس کی بنا پر ہمارے ائمہ کرام نے فقہی امور میں اختلاف کیا۔ جس کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

اگر کسی امام کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو اس کی درج ذیل وجوہات میں سے کوئی وجہ ہو سکتی ہے:

(۱) امام تک حدیث کا نہ پہنچنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات فرماتے یا کوئی عمل کرتے تو اس محفل میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو یاد رکھتے اور جہاں تک ممکن ہوتا اس بات کو دوسروں تک پہنچاتے اور بعض اوقات ایک مجلس میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن باتوں کا علم ہوتا، دوسری مجلس والے ان سے محروم رہتے، لہذا کوئی عالم بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے تمام احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کر لیا ہے اور جب کسی عالم کو حدیث نہ ملے تو وہ اس پر کیسے عمل کر سکتا ہے؟ شرعاً بھی وہ اس حدیث پر عمل کرنے کا مکلف نہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں

(۱) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے) سے پوچھا گیا کہ کیا میراث میں دادی کا حصہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ ”اللہ کی کتاب میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں اور میرے علم کے مطابق سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں البتہ میں لوگوں سے پوچھوں گا، پھر مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ میراث دلوائی۔“ (ترمذی: ۲۱۰۰)

(۲) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان معلوم نہ تھا کہ جب تم میں

سے کوئی تین بار اجازت مانگے اور اس کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملے تو وہ واپس چلا جائے۔ ابو سعید خدری اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کی خبر دی (بخاری: ۶۲۳۵، مسلم: ۲۱۵۳) حالانکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا علمی مقام دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت بلند ہے۔

(3) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام جا رہے تھے راستہ میں انہیں معلوم ہوا کہ شام میں طاعون پھیل چکا ہے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ کسی کو بھی حدیث رسول معلوم نہ تھی یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی کہ ”جب کسی علاقہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو اور جب تمہیں پتہ چلے کہ کسی علاقہ میں طاعون پھیل چکا ہے تو وہاں مت جاؤ۔“ (بخاری: ۵۷۲۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے سب سے بڑے عالم، فقیہ اور صاحب تقویٰ تھے، وہ بھی بعض دینی احکام و مسائل سے آگاہ نہ تھے اس طرح ہر امام کو تمام صحیح احادیث معلوم نہ تھیں کیونکہ کتب احادیث اس وقت لکھی گئیں جب ان ائمہ کا دور ختم ہو چکا تھا، اور مجتہد کے لیے ضروری نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و اعمال کا علم رکھتا ہو۔ اس کے لیے اکثر دینی احکام و مسائل سے آگاہ ہونا کافی ہے۔

2۔ حدیث کی صحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ مختلف علاقوں اور شہروں میں پھیل گئیں، ان میں بکثرت احادیث ایسی بھی تھیں جو بعض علما تک ضعیف سند کے ساتھ پہنچیں اور انہوں نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کیا کیونکہ اس کی سند میں ان کے نزدیک کوئی راوی مجہول الحال ہوتا ہے یا اسے وہ روایت منقطع سند سے پہنچتی ہے، جبکہ دیگر علماء کو وہی روایت اسناد صحیحہ مرفوعہ کے ساتھ پہنچیں، ان کو اس مجہول راوی کا پتہ ہوتا ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے یا اس حدیث کے ایسے شواہد و متابعات پائے جاتے ہوں جن سے وہ روایت صحیح بن جاتی

ہے، یہ وہ اہم وجہ ہے جس کی بنا پر ایک عالم کسی حدیث صحیح کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اسے وہ حدیث ضعیف سند سے پہنچتی ہے۔

3۔ سند میں موجود راویوں کے حالات پر اختلاف

بعض اوقات حدیث کے کسی راوی کو ایک امام ثقہ قرار دیتا ہے اور دوسرا ضعیف کہتا ہے۔ حدیث کو ثقہ قرار دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ حدیث کے ضعیف ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ درست نہیں، بعض اوقات حدیث کے راوی کا بڑھاپے میں حافظہ خراب ہو جاتا ہے یا اس کی کتب جل جاتی ہیں، بعض محدثین یہ معلوم کر لیتے ہیں کہ اس نے یہ حدیث کس دور میں بیان کی اور وہ کتب کے جل جانے سے پہلے کی بیان کردہ روایات کو ثقہ قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے محدثین اس علم کے نہ ہونے کی بنا پر اسے ضعیف سمجھتے ہیں۔

4۔ راوی کا بھول جانا

بعض اوقات خود راوی کو حدیث یاد نہیں رہتی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں جنبی ہو جائے، پانی دستیاب نہ ہو تو وہ نماز کیسے ادا کرے؟ فرمایا جب تک پانی نہ ملے نماز ادا نہ کرے۔ یہ سن کر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے امیر المؤمنین کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ اونٹوں کے ریوڑ میں مقیم تھے اور ہم جنبی ہو گئے، میں مٹی میں ایسے لوٹا جیسے چوپایا لوٹتا ہے (پھر نماز ادا کر لی) مگر آپ نے نماز ادا نہ کی اور یہ ماجرا بارگاہ نبوت میں عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا ”تمہارے لیے صرف یہ کافی تھا۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان دونوں سے اپنے منہ اور ہتھیلیوں پر مسح کیا، یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اے عمار اللہ سے ڈرو“۔ عمار رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ فرمائیں تو میں یہ حدیث بیان نہ کیا کروں، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میرا مطلب یہ نہیں، جب تم نے اس کی ذمہ داری اپنی ذات پر ڈالی ہے تو ہم بھی اسے تم پر ڈالتے ہیں۔

گویا سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے پر بھی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وہ واقعہ یاد نہ آیا لیکن آپ نے عمار رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار نہ دیا بلکہ اس حدیث کو بیان کرنے کی اجازت دی۔

5۔ کسی حدیث سے غلط مفہوم لینے کا خوف

بعض اوقات ائمہ دیکھتے ہیں کہ لوگ کسی حدیث کا غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے اس مباح کام سے روک دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے نہانے کی حاجت ہو اور پانی نہ ملے تو میں کیا کروں؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھو، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ عمار کی روایت کا کیا جواب ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے لیے (مٹی سے تیمم) کافی ہے تو فرمانے لگے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے کافی نہ سمجھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے آپ اس آیت (المائدہ: ۶) کا کیا کریں گے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم اگر لوگوں کو اس معاملہ میں اجازت دے دیں تو جس کو پانی ٹھنڈا لگے گا، وہ تیمم کر لے گا۔“ (بخاری: ۳۴۶)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک، تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی تھیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایسے معاملہ میں جلدی کی، جس کے لیے انہیں سہولت دی گئی تھی، پس چاہیے کہ ہم اسے نافذ کر دیں لہذا آپ نے اسے ان پر جاری کر دیا (یعنی تین طلاقوں کے بیک وقت تین واقع ہونے کا حکم دے دیا) (مسلم: ۱۴۷۲)

6۔ غریب الاستعمال الفاظ

بعض اوقات ایک عالم غلطی میں اس لیے مبتلا ہوتا ہے کہ وہ ان میں استعمال ہونے والے الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھ نہیں پاتا مثلاً:-

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرة: ۱۸۴)

”اور تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے واضح طور پر نمایاں ہو جائے۔“

تو میں نے دودھا گے لیے ایک سیاہ اور ایک سفید، میں نے دونوں دھاگے اپنے تئیکے نیچے رکھ لیے اور ان کو دیکھتا رہا، جب سفید دھاگا نظر آنے لگا تو کھانا بند کر دیا۔ صبح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماجرا عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا تکیہ تو بڑا وسیع ہے (جو پوری کائنات پر محیط ہے) یاد رکھو سفید دھاگے سے مراد دن کی سفیدی اور سیاہ دھاگے سے مراد رات کا اندھیرا ہے (یعنی جب دن کی سفیدی رات کے اندھیرے سے ممتاز ہو جائے یعنی فجر صادق تو کھانا پینا بند کر دو) (بخاری ۴۵۰۹، مسلم ۱۰۹۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحصاة اور بیع الغرر سے منع فرمایا (مسلم ۱۵۱۳)

بیع الحصاة اور بیع الغرر اور اس طرح کے دیگر نادر الاستعمال الفاظ کی تشریح میں علماء کرام کا اختلاف ہو جاتا ہے۔

7۔ حدیث کے الفاظ کے مفہوم میں اختلاف

بعض اوقات ایک عالم حدیث پر اس لیے عمل نہیں کرتا کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ حدیث زیر بحث مسئلہ پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ حدیث میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ مجمل ہے اس کا مفہوم واضح نہیں یا یہ لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے اور اس موقع پر کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے پتہ چلے کہ یہاں کون سے معنی مراد ہیں یا ایک امام ایک معنی اور دوسرا کوئی اور سمجھتا ہے۔

8۔ دو متعارض احادیث میں تطبیق

بعض اوقات ایک عالم حدیث کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے اس کے پاس

ایک ایسی (قرآن و سنت کی) دلیل ہے جس کی بنا پر اس مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ دو مختلف اقوال کے تعارض کو دور کرنا اور بعض کو بعض پر ترجیح دینا آسان کام نہیں مثلاً ایک عام دلیل کسی خاص دلیل کے خلاف ہو یا مطلق اور مقید کے مابین اختلاف پایا جاتا ہو۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے بعد فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھے، اب نماز کا وقت راستے میں ہو گیا تو بعض نے کہا کہ جب تک ہم بنو قریظہ پہنچ نہ لیں عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے اور بعضوں نے کہا ہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کا ذکر کیا گیا، آپ نے کسی پر خفگی نہیں کی۔

(بخاری: ۴۱۱۹، مسلم: ۱۷۷۰)

گویا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ عام ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ نماز بنو قریظہ کے ہاں جا کر ہی ادا کرنی چاہیے، اگرچہ ایسا کرنے میں نماز کا وقت ہی کیوں نہ چلا جائے اور بعض نے ان کے الفاظ کا یہ مطلب سمجھا کہ وہاں جلد پہنچ کر بنو قریظہ کا محاصرہ کر لینا چاہیے۔

بعض اوقات احادیث میں تعارض ہوتا ہے اس تعارض کو ایک فقیہ جس طریقہ سے حل کرتا ہے دوسرا فقیہ اس سے اتفاق نہیں کرتا وہ اس کو دوسرے طریقے سے حل کرتا ہے۔ سیدنا عمر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف ملاحظہ فرمائیں:

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بدر کے روز قریش کے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے کنویں میں چھینک دی گئیں، آپ ﷺ کنویں پر کھڑے ہو گئے پھر انہیں ان کا اور ان کے باپ کا نام لے لے کر پکارنا شروع کیا، اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی؟ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا، کیا تم نے اسے برحق پایا جس کا تم

سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہو، جن میں روح ہی نہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم لوگ اسے ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ ایک روایت میں ہے تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔“ (بخاری: ۱۳۷۱: ۱ مسلم: ۹۳۲)

جب یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتائی گئی تو انہوں نے اس بات کو قرآنی آیات کے مخالف سمجھا اور قرآن مجید کی دو آیات تلاوت فرمائیں:

﴿إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى﴾ (النمل: ۸۰)

”کچھ شک نہیں کہ تم مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے۔“

﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ (فاطر: ۲۲)

”تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں، نہیں سنا سکتے۔“

اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بے شک یہ جان چکے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا، وہ حق ہے۔ (مسلم: ۹۳۲)

(۲) اسی طرح جب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا گیا کہ میت کو اس کے اہل و عیال کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں کہا بلکہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ بے شک کافر کو اس کے اہل عیال کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ تمہارے لیے قرآن مجید کافی ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (فاطر: ۱۸)

”اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ (مسلم: ۹۲۹)

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمن کی مغفرت فرمائے، انہوں نے جھوٹ نہیں بولا البتہ وہ بات بھول گئے یا انہوں نے سمجھنے میں غلطی کی۔ (مسلم: ۹۳۲)

ان دونوں روایات پر غور فرمائیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قول رسول ﷺ کو تسلیم نہیں کیا حالانکہ انہیں بیان کرنے والا صحابی رسول رضی اللہ عنہ ہے۔ لیکن انہوں نے وہ مسئلہ شریعت کی کلیات (یعنی قرآن و سنت) ہی کی طرف لوٹایا۔ ایسے ہی بعض اوقات ایک عالم ایسی حدیث کو جو اس کے نزدیک غیر واضح اور قابل تاویل ہے وہ اسے شریعت کی واضح، محکم اور ناقابل تاویل آیات و حدیث کی طرف لوٹاتا ہے، اسے حدیث کا منکر کہنا ظلم ہے!

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس مسئلہ کی اصل سلف صالحین کے ہاں موجود ہے، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ((ان المیت لیعذب ببكاء اہله)) ”یقیناً مردے کو اپنے گھر والوں کے رونے کے سبب سے عذاب ہوتا ہے۔“ کو رد کیا تو وہ اسی اصل کی بنیاد پر، کیونکہ قرآن میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی﴾ (فاطر: ۱۸) ”اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“ (مسلم: ۹۲۹)

نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے شب اسراء کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے دیدار کرنے سے متعلق حدیث کو رد کیا، اس آیت کی بنا پر کہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) ”آنکھیں اس کو پا نہیں سکتیں۔“

نیز سیدہ عائشہ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دونوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس خبر کو رد کیا، جس میں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونے کا حکم ہے۔

9۔ حدیث مخالف کو منسوخ سمجھنا

بعض اوقات ایک عالم ایک حدیث پر عمل نہیں کرتا کیونکہ اس کے خیال میں ایک دوسری حدیث ہے اور زیر بحث روایت ضعیف ہے یا منسوخ ہے یا اس میں تاویل کی گنجائش ہے، حالانکہ زیر بحث حدیث جسے وہ عالم ضعیف سمجھتا ہے سند اور متن کے اعتبار سے بلحاظ صحت و ثقاہت ثابت ہے یا وہ حدیث جس کو وہ ناسخ جانتا ہے وہ حقیقت میں

منسوخ ہے یا اسے تاویل کرنے میں غلطی لگی ہو اور اس نے اس کے وہ معانی بیان کئے ہیں جن کی اس کے الفاظ میں سرے سے گنجائش ہی نہیں یا وہ عالم سمجھتا ہے کہ اس مسئلے میں اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کچھ اور کہتی ہے جیسے ابو اسحاق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں بڑی مسجد میں اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ہمارے ساتھ امام شعبی رضی اللہ عنہ بھی تھے امام شعبی نے فاطمہ بنت ابی قیس رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی کہ ان کو ان کے خاوند نے تین طلاقیں دیں، انہوں نے ان کے اہل و عیال سے نفقہ کا مطالبہ کیا، ان کے انکار پر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لیے (تین طلاقیں کے بعد خاوند کے ذمے) نہ تو نان نفقہ ہے اور نہ رہائش ہے، اسود رضی اللہ عنہ نے کنکریاں پکڑ کر امام شعبی کو ماری اور فرمایا تم یہ حدیث بیان کرتے ہو حالانکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں کہ اس خاتون کو واقعہ یاد بھی رہا یا نہیں، اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے (تین طلاقیں والی) عورت کو عدت کے دوران رہائش اور خرچہ دلوا دیا، سیدنا عمر نے اس آیت سے استدلال کیا:

﴿لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ ۚ﴾

(الطلاق: ۱)

”عورتوں کو اپنے گھر سے مت نکالو نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ واضح بے حیائی کی مرتکب

ہوں۔“ (مسلم: 1480)

علماء کا طرز عمل:

بعض اوقات عالم اپنی دلیل بیان کرتا ہے اور بعض اوقات وہ کوئی دلیل بیان ہی نہیں کرتا اور جب وہ دلیل بیان کرتا ہے تو کبھی وہ دلیل ہم تک پہنچتی ہے اور کبھی نہیں پہنچتی، کبھی ہم ان کے انداز استدلال کو سمجھتے ہیں اور کبھی نہیں سمجھتے، یہ الگ بات ہے کہ اس کی بیان کردہ دلیل درست ہے یا غلط۔ یہ ان وجوہات میں سے چند ہیں کہ جن کی بنا پر ہمارے سلف صالحین میں اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوا اور بعض علماء نے بعض احادیث پر عمل نہیں کیا

اور ترک حدیث کے باوجود یہ علماء اہل سنت کے امام مشہور ہوئے، انہوں نے اجتہاد کیا، اگر انہوں نے اجتہاد میں خطا کی تو بھی ان کے لیے ایک اجر ہے۔

جو شخص کسی حدیث پر عمل نہیں کرتا تو اس کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں

1۔ بلا جواز: یہ اسی شخص کا کام ہے جو خواہشات نفسانی سے مغلوب ہو کر باطل کی حمایت کرے، جو شخص باطل کو پہچان کر اس کی تائید کرے جبکہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو وہ مجرم ہے، رہے ہمارے ائمہ تو یہ ممکن نہیں کہ کوئی عالم بلا وجہ یا بلا جواز حدیث پر عمل کرنا ترک کرے۔

2۔ سہل انگاری: علماء کرام سے یہ اندیشہ تو ہے کہ وہ پیش آنے والے مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں سہل انگاری اور سستی کریں، معمولی غور و فکر کے بعد فتویٰ دے دیں اور استدلال کرنے میں بھی کوتاہی سے کام لیں اور اس بات کو پیش نظر نہ رکھیں کہ ان کے فتویٰ کے خلاف دلیل موجود ہے یا وہ اس بات کی فکر ہی نہ کریں کہ ان کے اجتہاد کا کیا نتیجہ نکلے گا؟

اسی لیے ہمارے ائمہ فتویٰ دینے سے بچنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ مسئلہ کی تحقیق میں جس محنت کی ضرورت ہے وہ نہ کر سکیں گے، البتہ یہ سہل انگاری گناہ ہے مگر علماء حقہ سے جب ایسا گناہ ہو جائے تو توبہ استغفار، اعمال صالحہ کرنے سے، آنے والی مصیبتوں، بیماریوں، شفاعت اور رحمت الہی کی بنا پر گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

3۔ جائز اور درست وجہ: اگر کسی مسئلہ میں شرعی حکم معلوم کرنے اور فتویٰ دینے کی ضرورت ہو اور قرآن و سنت سے مسئلہ اخذ کرنے کے لیے کسی سستی اور سہل انگاری سے کام نہ لیا جائے اور اسکے باوجود صحیح فیصلہ نہ ہوا ہو تو اس بنا پر حدیث پر عمل نہ کرنے کا گناہ نہیں ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان مسائل میں رائج بات تو بیان کی جائے گی، مگر امت میں ان مسائل کی بنا پر دشمنی پیدا نہیں کی جائے گی جیسا کہ آج کل رکوع کی رکعت، امام کے پیچھے

فاتحہ پڑھنا، نماز جنازہ سری یا جہری پڑھنا، غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور ایسے ہی بہت سے مسائل کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر تک کر دی جاتی ہے، یقیناً یہ روش درست نہیں۔

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھنے پر اختلاف کے جواب میں مفتی اعظم الشیخ ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-

”افضل یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینہ پر باندھا جائے خواہ وہ قیام رکوع سے پہلے ہو یا بعد میں..... لیکن یاد رہے کہ ہاتھوں کو باندھنا یا چھوڑ دینا ان مسائل میں سے نہیں کہ جن کی وجہ سے امت میں اختلاف اور دشمنی پیدا کی جائے بلکہ مسلمانوں کے لیے واجب ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کریں خواہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے جیسے فروعی مسائل میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے واجب نہیں، جو شخص ہاتھوں کو باندھ کر نماز پڑھے یا چھوڑ کر اس کی نماز صحیح ہے ہاں البتہ ہاتھوں کو باندھنا افضل اور مشروع ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے مطابق ہے۔“ (فتاویٰ اسلامیہ جلد اول ۴۱۰)

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فاتحہ خلف الامام کو فروعی مسئلہ قرار دیتے ہوئے محدث حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

”ہمارا تو مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری، اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔“

(توضیح الکلام فی وجوب القراۃ خلف الامام، ص: ۷۳)

مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں مشہور تابعی امام قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا قول نقل

کرتے ہیں اور اسے حسن قرار دیتے ہیں:

”کہ اگر تم (امام کے پیچھے فاتحہ) پڑھو گے تو تمہارے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نمونہ

ہے اور اگر تم نہ پڑھو گے تو بھی تمہارے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نمونہ ہے۔“
 پھر فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ ہے۔
 (توضیح الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام ص: ۴۹۴)

فاتحہ خلف الامام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو مختلف عمل ملاحظہ فرمائیں:
 (۱) ابوسائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آہستہ سے پڑھا کرو۔“ (صحیح مسلم: ۳۹۵)
 (۲) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ”کہ جس نے ایسی رکعت پڑھی جس میں اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس نے گویا نماز پڑھی ہی نہیں سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔“ (ترمذی: ۳۱۳)

اختلافی مسائل میں مخالف پرورد کرنا

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اختلافی مسائل میں مخالف پرورد نہیں کیا جائے گا، جو جیسے کرتا ہے اُسے ویسے کرنے دو، یہ بھی سنت ہے اور وہ بھی سنت ہے، یہ طرز عمل قرآن و سنت اور فہم سلف کے مخالف ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درج ذیل واقعات اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں:

☆ عبد الرحمن بن زید انصاری سے روایت ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب عراق سے واپس آئے تو آپ کی ملاقات کے لیے ابو طلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ انس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے لیے آگ سے پکا ہوا کھانا پیش کیا، ان سب نے کھانا کھایا اس کے بعد انس رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے وضو کیا، آپ کو وضو کرتا دیکھ کر ابو طلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم نے کھانا کھا کر وضو کرنا عراق سے سیکھا ہے، انس رضی اللہ عنہ نے کہا کاش میں وضو نہ کرتا، ابو طلحہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور انہوں نے وضو کیے بغیر نماز

پڑھی۔ (موطا امام مالک، ج: ۲۶)

☆ ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ میں شیبہ کے پاس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے کہا میرے پاس عمر رضی اللہ عنہ تمہاری اسی بیٹھنے کی جگہ میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں یہاں (خانہ کعبہ میں) سونا چاندی کچھ بھی نہ چھوڑوں بلکہ اس کو مسلمانوں میں بانٹ دوں، میں نے کہا آپ ایسا نہیں کر سکتے انہوں نے کہا کیوں؟ میں نے کہا اس لیے کہ آپ کے دونوں ساتھیوں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے ایسا نہیں کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”وہ دونوں ایسے تھے جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ (بخاری، ج: ۷۷۷)

ایک روایت میں ہے آپ اسی طرح کھڑے ہو گئے جس طرح بیٹھے تھے اور مسجد سے نکل گئے۔ (فتح الباری: ۳/۳۵۶)

احناف کے پیچھے نماز

فضیلۃ الشیخ ابوبصیر الطرطوسی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

ائمہ مساجد تین اقسام کے ہوتے ہیں:

(۱) عادل فرمانبردار امام:

اس کی اقتداء میں نماز کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۲) گنہگار (فاسق) امام:

اس کا گناہ اور انحراف جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اس سے قطع تعلقی کرنا اور اس کو چھوڑ کر کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ افضل ہوگا جو اس سے کم منحرف ہو اور اس سے زیادہ دین دار ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے سے جمعہ کی نماز یا جماعت کی نماز کو چھوڑنا نہ پڑے، اور اگر اس سے قطع تعلقی کرنے سے جمعہ اور جماعت رہ جاتی ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

(۳) کافر و مرتد امام:

وہ امام جس کا کفر اور ارتداد یقینی دلیل سے ثابت ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اس بات میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (فتاویٰ نمبر: ۹۴۳)

جس امام کے متعلق معلوم ہو کہ یہ کفر و شرک کا عقیدہ رکھتا ہے تو چونکہ اس کی اپنی نماز باطل ہے، اس لئے اس کی اقتداء میں پڑھی گئی نماز درست نہیں جیسا کہ شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے“، حافظ عبد اللہ بہاؤ پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”اہل حدیث کی نماز غیر اہل حدیث کے پیچھے“ میں شرکیہ و کفریہ نظریات رکھنے والے دیوبندی کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اور جس امام کے عقیدہ کے متعلق معلوم نہ ہو یعنی مجہول الحال ہو تو اس بارے میں گزشتہ صفحات میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ رہا وہ امام جو غیر شرکیہ بدعات میں ملوث ہے یا فقہی مسائل میں کسی مذہب کا مقلد ہے تو اس

کی اقتداء میں نماز ادا کرنا درست ہے۔

فضیلہ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”امت میں باہمی اختلاف کا ایک پہلو فقہی و فروعی اور استنباط و استخراج مسائل کا ہے، اور یہ اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلا آ رہا ہے مگر اس کے باوجود سلف میں کوئی تفریق و انتشار نہ تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم میں مس ذکر سے وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا اختلاف تھا، آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا اختلاف تھا اور اس میں بھی اختلاف تھا کہ خون کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے دوران چار رکعتیں پڑھائیں تو سیدنا عبداللہ بن مسعود وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے اس بارے میں اختلاف تو کیا مگر ان کے پیچھے خود چار رکعتیں ہی پڑھیں، جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں پڑھائیں تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے افضل عمل چھوڑنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انا لله وانا الیہ راجعون پڑھا۔ (مسلم: ج ۱ ص ۲۴۳)

ان سے کہا گیا کہ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض تو کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ ان کے ساتھ چار رکعتیں بھی پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ”الحلاف شر“ اختلاف برا ہے (ابوداؤد، رقم: ۱۹۶۰) اور بیہقی کے الفاظ ہیں ”انی لأکرہ الخلاف“، میں اختلاف کو برا جانتا ہوں.....

اسی طرح امام احمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص قرآن کا حافظ ہے مگر رفع الیدین نہیں کرتا اور دوسرا وہ ہے جو رفع الیدین کرتا ہے مگر قرآن کا حافظ نہیں کس کو امام بنایا جائے؟ امام احمد صاحب نے جواب دیا جو قرآن کا حافظ ہے وہ امامت کرائے اور اُسے چاہیے کہ وہ رفع الیدین کرے کیونکہ یہ سنت ہے۔ (مسائل احمد بروایہ عبداللہ ج ۱ ص ۲۳۶)

اسی نوعیت کی متعدد مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خیر القرون میں ایسے فقہی مسائل میں اختلاف کے باوجود سلف ایک دوسرے کا احترام کرتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، ان میں کوئی افتراق و انتشار نہ تھا..... اس کے برعکس تقلید و جمود کے دور میں جو کچھ کہا گیا اور اجتہادی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے جو فتوے داغے گئے حتیٰ کہ عین خانہ کعبہ میں چار چار جماعتیں ہونے لگیں۔ اقتداء خلف الخالف کا مسئلہ فقہائے متاخرین کی کتابوں میں عموماً پایا جاتا ہے..... بلکہ متاخرین کی اسی تنگ نظری کی بنیاد پر باہم جنگ و جدال تک کی نوبت آتی رہی ہے جس کی تفصیل تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔ ”اسباب اختلاف فقہاء: حقیقی و مصنوعی عوامل“ میں ہم نے اس کا ذکر بھی کیا ہے، مگر یہ صورت حال قطعاً محمود نہیں، ہر دور میں دردمند دل رکھنے والے علماء نے سلف کے طریقے کو پسند فرمایا اور ان فردی، فقہی مسائل کو باہم انتشار و افتراق کا باعث بننے سے روکا۔ (مقالات تربیت ۱۷۹-۱۸۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ان مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز جائز ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، جو اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی، گمراہ اور کتاب و سنت اور سلف امت اور ان کے ائمہ کے اجماع کے مخالف ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ، ج ۲۳ ص ۷۷۳)

جن دیوبندیوں کی مساجد کے ائمہ بعض بدعات میں ملوث ہیں اور ان کے ہاں کفر و شرک نہیں پایا جاتا، علمائے اہلحدیث نے ان کے پیچھے نماز کے جائز ہونے کے فتاویٰ دیئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ

سوال: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمان ہیں یا نہیں؟ مقلدین کے پیچھے نماز

اہلحدیث کو جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ فرقے مسلمان ہیں تو اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں یا نہیں؟ مقلد کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟ مقلد کی منکوحہ سے نکاح حلال ہے یا حرام؟

جواب:- احناف دیوبندی اہل سنت میں شامل ہیں اور اہل سنت کے کئی فرقے ہیں جن میں سے بعض ہر مسئلہ میں ترجیح رکھتے ہیں وہ جماعت اہل حدیث ہے، اگر کوئی دیوبندی کے پیچھے نماز پڑھ لے تو ہو جائے گی لیکن ترجیح اہل حدیث کو ہے اگر امام مقرر کرنا ہو تو اہل حدیث کی کوشش کرنی چاہیے، باقی باتوں کے جوابات بھی اس کی تحت آگئے، اس طرح نکاح پر نکاح بھی صحیح نہیں۔“ (فتاویٰ اہلحدیث، ص: ۶۰)

سوال: یہاں اہلحدیث کی کوئی مسجد نہیں۔ ہم جامعہ مسجد اہل احناف میں نماز پچگانہ ادا کرتے ہیں مگر یہ تمام اوقات نماز پچگانہ گرا کر نماز پڑھتے ہیں مثلاً ظہر دو بجے، عصر ساڑھے چار بجے۔ خاص کر فجر کی نماز کو یہ لوگ بہت دیر کر کے پڑھتے ہیں، لہذا ان اوقات پر کیا ہم بھی ان کے ساتھ ہی نماز باجماعت ادا کرتے رہیں یا اول وقت علیحدہ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کریں۔

جواب:- جو اوقات آپ نے نمازوں کے لکھے ہیں، ان میں بعض میں زیادہ دیر ہے مثلاً آج کل عصر وہاں ساڑھے چار بجے زیادہ تاخیر سے ہوتی ہے اسی طرح ظہر میں کچھ زیادہ تاخیر ہے، سو آپ جس نماز کو وہ زیادہ تاخیر سے پڑھیں، اکیلے پڑھ لیا کریں، اگر دوبارہ ان کے ساتھ موقع ملے پڑھ لی ورنہ پہلی کافی ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد اول: ۵۵۸)

(۲) مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۰۰ء فرماتے ہیں بالعموم یہ کہنا کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے نہیں ہوتی، صحیح نہیں!

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں اور مقلد کی نماز غیر مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) امام اعظم کی تقلید کرنا شرک ہے یا نہیں؟

(۳) جو شخص یہ کہے کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے نہیں ہوتی، اس کے لیے حکم شارع کیا ہے؟ مندرجہ بالا سوالات کے جوابات حدیث سے ہونے چاہئیں۔

الجواب:- ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہوتی ہے، وہ مقلد ہو یا غیر مقلد، بشرطیکہ مشرک اور مبتدع بدعت مکفرہ نہ ہو، اس واسطے کہ مشرک کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور نہ ہی ایسے مبتدع کے پیچھے نماز ہوتی ہے، جس کی بدعت مکفرہ ہو، پس جو مقلد مشرک نہیں، اور مبتدع بدعت مکفرہ بھی نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز و درست ہے اور ہاں واضح رہے بعض مقلدین کی تقلید مفضی الی الشریک (شرک تک پہنچانے والی) ہوتی ہے، سو ایسے مقلدین کے پیچھے نماز جائز نہیں، اور تقلید مفضی الی الشریک یہ ہے کہ کسی ایک خاص مجتہد کی اس طرح تقلید کرے کہ جب کوئی صحیح حدیث غیر منسوخ اپنے مذہب کے خلاف پاوے تو اس کو قبول نہ کرے اور یہ سمجھے بیٹھا ہو، کہ ہمارے امام سے خطا اور غلطی ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور صواب ہے اور اپنے دل میں یہ بات جبار کھی ہو کہ ہم اپنے امام کی تقلید ہرگز نہیں چھوڑیں گے اگرچہ ہمارے مذہب کے خلاف قرآن و حدیث سے دلیل قائم ہو، پس جس مقلد کی تقلید ایسی ہو وہ مشرک ہے.....

(۲) امام اعظم صاحب کی تقلید اگر مفضی الی الشریک ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، تو بے شک امام اعظم صاحب کی یہ تقلید شرک ہے، والا فلا۔ (اور اگر ایسی نہیں تو مشرک نہیں ہے)

(۳) اس شخص کا علی الاعلان یہ کہنا صحیح نہیں ہے ہاں اگر اس شخص کے کہنے سے یہ مراد ہو کہ مقلد مشرک (یعنی جس کی تقلید مفضی الی الشریک ہو) کے پیچھے غیر مقلد کی نماز نہیں ہوتی تو اس کا یہ کہنا صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (فتاویٰ نذیریہ، کتاب التقلید و الاجتہاد ج: ۱، ص: 168، 169)

..... مولانا سید نذیر حسین مرحوم و مغفور (ان شا اللہ) دہلی کی جامع مسجد اور عید گاہ میں جا کر خفی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے، ان کا یہ طرز عمل خبر متواتر سے ثابت اور

معلوم و مشہور ہے۔ (الاعتصام، جلد ۶۲، شمارہ ۲۶، ص: ۲۱)

(۳) شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

سوال: ایک شخص حنفی المذہب کہتا ہے کہ ایک وتر پڑھنا گمراہی ہے۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے؟

جواب: ایک وتر پڑھنا حدیث شریف میں آیا ہے (بخاری شریف) جو شخص جان بوجھ کر حدیث کو گمراہی کہے وہ خود گمراہ ہے، امام احمد کا قول ہے کہ ایک رکعت وتر زیادہ ثابت ہے۔ نماز بحکم قرآن و حدیث ہر مسلمان کے پیچھے جائز ہے۔

(۲۴ جون ۱۹۳۸ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول: 554)

سوال: جو شخص جماعت الہدایت کو گمراہ اور جہنمی قرار دیتا ہے اور علمائے اہل حدیث کے پیچھے نماز ناجائز قرار دیتا ہے، ایسے شخص پر منجانب قرآن و احادیث نبویہ کوئی حرف اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟۔۔۔ الخ

جواب: ایسے شخص کی وہی سزا ہے جو حدیث میں آئی ہے کہ جو شخص کسی کو کافریا فاسق کہے اور وہ اصل میں نہ ہو تو وہ الفاظ اس پر لوٹ پڑتے ہیں، لیکن ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہیے، اگر نماز پڑھا رہا ہو تو اقتداء جائز ہے۔ صحیح بخاری میں باب امامۃ المہفتون والہبت مدع ملاحظہ ہو۔ (۵ نومبر ۱۹۳۷ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول: 222)

سوال: مقلدین کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی یا نہیں؟

جواب: ہر کلمہ کو غیر مشرک کو شفاعت نصیب ہوگی۔ مقلدین بھی اس میں داخل

ہیں۔ (۶ نومبر ۱۹۳۷ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول: ۱۸۶)

(۴) مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بناری اور مولانا عبدالوہاب

آرومی اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ جمیعت علماء ہند کی مجالس شوریٰ میں شرکت کے موقع پر مفتی کفایت اللہ صاحب اور دوسرے اکابر علماء احناف کی اقتداء میں نماز بلا کراہت ادا کرتے تھے۔ (ہفت روزہ الاعتصام، جلد ۶۲، شمارہ ۲ ص: ۱۵)

(۵) شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ

سوال: کیا دیوبندیوں، بریلویوں وغیرہ کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟
جواب: غیر اللہ کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھنے والے مشرک بریلوی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

قرآن میں ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْفِطْرَةُ كُنْتُمْ نَجَسٌ﴾ (التوبہ: ۲۸)
 دیوبندی غیر متعصب امام کے پیچھے بوقت ضرورت نماز پڑھی جاسکتی ہے تاہم مستقلاً اپنا علیحدہ بندوبست کرنا چاہیے، کسی بھی مخصوص مقام کو مسجد قرار دیا جاسکتا ہے۔ حدیث میں ہے: ((جعلت لي الارض مسجداً وطهوراً))

(۶) مولانا عبدالقہار صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مفتی جماعت غرباء اہلحدیث پاکستان

سوال: [۱] حنفی مسلک و عقائد کے حامل دیوبندی کے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اگر نماز اسے ایسا سمجھتے ہوئے پڑھ لی تو کب اس نماز کو دھرا نا واجب ہے؟ [۲] کیا انہیں ہم مشرک یا بدعتی کہہ سکتے ہیں؟
 [۳] کسی دینی تحریک میں ان کا ساتھ دینا کیسا ہے؟ ازراہ کرام مذکورہ سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں۔ (سائل: قاری محمد)

جواب: - صورت مسئلہ میں واضح ہو کہ شرعاً امام عقیدہ و اخلاق اور معاملات میں مقتدیوں سے بہتر ہونا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں مروی مذکور ہے:

اجعلوا ائمتکم خیار کم... رواہ الدارقطنی (نیل الاوطار للشوکانی)

عام حالات میں ان اوصاف مذکورہ بالا کا خیال رکھنا ضروری ہے، عارضی طور پر اور بحالت مجبوری بدعتی فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے جیسا کہ: امام بخاریؒ نے باب امامۃ المفتون والمبتدع میں تابعی حضرت حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے:

وقال الحسن: صل وعلیہ بدعتہ ”تو بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھ لے اس کی بدعت کا وبال اسی پر ہوگا اور پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث بیان کی ہے عبید اللہ

بن عدی بن النخیر نے پوچھا تھا کہ آپ ﷺ امام العوام ہیں اور مشکل میں مبتلا ہیں اور ہمیں امام فتنہ نماز پڑھا رہے ہیں کیا ہم گناہ گار تو نہیں ہوں گے؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

”الصلاة احسن ما يعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساؤا فاجتنب اسائتھم۔“

”کہ نماز لوگوں کا بہترین عمل ہے وہ اچھا عمل کریں تو تم ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ اور اگر وہ برائی کریں تو تم ان کے ساتھ برائی کرنے میں شریک نہ ہو“

اور امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عبدالکریم البرکاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا وہ سب ائمہ جور کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

اسی طرح حدیث ہے: صلوا خلف من قال : لا اله الا الله۔ رواہ الدارقطنی باسناد ضعیف اور حدیث: الصلاة واجبة علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجراً وان عمل الکبائر۔ رواہ ابوداؤد باسناد منقطع۔

اس سے مجبوری و معذوری کی حالت میں فاسق و فاجر بدعتی وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے بہر صورت امام عالم و موحد اور صحیح العقیدہ کے پیچھے ہی نماز پڑھنا گناہ ادا کرنا چاہیے۔

۲۔ شرک کرنے والے کو مشرک اور بدعت کے کام کرنے والے کو بدعتی کہتے ہیں مشرک اور بدعتی کہنے کی بجائے انہیں حسن اخلاق کے ساتھ صحیح بات بتانی اور سمجھانی چاہیے اور ان کے حق میں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تقلید و بدعت سے انہیں نکال دے۔ آمین

۳۔ کسی دینی تحریک اور نیک کام میں ہر شخص کا ساتھ دیا جاسکتا ہے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لقوله تعالى: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ

وَالْعُدْوَانِ ﴿المائدہ: ۲﴾ واللہ سبحانہ اعلم۔

(کتبہ محمد ادریس سلفی [نائب مفتی جماعت] الجواب صحیح عبدالقہار عفی عنہ [مفتی جماعت])

(فتاویٰ ستاریہ، ج ۲ ص ۱۲۸)

(۷) سماحۃ الشیخ علامہ صالح المنجد حفظہ اللہ

آپ 3/12/1380 ہجری کو پیدا ہوئے۔ سعودیہ عرب کے دارالحکومت الرياض میں آپ نے ابتدائی اور انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی اس کے بعد آپ شہر ”ظہران“ منتقل ہو گئے جہاں آپ نے یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کی۔ آپ کے درج ذیل اساتذہ ہیں۔
سماحۃ الشیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ، ان سے آپ نے ۱۵ سال تک علم حاصل کیا۔ فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ، فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین رحمۃ اللہ علیہ، فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر البراک حفظہ اللہ، فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ، فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان حفظہ اللہ، فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن صالح المحمود حفظہ اللہ، ان کے علاوہ بھی آپ نے دیگر کئی اساتذہ سے علم حاصل کیا۔

اس وقت آپ سعودیہ کے شہر خبر میں جامع مسجد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے امام اور خطیب ہیں، جہاں آپ دروس کی صورت میں کئی کتابوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ اسلام سوال و جواب نامی ویب سائٹ کے مدیر ہیں جہاں آپ سینکڑوں سوالات کے جواب دے چکے ہیں، آپ کے یہ فتاویٰ اس ویب سائٹ پر موجود ہیں، اسی طرح آپ بیسیوں کتابوں کے مولف بھی ہیں، امت مسلمہ اور خاص کر کے سلف صالحین کے منہج پر گامزن دنیا آپ کے فتاویٰ اور علمی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے ایمان اور زندگی میں برکت عطا فرمائے اور آپ کو مزید اسلام کی خدمت کی توفیق بخشے۔ آمین

سوال:- محترم شیخ:- میں ایسے علاقے میں رہتا ہوں جہاں حنفی مذہب کے پیروکار اور دیوبندی حضرات کثرت سے رہتے ہیں اور اس علاقے میں سلفیوں کی مساجد انتہائی

قلیل ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں کام کاج میں مصروف ہوتا ہوں اور نماز عصر کا وقت آپہنچتا ہے، اب میرے نزدیک سلفیوں کی مسجد نہیں ہے کہ جہاں میں جا کر نماز ادا کر سکوں، اب کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں حقیفوں کی مسجد میں جو کہ میرے قریب ہی ہے، نماز ادا کروں جبکہ وہ لوگ نماز عصر کو انتہائی تاخیر کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ اسے اتنا لیٹ کرتے ہیں کہ مغرب کی نماز میں ایک گھنٹہ اور کچھ منٹ ٹائم باقی رہ جاتا ہے؟ کیا ایسی حالت میں مجھے نماز کو موخر کرتے ہوئے ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہو کر ادا کرنا چاہیے یا پھر مجھے اپنی ڈیوٹی کی جگہ پر ہی اسے اول وقت میں ادا کرنا چاہیے؟

جواب:-

نماز عصر کا مختار وقت اس وقت شروع ہوتا ہے کہ جب کسی چیز کا سایہ اس کی مثل سے بڑھ جائے، اس وقت ظہر کی نماز کا ٹائم ختم ہو جاتا ہے، عصر کا یہ وقت سورج کے زرد ہونے تک باقی رہتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

”نماز ظہر کا وقت نماز عصر کے آغاز تک رہتا ہے اور نماز عصر کا آخری وقت سورج کی رنگت زرد ہو جانے تک رہتا ہے“ (مسلم: ج: ۶۱۲)

اس لیے اس وقت سے زیادہ نماز میں تاخیر کرنا درست نہیں الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔ سورج کی رنگت کا زرد ہونا مختلف موسموں میں مختلف ہوتا ہے، لیکن اگر عصر کی نماز مغرب سے ایک گھنٹہ پہلے ادا کر لی جائے تو یہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے کا ہی ٹائم ہوتا ہے، یہ بات جانی چاہیے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ظہر کی نماز کا آخری وقت وہ ہے کہ جب کسی چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت کسی چیز کے سایہ کے اس کے دو مثل ہونے تک باقی رہتا ہے۔ بعض حنفیہ نے بھی امام صاحب کی اس بات سے اختلاف کرتے ہوئے جمہور کے موقف کو اپنایا ہے ان میں امام صاحب کے دونوں ساتھی ابو یوسف اور محمد بھی شامل ہیں، اسی طرح امام صاحب سے بھی ایک روایت اس موقف کی تائید میں ملتی ہے..... حاصل کلام یہ ہے کہ سورج کے زرد

ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز کو موخر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ بہتر پہلا وقت ہے، لیکن اس وجہ سے جماعت نہیں چھوڑی جاسکتی۔

دوسری بات: دیوبندی عقیدہ میں ماتریدی ہیں اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو صوفیاء کے سلسلوں جیسے نقشبندی، سہروردی، قادری اور چشتی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ جب کسی کا مسلمان ہونا ثابت ہے اس کے پیچھے نماز بھی درست ہے اور جس کی بدعت کفریہ ہو کہ جس سے وہ کافر قرار پاتا ہو اس کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: کیا اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مخالف کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے جیسے کوئی اشعری ہو؟

آپ نے جواب دیا: ”ہر وہ شخص جسے ہم مسلمان قرار دیتے ہیں اس کے پیچھے نماز ادا کرنا درست ہے اور جس پر ہم اسلام کا حکم نہیں لگاتے، اُس کے پیچھے نماز بھی درست نہیں ہے۔ نافرمان (عاصی) کے پیچھے نماز کے درست نہ ہونے کا قول مرجوح ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام کے پیچھے نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے اور امراء میں کثیر عاصی تھے۔ چنانچہ ابن عمر، انس اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حجاج کے پیچھے نماز ادا کی جو کہ لوگوں میں سب سے بڑا ظالم تھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرنا درست ہے کہ جس کی بدعت اسے اسلام کے دائرہ سے نہیں نکالتی، اسی طرح ایسے فاسق کی اقتداء میں نماز بھی درست ہے کہ جس کا فسق اسے اسلام سے نہیں نکالتا، لیکن سنت والے کو امام بنانا چاہیے۔ اسی طرح جب کوئی گروہ جمع ہو تو اسے اپنے میں سے افضل شخص کو آگے کرنا چاہیے۔“ (فتاویٰ شیخ ابن باز: 426/5)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ بعض اسلامی ممالک میں پائے جانے والی ان مساجد میں نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے کہ جہاں امامت اشعری عقیدے کا حامل امامت کرواتا ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ ان کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے۔
میں نے شیخ سے سوال کیا اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا عقیدہ اشعری ہے؟
شیخ نے جواب دیا: اس کے پیچھے نماز جائز ہے کیونکہ میں کسی کو نہیں جانتا کہ جس نے
اشاعرہ کی تکفیر کی ہو۔ (ثمرات العدویین لدکتور احمد بن عبد الرحمن القاضی)
الجنة الدائمة فتویٰ کمیٹی سعودی عرب کے علماء کا کہنا ہے:

”بدعتیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر تو ان کی بدعت شرکیہ ہو
مثلاً غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دینا اور ان کا اپنے مشائخ اور بزرگوں کے
متعلق وہ اعتقاد رکھنا کہ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہیں رکھا جاسکتا جیسے ان
کے بارے میں کمال علم اور غیب کے علم کو جاننے کا عقیدہ رکھنا یا ان کے کائنات میں
متصرف ہونے کا یقین رکھنا تو ان کے پیچھے نماز ادا کرنا صحیح نہیں۔

اگر ان کی بدعت شرکیہ نہیں، مثلاً نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ ذکر کو اجتماعی طور پر
اور جھوم جھوم کر کرنا تو ان کے پیچھے نماز ادا کرنا صحیح ہے، لیکن ایک مسلمان کو غیر بدعتی امام کے
پیچھے نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ اس کے اجر و ثواب میں زیادتی ہو اور گناہ
میں کمی ہو۔“ (فتاویٰ اللجنة الدائمة، 353/7)

اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں: اگر امام مسجد کا شرکیہ امور میں واقع ہونا ثابت نہ ہو تو اس کی
اقتداء میں نماز ادا کرنا درست ہے، چاہے وہ نماز عصر کو تاخیر سے ہی کیوں نہ پڑھتے ہوں
جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، اس سبب سے جماعت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

(اسلام سوال جواب، سوال نمبر: 150090)

طالبان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کی شرعی حیثیت

طالبان کا تعارف

فضیلۃ الشیخ غلام اللہ رحمتی حفظہ اللہ سے مجلۃ البیان (سعودی عرب) کی گفتگو اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

شیخ غلام اللہ رحمتی حفظہ اللہ کا تعارف خود ان کی اپنی زبانی:

میرا نام غلام اللہ رحمتی ہے، میرا تعلق افغانستان کے علاقے قندوز سے ہے، میں نے دیوبندی مدارس سے سند فراغت حاصل کی اور اس کے بعد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور محمد بن عبد الوہاب رحمہم اللہ کی کتب کا مطالعہ کیا اور اس طرح اہل سنت کے مسلک کو اختیار کیا، اس سچے عقیدے کو قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں نے اپنے علاقے قندوز میں اس عقیدہ حقہ کی تبلیغ شروع کی، جس کے نتیجے میں مجھے مسلسل دس سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، یہ ظاہر شاہ کے دور حکومت کی بات ہے۔ مجھ پر یہ الزام لگایا گیا کہ میں وہابی اور غیر مقلد ہوں اور صوفیت کے سلسلوں کا منکر ہوں۔ قندوز میں میرا مدرسہ بھی تھا جہاں میں دعوت و تدریس کا کام کیا کرتا تھا۔ آخر کار دس سال بعد مجھے جیل سے آزادی ملی۔ تب میں نے پاکستان کی طرف رخت سفر باندھا اور یہاں کوئٹہ میں قیام کیا۔ پاکستان کے شہر پشاور میں میرا ایک سلفی العقیدہ شاگرد تھا جس نے مجھ سے افغانستان میں تعلیم حاصل کی تھی اس کا نام شمس الدین تھا۔ اس نے پشاور میں ایک مدرسہ الجامعۃ الاثریہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اسے جب میرے پاکستان آنے کا علم ہوا تو اس نے مجھ سے اپنے مدرسے میں تعلیم و تدریس کا فریضہ نبھانے کو کہا جسے میں نے قبول کیا اور اس طرح میں یہاں پشاور آ گیا، اور اس مدرسہ میں کئی سال تک میں تدریس کا فریضہ نبھاتا رہا، یہاں تک کہ افغانستان میں جماعۃ الدعوة الی القرآن والسنۃ کے نام سے جماعت وجود میں آئی، اس جماعت کی تاسیس کے بعد میں اس کا رکن بن گیا اور شیخ جمیل الرحمن کی شہادت

تک ان کے نائب کی حیثیت سے ان کے ساتھ رہا۔ اسی دوران میں روس نے افغانستان سے اپنی فوجیں نکال لیں، روس کی شکست کے بعد میں پھر واپس پشاور آ گیا اور یہاں میں نے دارالقرآن والحدیث السلفیہ کے نام سے مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک میں اسی مدرسہ میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔ والحمد للہ

البیان : طالبان کے کابل داخل ہونے کے بعد کے حالات پر ذرا روشنی

ڈالیے۔

شیخ : کابل پر قبضے کے کچھ عرصے بعد طالبان نے درباروں اور مزاروں پر ہونے والے شرک کا خاتمہ کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا ان مقامات پر کیے جانے والے اعمال شریعت کی رو سے حرام ہیں۔ مزار شریف کے علاقے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قبر ہے جس کا نام ”سخی“ ہے۔ اسے سخی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں سے وہ سب کچھ ملتا ہے کہ جس کا سوال کیا جائے۔ طالبان کے قبضے سے پہلے اس دربار پر آدمی، عورتیں، معذور، نابینا غرض ہر طرح کے حاجت مند اور مریض حاضری دیا کرتے تھے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہاں حاجات پوری ہوتی ہیں اور شفا ملتی ہے۔ اسی طرح افغانستان میں ایک رسم تھی جو میری ولادت سے بھی پہلے سے چلی آرہی تھی اس کا بھی طالبان نے خاتمہ کیا۔ ملک کا ہر بادشاہ برج حمل کے پہلے دن (جو کہ نوروز کے ایام کا بھی پہلا دن ہے) سخی دربار کے نام کا جھنڈا بلند کیا کرتا تھا۔ ان کا یہ یقین تھا کہ اگر جھنڈا بلند ہونے کے بعد نہ گرے تو یہ حکومت کے دوام اور اس کے قائم رہنے کی علامت ہے اور اگر وہ گر جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کی حکومت گرنے والی ہے۔ ان دنوں میں تین چھٹیاں کی جاتی تھیں، جن میں لوگ مزار کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ ان دنوں وہاں اتنا رش ہوتا تھا کہ جیسے حج کے دنوں میں مکہ المکرمہ میں ہوتا ہے۔ طالبان کے عہد میں جب یہ دن قریب آئے تو طالبان نے یہ اعلان کر دیا کہ اس رسم کو منانا حرام اور ناجائز ہے۔ یہ چونکہ اسلام کے مخالف ہے اس لیے آج کے بعد ان تین دنوں میں کوئی بھی مزار میں داخل نہیں ہو گا نہ ان

دنوں میں چھٹی کی جائے گی، اور جو کوئی اپنی ڈیوٹی سے غائب پایا گیا تو اسے اس کی نوکری سے فارغ کر دیا جائے گا۔ اس طرح طالبان نے اس شرکیہ رسم کا خاتمہ کیا اور ایسا صرف کابل تک ہی محسوس ہوتا تھا بلکہ طالبان نے پورے ملک میں شرک کو ختم کیا۔

طالبان سے پہلے پورے ملک میں ایسی قبریں ہر جگہ نظر آتی تھیں جن کی لوگ عبادت کرتے تھے۔ لیکن جب طالبان آئے تو انہوں نے اس شرک سے لوگوں کو منع کر دیا۔ چنانچہ قبروں کی شرعی زیارت کی صرف جمعرات کے دن ظہر تا عصر اجازت دی گئی، باقی اوقات میں قبروں کی زیارت کی اجازت نہ تھی۔ انہوں نے یہ اعلان کیا کہ جو کوئی ان قبروں کی زیارت اس مقصد کے لیے کرے گا کہ وہ ان سے مدد طلب کرے اور انہیں مشکلات کے حل کے لیے پکارے یا انہیں سفارشی بنائے یا پھر ان کا وسیلہ پکڑے تو یہ تمام امور حرام ہیں۔ ان کے مرتکب کی سزا یہ ہے کہ اسے جیل میں بند کیا جائے گا اور اسے مارا بھی جاسکتا ہے۔ اور اگر وہ تنبیہ کے باوجود اس شرک سے باز نہ آیا تو اسے قتل بھی کیا جاسکتا ہے۔

البيان:..... کیا یہ حالات دیکھنے کا آپ کو کوئی ذاتی تجربہ بھی ہوا یا آپ نے یہ

حالات صرف لوگوں سے ہی سنے ہیں؟

شیخ: جی ہاں، مجھے خود بھی یہ حالات دیکھنے کا تجربہ ہوا ہے۔ کابل میں 'شاہد شامشیراہ' نام کا ایک مزار ہے۔ اس لفظ کا مطلب ہے "دو تلواروں والے بادشاہ"۔ اس بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے دشمنوں سے دو تلواروں کے ساتھ لڑا کرتا تھا، ایک جنگ میں اس کی تلواریں ٹوٹ گئیں اور اسے شہید کر دیا گیا۔ یہ ایک مشہور و معروف دربار تھا جہاں لوگ ہر قسم کی عبادت غیر اللہ کے لیے بجالاتے تھے۔ ربانی کے دور حکومت میں مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا، میں نے وہاں دیواروں اور پتھروں پر شرکیہ اقوال اور کفریہ اشعار لکھے ہوئے پائے، ان میں ایک عبارت یہ بھی تھی "آپ کے سوا ہماری کوئی پناہ گاہ، ٹھکانہ اور بچانے والا نہیں"۔ تب میں ربانی کو ملا تھا اس وقت وہاں شیخ مسیح اللہ بھی موجود تھے۔ میں نے اسے کہا: "تم نے یہاں اسلامی حکومت کا اعلان کیا ہوا ہے کہ یہ

اسلامی جمہوریہ ملک ہے، تو تم یہاں شرک کے ان مراکز کا خاتمہ کیوں نہیں کرتے؟ ربانی ہنستے ہوئے کہنے لگا: شیخ کیا تم آٹو بینک اسلامی حکومت چاہتے ہو؟ تمہیں صبر کرنا چاہیے۔ میں نے کہا: اس مقصد کے لیے کم از کم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک ادارہ ہونا چاہیے جو لوگوں کو اس شرک کی حقیقت سے آگاہی دے ورنہ لوگ شرک پر ہی مرتے جائیں گے۔ لیکن میری بات کا ربانی نے یہی جواب دیا: اسلامی حکومت آٹو بینک نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس جب طالبان آئے تو انہوں نے اس قسم کے ہر شرک کا خاتمہ کر دیا۔ درباروں سے تمام شرکیات کو نکال باہر کیا، مزارات کے دروازے بند کیے لوگوں کو سوائے شرعی زیارت کے ہر قسم کی زیارت سے روک دیا، اسی طرح انہوں نے عورتوں کی درباروں کی زیارت پر مکمل پابندی عائد کی۔ اُس وقت پشاور میں یہ مشہور تھا کہ طالبان امریکی ایجنٹ ہیں۔ افغانستان آنے سے قبل میں بھی سوچا کرتا تھا کہ طالبان پاکستان اور امریکہ کے ایجنٹ ہیں۔ طالبان کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ یہ قبر پرست، مشرک اور بدعتی قسم کے اشعری اور ماتریدی ہیں۔ یہ سب باتیں افغانستان آنے سے قبل میرے ذہن میں تھیں۔ اسی لیے میں افغانستان چھپتے چھپاتے آیا کیونکہ میں ڈرتا تھا کہیں یہ قبر پوج مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔ اس لیے میں چوری چوری اپنے ملک میں داخل ہوا۔ اتفاق سے میں جس گاڑی میں آ رہا تھا اس میں میرے ساتھ ایک آدمی اُس کی بیوی، دو بچے اور ایک تکیہ کی طرح کا تھیلا تھا۔ جب ہم کابل پہنچے تو اس آدمی نے اپنا تھیلا ہوٹل کے دروازے کے سامنے رکھا اور اپنے بیوی بچوں کو اتار اور چلا گیا، میں بھی اس گاڑی سے اتر اور ایک ہوٹل میں رہائش رکھی۔ اگلے دن جب میں اس ہوٹل کے سامنے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ اس آدمی کا وہ تھیلا ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کیا یہ وہی تھیلا نہیں ہے جو کل اس آدمی نے یہاں چھوڑا تھا۔ میں نے اس پر زیادہ غور نہیں کیا اور سوچا شاید یہ کوئی اور ہو۔ پھر تین دن کے بعد میں دوبارہ وہاں سے گزرا تو میں نے اُس تھیلے کو وہیں پڑا ہوا پایا۔ میں نے 'شاهد شامیراہ' دربار کی سیر کرنے کا پروگرام بنایا میرا خیال تھا کہ طالبان نے وہاں شرک

و کفر کو مزید بڑھا دیا ہوگا اُسے دیکھنا چاہیے۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دربار کے دروازے کو بند پایا میرے ساتھ چار دوست بھی تھے یہ سب کے سب طالب علم تھے۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک داڑھی والے بابے نے دروازہ کھولا، اس کا چہرہ نہایت غمگین اور اداس تھا۔

البیان: عفواً۔۔۔ شیخ آپ نے تھیلے والی بات پوری نہیں کی؟

شیخ: میں اُسی طرف آ رہا ہوں، میں اُسے بھولا نہیں ہوں۔ میں دربار میں جوتوں سمیت اندر داخل ہو گیا جب کہ طالبان سے پہلے جوتوں سمیت دربار میں داخل ہونا ممنوع تھا۔ بابا ہمیں طالبان کے آدمی سمجھ کر خاموش ہو گیا۔ میں مزار میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا وہاں کوئی شرکیہ تختی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شرکیہ چیز موجود ہے، سوائے ایک تختی کے جس پر یہ حدیث نبوی لکھی تھی ”میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا ان کی زیارت کرو، یہ تمہیں آخرت یا دلاتی ہے۔“ ساتھ ہی ایک اور تختی پر لکھا تھا:

”من جاء الی هذا متوسلاً به أو مستشفعاً به أو مستمداً به فجزاؤه القتل“
 ”جو کوئی یہاں اس لیے آیا کہ قبر والے سے مدد طلب کرے یا اسے وسیلہ بنائے یا اسے سفارشی بنائے تو اس کی جزا قتل ہے۔“

یہ دیکھ کر میں بے حد خوش ہوا۔ اسی بات کا تو ہم پہلے مطالبہ کرتے تھے۔ میں نے اس درباری بابے سے پوچھا: زائرین کہاں ہیں؟ یہاں جو تختیاں اور نذر کے صندوق تھے وہ کہاں گئے؟ بابا سمجھا میں بھی کوئی قبر پرست ہوں جسے دربار کا یہ حال دیکھ کر دکھ پہنچا ہے۔ کہنے لگا: خاموش ہو جاؤ اگر ان طالبان نے تیری باتیں سن لیں تو وہ تجھے قتل کر دیں گے، ان وہابی کافروں نے ان تمام چیزوں سے منع کیا ہوا ہے۔ یہ سن کر میں بے حد خوش ہوا، پھر میں نے اُسے نصیحت کی اور دربار سے نکل کر بازار کی طرف چل پڑا۔ میں نے وہاں کسی ایک عورت کو بھی بے پردہ نہ پایا جبکہ اس سے پہلے جس کا بل کو میں جانتا تھا اس میں بے پردگی عام تھی۔ مگر جب طالبان آئے تو انہوں نے ان تمام برائیوں سے معاشرے کو پاک کر دیا

عورتوں کا حکومتی اداروں میں نوکری کرنا ممنوع کیا اور یہ اعلان کیا جو عورت کام کرنا چاہتی ہے اُسے اپنے گھر کی چار دیواری میں کام کرنا ہوگا اور حکومت اُسے اس کی تنخواہ دے گی۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے گانے بجانے کو بھی ممنوع کیا۔

کابل میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد میں نے واپس جانے کا پروگرام بنایا۔ میں اس جگہ پر آیا جہاں میں نے وہ تھیلا دیکھا تھا اب کی بار وہاں تھیلا موجود نہیں تھا۔ میں نے اس ہوٹل کے مالک سے پوچھا: یہاں کافی عرصے سے ایک تھیلا پڑا ہوا تھا اب وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا شیخ اس تھیلے کا بھی عجیب قصہ ہے۔ میں نے کہا کیسے؟ کہنے لگا یہ تھیلا ایک آدمی کا تھا جو پشاور سے یہاں آیا تھا اس کا گھر ہرات میں تھا۔ جب وہ یہاں اتر تو وہ اپنا تھیلا بھول گیا اور اپنے گھر چلا گیا، گزشتہ روز وہ اپنے گھر سے آیا اور اس نے اپنا تھیلا اٹھایا۔ اُس کا یہ تھیلا رسی کے ساتھ باندھا ہوا تھا جب اس نے اسے کھولا تو ہم نے دیکھا وہ پیسوں سے بھرا ہوا تھیلا تھا۔ میں نے اس ہوٹل والے سے مذاق کرتے ہوئے کہا: ”تو اتنے عرصے کہاں رہا تو نے یہ تھیلا کیوں نہ اٹھایا؟ وہ کہنے لگا شیخ طالبان ایسے بندے کو پکڑ لیتے ہیں، اب چوری کی کوئی جرأت نہیں کرتا۔ کیونکہ طالبان خود سامان رکھ دیتے ہیں پھر جو کوئی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

جب میں پشاور واپس آیا تو میں نے خطبہ جمعہ میں کہا: ”طالبان اپنے پہلے حالات سے اب بہت بہتر ہیں“۔ میرے بعض دوستوں کو اس بات کی اطلاع پہنچی تو وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ کس طرح طالبان کی تعریف کرتے ہیں جب کہ وہ مشرک ہیں۔ میں نے کہا: واللہ شیء عجیب! تم انہیں کس طرح مشرک کہتے ہو جب کہ انہوں نے شرک کے مراکز کو بند کیا۔..... طالبان حکومت میں آتے ہی شرک سے منع کرتے ہیں پھر وہ کس طرح مشرک ہوئے؟ میں نے انہیں کہا: دنیا میں انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے:

۱۔ رہنے کے لیے امن وامان ۲۔ آخرت کے لیے ایمان۔

طالبان کے ایمان میں تو کوئی کمزوری تلاش کی جاسکتی ہے لیکن اللہ کی قسم انہوں نے امن و امان قائم کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ایمان کو بھی صحیح طور پر قائم کریں گے۔

البیان: کیا آپ نے تحریک طالبان کے ارکان میں سے کسی سے ملاقات بھی کی؟

شیخ:- جی ہاں! میں دوبارہ افغانستان گیا تو وہاں طالبان کے بعض بھائیوں سے ملاقات کی۔ میں نے انہیں عقیدہ و عمل کے اعتبار سے صالح پایا۔ میں طالبان کے وزیر اعظم محمد ربانی رحمہ اللہ سے ملا، جواب فوت ہو چکے ہیں۔ میں نے اس سے عجیب ایمانی باتیں سنیں، وہ افغانستان میں ۱۰۰ فیصد اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، اسی لیے انہوں نے شرک، فسق و فجور کا خاتمہ کیا۔ اس کا آغاز انہوں نے قندھار سے کیا۔ قندھار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایک خرقة تھا جسے احمد شاہ ابدالی بخاری سے یہاں لایا تھا، اس خرقة کی قوی، مالی اور بدنی ہمہ قسم کی عبادت کی جاتی تھی۔ یہ خرقة ایک مشجب محفوظ پر رکھا گیا تھا جس کے نیچے خالی جگہ تھی۔ لوگ اس کے نیچے اترتے، اس کے گرد گرد طواف کرتے اور اسے تبرک کے لیے چھوتے۔ جب طالبان نے قندھار پر قبضہ کیا تو انہوں نے اس خرقة کو وہاں سے نکال دیا اور کہا کہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس میں احتمال تھا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہو، اس لیے انہوں نے کہا یہ ہمارے پاس محفوظ ہے اور تمہارے لیے اس کا طواف کرنا، برکت کے لیے چھونا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

بھائی میں نے انہیں صالحین میں سے پایا۔ اللہ کی قسم میں نے نہ تو طالبان کے ہاتھوں بیعت کی، نہ ان کے ساتھ کام کیا، نہ ان میں سے کوئی یہاں میرے پاس آیا لیکن میں حق بات کہوں گا کیونکہ مسلمان کو حق بات ہی کہنی چاہیے۔ لوگ ان کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ بعض نے کہا وہ سارے کے سارے ہی خالص سلفی ہیں جبکہ یہ بات غلط ہے۔ بعض نے کہا وہ سب کے سب ہی مشرک ہیں، اللہ کی قسم یہ جھوٹ ہے۔ میری نگاہ میں طالبان کی تین اصناف ہیں۔

پہلا طبقہ:- ان کی اکثریت حنفی اور دیوبندی مدارس سے فارغ شدہ ہیں۔ وہ توحید ربوبیت اور توحید الوہیت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں البتہ اسماء و صفات میں وہ اشعری ہیں مگر متعصب نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ اس کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

دوسرا طبقہ:- اللہ کی قسم وہ سلفیوں کا طبقہ ہے۔ ان میں میں عبدالوکیل متوکل کو جانتا ہوں جو کہ طالبان کا وزیر خارجہ ہے۔ یہ شیخ عبدالغفار کا بیٹا ہے جسے وہابی ہونے کے جرم میں افغانستان کی کیومنٹ حکومت نے اس وقت قتل کر دیا تھا جب وہ حج کر کے ہوائی اڈے پر پہنچے تھے۔ عبدالوکیل کا خاندان سلفی خاندان ہے میں انہیں ۴۰ سال سے جانتا ہوں۔ اسی طرح طالبان میں اور بھی سلفی پائے جاتے ہیں۔ اُن میں ایک عبدالرئیب تھا جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ شدہ تھا وہ طالبان حکومت میں مہاجرین کا وزیر تھا۔

تیسرا طبقہ:- ان میں صوفی بھی پائے جاتے ہیں۔ میں ان کا نام لے کر اختلاف کا سبب نہیں بننا چاہتا، مگر وہ انتہائی قلیل ہیں، میرے علم کے مطابق یہی میں طالبان کے بارے میں جانتا ہوں اور اسی کا میں اعتقاد رکھتا ہوں۔

البيان:- کیا آپ دیوبندیت کی اصطلاح پر روشنی ڈالیں گے؟

شیخ:- انڈیا میں ایک علاقہ ہے جس کا نام دیوبند ہے۔ اس علاقے میں ایک مدرسہ ہے، جو کوئی بھی اس مدرسہ سے فارغ ہوتا وہ دیوبندی کے نام سے جانا جاتا۔ یہ لوگ احناف ہیں لیکن ان میں اور بریلویوں میں فرق ہے۔ دیوبندی بریلویوں کے شدید مخالف ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کی تکفیر کی حد تک جا پہنچتے ہیں یہ لوگ توحید الوہیت پر خاص توجہ دیتے ہیں اور قبر پرستی کی مخالفت کرتے ہیں ان کی اکثریت ماتریدی ہے۔ دیوبندیوں کا ایک بہت بڑا عالم تھا عبدالحق۔ اس کا پشاور میں مدرسہ تھا اسی مدرسہ سے طالبان کی اکثریت نے سند فراغت حاصل کی۔ رہے ملا عمر نہ تو وہ دیوبندی ہیں نہ حنفی بلکہ وہ ایک عام مسلمان ہیں۔ ممکن ہے وہ جانتے بھی نہ ہوں کہ اشعریت اور ماتریدی کیا ہے؟ وہ کہا کرتے تھے ”میں وہ حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں جو نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں قائم کی تھی۔ ا“

س حکومت کی بنیاد کتاب و سنت پر ہوگی۔ ملا عمر خود عالم نہیں ہیں بلکہ وہ علماء کے فتاویٰ پر عمل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ”علماء کا کام فتویٰ دینا ہے اور میرا کام تقیق کرنا ہے۔“ وہ نہ صوفی ہے نہ دیوبندی بلکہ وہ سلفیت سے محبت کرنے والے انسان ہیں۔

البيان: کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ملا عمر اپنی باتوں میں سچا ہے؟

شیخ: اللہ کی قسم وہ سچا، عابد اور زاہد انسان ہے۔ اس نے نہ میرے پاس تعلیم حاصل کی نہ میں نے اس سے علم حاصل کیا، نہ وہ میرے رشتہ داروں اور خاندان میں سے ہے نہ میرے گاؤں سے ہے، وہ زور جان کا ہے اور میں قندوز سے تعلق رکھتا ہوں۔ اللہ کی قسم جب میں نے اُسے دیکھا مجھے یقین ہو گیا کہ میں ایک ایسے آدمی کو مل رہا ہوں جو اسلام پر عمل کرتے ہوئے مسلمان ہے، زہد کو اپناتے ہوئے زاہد ہے۔ اگر اس کا زہد و تقویٰ میرے جیسے بہت ساروں پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کو کافی ہوگا۔ میں نے اسے اکثر اللہ کا ذکر کرتے، اللہ سے مدد طلب کرتے پایا۔ جب اسے کوئی پریشانی کا سامنا ہوتا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرتا ہے۔ (البیان، ص: ۸۶، شہادہ علی تجربہ طالبان۔۔ حوار مع فضیلۃ الشیخ غلام اللہ حق (نائب الشیخ جمیل الرحمن رحمہ اللہ)۔)

طالبان کی قیادت میں جہاد کے واجب ہونے پر علمائے کرام کے فتاویٰ

علمائے عرب جنہوں نے طالبان کی قیادت میں جہاد افغانستان کے وجوب کے فتاویٰ دیے، فضیلہ الشیخ طارق الطواری نے ان کے یہ نام بیان کیے ہیں:

۱۔ علامہ حمود بن عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ

۲۔ عبد الرحمن بن ناصر البراک حفظہ اللہ

۳۔ ناصر بن حمد الفہد حفظہ اللہ، ڈین کلیہ اصول الدین جامعہ امام بن سعود

۴۔ علامہ المحدث عبد اللہ السعد حفظہ اللہ

۵۔ علامہ المحدث سلیمان بن ناصر العلوان حفظہ اللہ

۶۔ فضیلۃ الشیخ علی بن خضیر الخضیر حفظہ اللہ

۷۔ ڈاکٹر ناصر العمر حفظہ اللہ

۸۔ ڈاکٹر سفر الحوالی حفظہ اللہ

۹۔ ڈاکٹر سلمان العودہ حفظہ اللہ

۱۰۔ شیخ شریف الفعر حفظہ اللہ

۱۱۔ شیخ عبد اللہ بن محمد العثمان حفظہ اللہ

۱۲۔ ڈاکٹر مہدی القاضی حفظہ اللہ

۱۳۔ بشیر بن فہد آل بشر حفظہ اللہ

۱۴۔ عبد اللہ بن عمر الدمیجی حفظہ اللہ

۱۵۔ ڈاکٹر ریاض المسیر میری حفظہ اللہ

۱۶۔ شیخ عبد الرحمن الغریان حفظہ اللہ

۱۷۔ علمائے سوڈان

۱۸۔ علمائے لبنان

۱۹۔ علمائے یمن

حق پر قائم ان علماء نے جہاد افغانستان کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔ (صحیفۃ الرأی العام

الکویتیہ: 15/11/2001)

ان علماء میں ہم یہاں علامہ حمود بن عتلاء رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ سے چند اقتباسات قارئین کی

نذر کر رہے ہیں:

طالبان کے دور میں شیخ حمود عتلاء رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے:

فہی دولة الوحيدة في العالم التي لا يوجد فيها محاكم قانونية وانما حكمها

قائم على شرع الله ورسوله في المحاكم القضائية وفي الوزارات وفي

الدوائر وفي المؤسسات - أما ما عداها من الدول الاسلامية فمنها من

تحکم بالقوانين الوضعية الصرفة ومنها من تدعي تطبيق حكم الله ورسوله مع ما يوجد فيها من محاكم قانونية صرفة، وحتى المحاكم الشرعية في مثل هذه الدول يكون معظم

أحكامها قائم على التنظيمات والتعليقات التي من وضع البشر، فلا فرق بينهما وبين القوانين الوضعية الا بالاسم..... وحيث قد غلم أن حكومة الطالبان حكومة شرعية قد توفرت لها مقومات الاسلامية..... فاذا كان الامر كذلك فانه يجب دعم دولة طالبان والجهاد معها

من باب نصره الاسلام..... (موقع الشيخ حمد عقلاء)

”یہ دنیا میں واحد حکومت ہے جہاں بشری قوانین سے فیصلے کرنے والی عدالتیں نہیں پائی جاتیں بلکہ اس مملکت کی عدالتوں، وزارتوں، کمپنیوں کا نظام اور قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کی بنیاد پر قائم ہے۔ امارت اسلامی کے علاوہ جتنے بھی مسلم ممالک ہیں ان میں اکثر تو وضعی قوانین سے فیصلے کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو شریعت کو نافذ کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان میں انسانی قوانین سے فیصلے کرنے والی عدالتیں بھی پائی جاتی ہیں، حتیٰ کہ ان ممالک میں شرعی عدالتوں تک کے قوانین و دساتیر بشر کے وضع کردہ ہوتے ہیں۔ ان شرعی عدالتوں اور غیر شرعی عدالتوں میں نام کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہوتا..... ہم اس بات کو جان چکے ہیں کہ طالبان کی حکومت ایک شرعی حکومت ہے جو اسلامی بنیادوں پر قائم ہے، اس لیے اس کی مدد و نصرت کرنا واجب ہے اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا اسلام کی نصرت کرنا ہے۔“ 9/11 کے بعد شیخ رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا:

انه يجب على الشعوب المسلمة نصره دولة الطالبان فكذلك يجب على الدول الاسلامية خصوصاً الدول المجاورة لها والقريبة منها مساعدة طالبان واعانتها ضد الغرب الكافر - وليعلم أولئك أن خذلان هذه الدولة المسلمة المحاربة لأجل دينها ونصرتها للمجاهدين ونصرة الكفار

علیہا نوع من الموالاة والتولی والمظاہرة علی المسلمین۔ (حکم ماجری فی

أمریکنا من أحداث: ۱)

”مسلم عوام پر طالبان کی نصرت کرنا فرض ہے، اسی طرح افغانستان کے ارد گرد پائے جانے والے اسلامی ممالک پر خاص کر کے کافر مغرب کے مقابلے میں طالبان کی مدد کرنا واجب ہے۔ حکومتوں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ اس مسلم ملک کے ساتھ غداری کرنا کہ جو دین کی بنیاد پر مصروف جنگ ہے اور مجاہدین کے مقابلے پر کفار کا ساتھ دینا کفار سے دوستی کی وہ صورت ہے کہ جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔“

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے مابین جاری اس معرکہ میں طالبان کی نصرت و اعانت کرنا فرض ہے۔ مجموعی طور پر طالبان کے اہل حق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس جہاد کی قیادت کی۔ شیخ سلفی مجاہد تھے وہ جہاد کے ساتھ ساتھ عقیدہ کی اہمیت بھی بیان فرماتے تھے عقیدہ توحید، کو سیکھنے اور اللہ کے دین پر استقامت کے لیے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جن تین کتابوں کے مطالعہ کی وصیت کی ان کے نام ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”الایمان“

(۲) شیخ عبدالرحمن بن حسن آل شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”فتح المجید“ جو امام محمد بن

عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب توحید کی شرح ہے۔

(۳) شیخ محمد قطب حفظہ اللہ مدرس جامعہ ام القرئ مکہ مکرمہ کی کتاب ”مفہامہ

یذنبغی ان تصحیح“ یقیناً یہ کتب سلفی عقیدہ کو سمجھنے کے لیے نہایت اساسی اور بنیادی کتب ہیں، جن کی تعلیم و تعلم سے طالبان اور مجاہدین کے عقائد درست ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

البتہ اگر کوئی طالبان کو بدعتی سمجھتا ہو تب بھی اُس کے لیے کفر کے مقابلے میں بدعتی مسلمانوں کا ساتھ دینا فرض ہے۔ جہاد اہل بدعت کی قیادت میں بھی کیا جائے گا جیسا کہ

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم بدعتی خلفاء کی قیادت میں جنگیں لڑتے رہے ہیں۔

گروہوں میں عقیدہ و عمل کی خامیاں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہلسنت کی طرف نسبت کرنے والے وہ گروہ جن میں شرک اکبر نہیں ہے وہ مسلمان ہیں اور ان کے ساتھ کفر و شرک کے خلاف کھڑا ہونا واجب ہے۔ البتہ ہماری اس گفتگو کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان گروہوں میں عقیدہ و عمل کی خامیاں نہیں پائی جاتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس امت کے زوال کا بنیادی سبب دین دار طبقہ میں انحراف کا درآنا ہے، جس کی اصلاح کیے بغیر کبھی عزت و کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ ان گروہوں سے بہتر معاملہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی غلطیوں کو غلطی نہ کہا جائے اور دردِ دل سے اس کی اصلاح کی کوشش نہ کی جائے، ایسا کرنا یقیناً ان کے ساتھ بدترین سلوک و معاملہ کرنا ہے۔ مجموعی طور پر یہاں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں ان کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

تصوف و بدعات کا وجود

برصغیر کا یہ ایک المیہ ہے کہ یہاں تقریباً ہر طبقہ کے بزرگوں کے ہاں تصوف کی شرکیہ بدعات تک پائی گئی ہیں، جس سے برات کرنا ایمان لانے کے لئے نہایت اہم ہے۔ استاد محترم پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ نے ایک خطبہ جمعہ میں یوں فرمایا:

”شاید ہی ہندوستان میں کوئی عالم ایسا ہو کیا الحمد للہ کی یاد دہندی اور کیا بریلوی! جن کو اس تصوف کی تاثیر نہ لگی ہو، تھوڑا بہت اس تصوف کا رنگ ضرور ہوتا ہے، حالانکہ تصوف اس قدر خطرناک چیز ہے جتنا نقصان اسلام کو ان صوفیوں سے پہنچا ہے، اس تصوف کے چکر میں جتنے مسلمان برباد ہوئے ہیں، جتنا اسلام کے اندر اس کے ذریعے پلیدی شامل ہوئی اتنا کسی چیز نے بھی اسلام کو برباد نہیں کیا۔“

ردّ شرک و مشرکین کا نہ پایا جانا

لا الہ الا اللہ میں جس طرح معبودان باطلہ اور ان کے پیجاریوں کا انکار کیا گیا ہے آج

وہ یہاں خال خال ہی پایا جاتا ہے۔ کلمہ کا یہ ترجمہ ”اللہ سے ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے نہ ہونے کا یقین“ ایک ناقص ترجمہ ہے، یہ بات کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے ربوبیت ہے نہ کہ الوہیت، اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین اُسے رب ماننا ہے جو بلاشبہ حد درجہ مطلوب ہے البتہ اسے اللہ ماننا اس سے کچھ بڑھ کر ہے۔

”اللہ کے علاوہ کوئی کچھ کرنے والا نہیں“..... یہ توحید ربوبیت ہے۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ رب العالمین کے علاوہ کوئی پوجا، پرستش، بندگی اور انقیاد کے لائق نہیں اور یہ کہ پرستش اور بندگی کا کوئی فعل اگر کسی اور کے لیے روا رکھا جاتا ہے تو وہ سراسر باطل ہے اور یہ کہ بندہ کی عبادت مثلاً دعا و التجا، ذبیحہ و طواف، نیاز و انقیاد، اور اطاعت قانون صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے لائق اور لازم ہے۔ یہ کلمہ تو اللہ کے سوا پوجے جانے والے ہر بزرگ، پیر، قبر، دربار، قانون، نظام، وطن کی عبادت کا انکار کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کلمہ کے صحیح مفہوم کو زندہ کیا جائے اور شرک کے ساتھ ساتھ مشرکین کا بھی رد کیا جائے۔

لا دین سیاست میں شرک

جمہوری نظام ایک کافرانہ نظام ہے کیونکہ اس میں سب اختیارات کا سرچشمہ عوام ہیں، اس کے ذریعے نفاذ شریعت کی بہت سے حضرات خود بھی امیدیں لگائے ہوئے ہیں اور قوم کو بھی ان سے منتہی کیے ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں اسلامی جماعتوں کو سیکولر پارٹیوں کے ساتھ سمجھوتا کرنا پڑتا ہے اس طرح ملحدین اور مشرکین سے نہ صرف اظہار قرب و محبت کی جاتی ہے بلکہ انہیں قوم کے سامنے موحد بنا کر پیش کرنے جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم دعوت و جہاد کے ذریعہ تبدیلی کے نبوی منہج کو اپنائیں۔

وطن پرستی کا شرک

وطنیت انسانی اجتماعیت کی وہ بنیاد ہے جو مغرب نے ایجاد کی، پھر اس کو چلانے کا نظام بھی مغرب سے لیا گیا البتہ اس میں بعض جگہوں پر اسلام کے پیوند لگائے گئے۔ اس

نظام میں اللہ کو حاکم اعلیٰ کہنے کے باوجود غیر اللہ کے قانون کو واجب الاطاعت مانا جاتا ہے اور اسے قانون کا تقدس دیا جاتا ہے جبکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں اجتماعیت کی بنیاد دین یعنی اللہ کی بندگی ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں حق و باطل کا فرق جانیں اور اسی سے دوستی و دشمنی کا معیار قائم کریں مگر افسوس یہاں وطنیت کا جس طرح سے انکار ہونا چاہیے تھا وہ انکار نہیں پایا جاتا، جس کے سبب ولاء و براء کا اسلامی عقیدہ کمزور ہو چکا ہے اور جاہلیت مضبوط ہو چکی ہے۔ اسلامی خلافت کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ توحید کی بنیاد پر انسانوں کی اجتماعیت قائم کی جائے اور حقیقی اسلام کو قومیت اور جاہلیت کے کیمپ سے ممیز کیا جائے اور حق و باطل کے کسی بھی ملغوبے کا حصہ بننے سے انکار کر دیا جائے۔

تقلید جامد

یہاں اپنے اپنے فقہی مذاہب، جماعتوں، تنظیموں اور قیادتوں کی اندھی تقلید کا بھی دور دورا ہے، اس اندھی تقلید کا قرآن و سنت میں خوب رد کیا گیا ہے۔ تحقیق اور اہل علم سے رہنمائی لے کر منہج سلف کو اپنانے سے ہی ہم اس مصیبت سے نجات پاسکتے ہیں۔

اسلامی تحریکوں میں اسی طرح کئی اور خامیاں بھی پائی ہیں جن کی اصلاح کرنا اہل علم و فضل کا بنیادی فرض ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری غلطیوں کو دور فرمائے اور ہمیں اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے لیے درست طرز عمل:

ہم ائمہ کو معصوم نہیں جانتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام رضی اللہ عنہم کے اجتہادات میں اس بات کا یکساں احتمال ہے کہ انہوں نے صحیح اجتہاد کیا یا اجتہاد کرتے ہوئے خطا کی، لیکن وہ خطا کے باوجود ایک اجر کے مستحق ہیں۔ البتہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

”اور کسی بھی بات میں تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف رجوع کرو۔“

لہذا جب کوئی بات قرآن اور حدیث صحیح سے ثابت ہو جائے تو ہمیں اس بات کو قبول کرنا ہوگا جب کہ اہل علم کی ایک جماعت اس کی تائید بھی کرتی ہو، کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ صحیح حدیث پر عمل اس لیے چھوڑ دے کہ فلاں عالم کا قول اس کے خلاف ہے خواہ وہ عالم کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو۔

محمد بن عبد اللہ بن نوفل رضی اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس سال معاویہ رضی اللہ عنہ حج کو آئے تو انہوں نے سعد بن مالک سے پوچھا کہ تم حج تمتع کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ بہت اچھی نیکی ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے منع کرتے تھے کیا تم عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو؟ سعد نے جواب دیا عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر ہیں لیکن تمتع تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا جو عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔

(سنن داری کتاب المناسک، باب فی التمتع ۱۸۵۵)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے مسئلہ پوچھا آپ نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اس کا جواب دیا تو اس شخص نے کہا کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما تو یوں کہتے ہیں، یہ سن کر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ”کچھ بعید نہیں کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا اور تم کہتے ہو کہ فلاں اور فلاں نے یوں کہا“ (مسند احمد: ۱/۳۳۷)

اگر ہم کسی عالم کی رائے کی بنا پر قرآن حکیم یا صحیح حدیث کو ترک کرنا شروع کر دیں تو ہمارے پاس کوئی بھی شرعی دلیل باقی نہیں رہے گی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے کا ان علماء کے پاس کوئی عذر ہوگا مگر ان کے کسی قول کی بنا پر حدیث کو چھوڑنے کا ہمارے پاس کوئی عذر نہیں۔ البتہ ہمیں ان مسائل میں حسن ظن سے کام

لینا چاہیے، اپنے بھائیوں پر تنقید کرتے ہوئے بے جا شدت سے چٹنا چاہیے۔
 جارحانہ کلمات، عیب جوئی، طعنہ زنی اور جاہلانہ و احمقانہ انداز گفتگو سے پرہیز کرنا
 چاہیے، مخالف کو غلطی پر سمجھتے ہوئے بھی وہی رویہ اختیار کرنا چاہیے جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے
 بھائی ہارون علیہ السلام کے لیے اختیار کیا۔

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا تَجْعَلْ لِي فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾
 (الاعراف: ۱۵۱)

”موسیٰ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی
 رحمت میں داخل کر، تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

رَبَّنَا لَا تُؤْخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ
 عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
 أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

آمین یا رب العالمین

مراجع ومصادر

رقم	نام كتاب	نام مصنف
01	فقه الخلاف بين المسلمين	ياسر البرهامي
02	فقه الاختلاف آفاق وآداب	دكتور بدر عبد الحميد هميسه
03	تصحيح الدعاء	علامه بكر ابو زيد
04	الاصول التي بنى عليها الغلاة مذهبهم في التبديع، مكتبة الصحابة الامارات	عمرو بن عبد المنعم السليم
05	مجموع الفتاوى	شيخ الاسلام تقي الدين أحمد بن تيميه الحراني
06	مجموعة الرسائل والمسائل النجدية	أئمة الدعوة النجدية
07	أنصاف اهل السنة والجماعة ومعاملتهم لمخالفهم دار الاندلس الخضراء جدة	محمد بن صالح بن يوسف العلي
08	اصول الحكم على المبتدعة عند شيخ الاسلام ابن تيميه دار الفضيلة الرياض	د/احمد بن عبدالعزيز الحليبي
09	مفهوم اهل السنة والجماعة بين شيخ الاسلام ابن تيميه واهل الافراط والتفريط	عادل بن محمد الشمري
10	فقه الاختلاف عند اهل السنة والجماعة	أبو بصير الطرطوسي
11	هجر المبتدع	علامه بكر ابو زيد
12	سبع مسائل في علم الخلاف	الأستاذ عبد العزيز القاري
13	منهج اهل الاتباع في التعامل مع اهل الابتداع	وليد بن راشد السعيدان
14	الخلاصة في احكام التقليد	علي بن نايف الشحوذ

15	دعوة أهل البدع دار ابن جوزی	خالد بن أحمد الزهرانی
16	الآلة والمعاداة فی الشريعة الإسلامية	محساس الجلعود
17	الماتريديّة دراسة وتقویا دار العاصمة الرياض	أحمد بن عوض الله الحریبی
18	شرح عقيدة الواسطیة	خلیل هراس، ابن عثیمین
19	فتاوی اہل حدیث	
20	مجموع الفتاوی ابن عثیمین	علامہ ابن عثیمین
21	معارض القبول	علامہ حافظ حکمی
22	فتاوی دار الافتاء	علامہ ابن باز
23	الفتاوی الشرعیہ فی المسائل العصریہ	من فتاوی علماء البلد الحرام
24	فتاوی اللجنة جمع و ترتیب احمد بن عبد الرزاق الدویش لجنة الدائمة سعودی عرب	احمد بن عبد الرزاق الدویش
25	”مقالات تربیت“ دار التریبہ والنشر والتالیف فیصل آباد	محمد منیر اظہر
26	”اہل سنت فکر و تحریک“ مطبوعات منہج اسلامی ، پوسٹ بکس - ۱۳۰ - اسلام آباد	محمد عبد البادی المصری
27	”ائمہ سلف اور اتباع سنت“ طارق اکیڈمی فیصل آباد	شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
28	سہ ماہی ایقاظ	حامد کمال الدین
29	ماہنامہ الحدیث	حافظ زبیر علی زکی

مؤلف کے قلم سے

- 1..... طاغوت: حکم، پہچان، برتاؤ
- 2..... جمہوریت دین جدید
- 3..... شرح نواقض اسلام
- 4..... شروط لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
- 5..... کبیرہ گناہ اور نواقض اسلام
- 6..... تجدید ایمان
- 7..... طائفہ منصورہ کی صفات

عقائد اور اعمال کی اصلاح کے لیے

رسائل ایمان

کا مطالعہ کیجئے

اہل سنت کا بیج تعامل

السّوَاءُ وَالْبِرَاءُ اسلامی عقائد اور ایمانیات کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے جسے سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق لوگوں سے تعامل کرنا ہر صاحب ایمان کا فرض ہے، صحت مند اور مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے اسلامی تعلیمات مسئلہ السّوَاءُ وَالْبِرَاءُ کے ذریعے ہی ظہور پذیر ہو سکتی ہیں، ایک مومن اور مسلمان شخص کی السّوَاءُ وَالْبِرَاءُ کی بنیاد خالصتاً اسلام پر ہوتی ہے، مومن کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی وہ اپنے تعلقات میں ہر صورت اسلام اور اس کی تعلیمات کو ہی ترجیح دیتا ہے، یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو، اس کے ساتھ موالات پر مبنی تعلق رکھنا مومن پر واجب ہے۔ ایسے ہی جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا منکر اور کافر ہے، وہ جو بھی ہو جہاں بھی ہو اس سے لاطعلقی اور براءت کا اظہار فرض ہے۔ اور جس شخص میں بیک وقت ایمان اور فسق و فجور دونوں جمع ہوں، اس کے ساتھ اس کے ایمان کے مطابق موالات اور تعلق رکھنا اور جس قدر اس میں فسق و فجور ہے، اسی قدر اس سے اظہار براءت اور بیزاری واجب ہے۔ اور جو شخص ملت اسلام کی پرواہ کئے بغیر کفار سے موالات اور مومنوں سے براءت اختیار کرتا ہے۔ اس کی توحید اور ایمان میں خلل ہے۔



ڈسٹری بیوٹرز

مسجد توحید عقب سوڈیوال کوارٹرز ملتان روڈ لاہور

الحرم پبلیکیشنز

B-3 اقراسنٹر، مغربی شریٹ، اردو بازار لاہور

042-37241053, 0300/0322-4814274

ہم سب کے لیے بیج اہل سنت کا داعی

مَنِبِرُ التَّوْحِيدِ وَالسَّنَةِ

40-ا نورالحق کالونی، بہاولپور، فون: 0344-4762077

www.eemanway.org